ڈاکٹر جان بورتھ وِک گل کرسٹ کی لسانی خدمات

مقالہ نگار

ساجد جاوید

ایم اے (اردو)، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان، ۲۰۰۲ء

یہ مقالہ

پی ایچ۔ ڈی (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف ایڈوانس انٹگریٹڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ

(اُردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

جنوری ۲۰۱۴ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے۔ وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف ایڈوانس انگریجوایٹ سٹڈیز اینڈ ریسرچ کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: ڈاکٹر جان بورتھ وک گل کرسٹ کی لسانی خدمات

پیش کار: ساجد جاوید	رجسٹریشن نمبر:	378-M.Phil/Urd/2008

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ:	اردو زبان و ادب

Rubi Tareen ....

ڈاکٹر روبینہ ترین

نگران مقالہ

....

ڈاکٹر شندرہ منور

ڈین فیکلٹی آف ایڈوانس انگریجوایٹ سٹڈیز اینڈ ریسرچ

....

میجر جنرل (ر) مسعود حسن

ریکٹر

تاریخ ..01/12/14..

اقرار نامہ

میں، ساجد جاوید، حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے پی ایچ۔ ڈی اسکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر روبینہ ترین کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ کروں گا۔

ساجد جاوید

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری ۲۰۱۴ء

فہرست

فہرست ابواب

باب دوم: اردو زبان کے لیے مستشرقین کی ابتدائی کاوشیں اور

ساقی ارباب ذوق
0305 6406067
PDF Book Company

مقالے کا دائرہ کار

جان بورتھ وک گل کرسٹ کی لسانی خدمات پر تحقیقی مقالے لکھنے سے قبل ان عوامل' محرکات کا جائزہ لینا ضروری ہے جن کے پیش نظر وہ اردو زبان کی قواعد' لغت اور دیگر گوشوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں اہم کتب تالیف کیں۔ پہلے باب میں اٹھارہویں صدی کے برصغیر کا لسانی' ادبی اور سیاسی منظرنامہ ناگزیر گوشوں کے ساتھ زیر بحث لایا گیا ہے۔ برصغیر کی تاریخی' ادبی اور لسانی اہمیت مسلمہ ہے۔ اس باب میں ہند آریائی خاندان کے پس منظر' سنسکرت' پراکرت' اپ بھرنش بولیوں اور ان سے ترقی کرتے اردو تک پہنچنے والی اس زبان پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس باب میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مغل عہد تک فارسی زبان سرکاری ہونے کے ناطے اشرافیہ اور ادب کے لیے موزوں خیال کی جاتی تھی اردو زبان مختلف زیبا و نازیبا ناموں کے ساتھ بولی جارہی تھی۔ اٹھارہویں صدی میں یورپ کی مختلف ایسٹ انڈیا کمپنیوں کے تجارتی مقاصد اور عیسائی مذہب پھیلانے کے مقاصد کے تحت یورپی افراد نے دوسری مقامی بولیوں کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں بھی لسانی کتب تحریر کرنا شروع کیں۔ گل کرسٹ نے ہندوستان آ کر اردو زبان کی اہمیت اور خصوصیات سے متاثر ہو کر اس زبان میں قواعد نویسی کی کاوشیں شروع کیں۔ اس بات میں خان آرزو' شاہ حاتم اور دیگر مشرقی افراد کی لسانی کاوشوں پر اختصار اور جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب نمبر ۲ ''فصل اول'' میں اردو قواعد و لغت نویسی کے میدان میں مستشرقین کی کاوشوں کو بالعموم اور ''فصل دوم'' میں جان گل کرسٹ کی لسانی کاوشوں پر تفصیلی احوال شامل ہے۔ اس باب کے مطالعے سے اردو زبان کی پہلی گرامر' گل کرسٹ سے قبل کی لسانی روایت' مشرقی روایت میں ناکافی کتب کی وجہ سے گل کرسٹ کا اردو زبان میں لغت و قواعد' مکالمات' بول چال کی زبان کا معیاری روپ پیش کرنا' جیسی لسانی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کا سرزمین ہندوستان میں گزارا گیا بائیس سالہ دور' ان کی شبانہ روز محنت و جستجو' اشاعتی منصوبوں اور فورٹ ولیم کالج کے قیام میں ان کی کاوشوں کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ انگلینڈ واپسی اور انگلینڈ میں تصنیف و ترتیب و تالیف کتب کا احوال بھی تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ گل کرسٹ پر سوانحی مواد بہت کم ملتا ہے۔ اس باب میں گل کرسٹ کی سوانح کے بارے میں چند نئی باتیں شامل کی جارہی ہیں جو اس سے قبل کی اردو روایت میں راقم کی نظر سے نہیں گزریں۔ مثال کے طور پر گل کرسٹ کا اصل نام' باپ' ماں' بہن کے بارے میں معلومات پہلی مرتبہ اردو میں پیش کی جارہی ہیں۔ گل کرسٹ کی

کتب کے نام انگریزی زبان میں ہیں اور خاصے طویل ہیں۔گل کرسٹ کی ہر تصنیف کا عنوان مکمل دیا گیا ہے تا کہ آنے والے محققین کے لیے راہنمائی کا وسیلہ بنے۔

باب نمبر ۳ میں اصولِ لغت اور لغت نویسی کے لیے ضروری عناصر واصولوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔گل کرسٹ کی لغت نویسی سے قبل کی مشرقی اور مغربی لغت نویسی کا مختصر جائزہ بھی باب میں شامل ہے تا کہ ان کی لغت کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔اس کا کثیر حصہ ''ہندوستانی فلالوجی'' اور دیگر کتب میں بکھرا ہوا ملتا ہے۔اس باب میں ان تمام کتب اور حصوں کی نشان دہی کر دی گئی ہے تا کہ مستقبل میں گل کرسٹ کی لغت نویسی کے بکھرے اجزاء پر محققین مزید کام کر سکیں۔یہ باب ''انگلش ہندوستانی ڈکشنری'' کے موضوعات' اندراجات کے طریقوں اور طریقہ کار کا دیگر حصوں سے تقابل بھی اس باب کا حصہ ہے۔گل کرسٹ کی لغت نویسی پر اردو نقادوں نے تعصب' ہندوستان کے باشندوں سے نفرت وغیرہ کے جو اعتراضات کیے ہیں ان کو معروضی انداز سے حصہ بنا کر ان کی تائید اور تردید کے حوالے باب میں شامل ہیں۔

باب نمبر ۴ میں گل کرسٹ کے قواعد نویسی کا تفصیلاً جائزہ لیا گیا ہے۔گل کرسٹ سے قبل کیٹلر' شلز' ہیڈلے کی قواعدی کتب موجود تھیں جو مختصر اور سرسری نوعیت کی معلومات کی حامل کتابیں تھیں۔گل کرسٹ کی گریمر پہلی مرتبہ جامع گریمر پیش کی تھی۔اس کی خوبی یہ تھی کہ پہلی مرتبہ کس ماہر لسانیات نے اردو گریمر' کو اجزائے کلام کی بنیاد پر مرتب کیا تھا۔قواعدی مباحث کا مجموعی جائزہ اس باب کا حصہ ہے۔قواعد میں حصہ صرف کے مباحث خاصے طویل حصے پر نہیں لیکن نحو کا حصہ قدرے مختصر ہے۔مزید یہ کہ اس کتاب میں متفرق موضوعات پر تفصیلی مباحث شامل ہیں' اس باب میں علم عروض پر تفصیلی بحث سے جان گل کرسٹ کو علم عروض پر تحریر لکھنے والے پہلے مصنف کے طور پر بھی دیکھا اور ثابت کیا گیا ہے۔گل کرسٹ موسیقی کے راگ اور راگنیوں پر مختصر بحث کرتے ہیں' اس سے متعلق موسیقی کا بنیادی بیان شامل ہے۔گل کرسٹ کی باقی کتب میں جہاں جہاں قواعدی حصہ بکھرا بکھرا شامل ہے اس کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے۔

باب نمبر ۵ میں لغت و قواعد کے علاوہ لسانی خدمات پر اہم معلومات شامل کی گئی ہیں۔ان میں اردو زبان کے نام کے بارے میں گل کرسٹ کا نکتہ نظر' اس کی ابتدا کے بارے میں ابتدائی اشارے' اردو کو مورس اور جارگن کہے جانے کے خلاف دفاعی انداز' دفتری اور رسمی بول چال کی زبان کی تشکیل' اردو ادب کے لیے فورٹ ولیم کالج سے باغ و بہار ایسے نثری اسلوب کی جدتیں' اور سب سے اہم حکمرانی کی زبان "Language of Command" کی تشکیل کی بڑی لسانی خدمت کا ذکر موجود ہے۔جو گل کرسٹ کا ایک اعزاز ہے۔یہ ذکر بھی موجود ہے کہ گل کرسٹ کی

کوششوں سے انگریزوں نے ۱۸۳۲ء میں اردو کو اپنے زیر حکومت علاقوں میں سرکاری زبان بنا دیا تھا۔

باب نمبر ۶ میں گل کرسٹ کی لسانی خدمات پر محاکمے سے ان کی تعین قدر کے مقصد کے تحت اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔ مقالے کی کمپوزنگ کے لیے معاون Inpage سافٹ ویئر کے لیے اٹھارہویں صدی کے املائی نظام کو مکمل طور پر ثابت کرنا ممکن نہ تھا چنانچہ اٹھارہویں صدی کے اردو املا کی تحریری علامتوں میں اس سافٹ ویئر نے کہیں کہیں تسامحات سرزد کیے ہیں۔ کمپوزنگ کے ان مسائل کو مقالے کی خواندگی میں پیش نظر رکھا جانا ضروری ہے۔

Abstract

Dr. John Borthwick Gilchrist is one of those Orientalists, who did great service for the development of Urdu Language and Literature. His scholarly interests were not too limited to Urdu only; he did linguistic research in Sanskrit, Arabic, Persian and Hindee also. He is among the founders of Urdu Grammar and lexicography

Gilchrist's Grammar can be called the first comprehensive effort in Urdu. He introduced a new method in the tradition of Urdu Grammar. He was the first one who wrote Grammar on the basis of Parts of speech in Urdu. In reality Gilchrist had done this scholarly almost one and a half century prior to Moulvi Abdul Haq, who compiled "Quwaid-e-Urdu" on the same Grammatical Model.

Gilchrist's Grammar is written in English, and for Urdu words Roman Script and vis-à-vis Urdu type is used. Gilchrist's English Hindoostani Dictionary a huge one, consists of thirteen hundred pages. It is important to analyze the similarities and differences between the dictionary part of Hindoostanee Philology (1810) and the original Dictionary. Moreover in this dissertation the different pieces of dictionary dispersed into different books of Gilchrist are analyzed. It is tried to bring to light the behaviors and strategies of colonizers on the basis of analysis of Gilchrist's Grammar, Dictionary and other linguistic work of Gilchrist.

In this study the focus is, to enquire the method, theory and Grammatical model of Gilchrist. After the detailed analytical study of Gilchrist's Grammar and Dictionary, his other linguistic works are studied which hitherto were undiscussed in Urdu circles. Among them Gilchrist's efforts in laiding down the foundation of renaissance of Urdu prose, Structuring of "Language of command", publishing of Urdu prose books and his translations, and struggle for making Urdu an official language along with any other effort which helped in one or the other way, in promoting Urdu Language and literature are discussed in detail.

Gilchrist wrote more than twenty titles on Urdu Language in English and Roman Script. Their scarcity and roman script were the main causes, that they were not studied and acknowledged in Urdu circles. This dissertation is written to fill that sace. I hope it will start a serious discussion in Urdu Grammar and Dictionary studies.

مقالے کا مقصد

ڈاکٹر جان گل کرسٹ نوآبادیاتی دور میں ہندوستان آنے والے ایسے مستشرق تھے جنہوں نے ۱۷۸۲ء میں ہندوستان آنے کے بعد اپنی میڈیکل ملازمت چھوڑ کر اردو زبان و ادب کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ اٹھارہویں صدی میں مغل حکومت زوال کی طرف جارہی تھی۔ مغلوں کے ساتھ ساتھ ان کی سرکاری زبان فارسی بھی تیزی سے اپنی اہمیت کھو رہی تھی۔ اردو زبان عوامی بول چال کے درجے سے اوپر اٹھ کر مغل دربار میں اپنی جگہ بنا چکی تھی۔ اس زبان کو کسی ایسے ماہر لسانیات کی ضرورت تھی جو اس زبان کی جامع ترین گریمر تحریر کر سکے۔ اس نوزائیدہ زبان کے ذخیرۂ الفاظ پر کوئی معیاری لغت بھی موجود نہ تھی۔ گل کرسٹ نے اس زبان کے اندر پوشیدہ امکانات کو تلاش کرنے کے بعد اس کی قواعد اور لغت مرتب کی۔ گل کرسٹ سے قبل اس نوعیت کی کوئی کتاب ہندوستانی ادیبوں کی طرف سے تحریر نہیں کی گئی تھی۔ مغربی افراد نے چند قواعدیں مرتب کی تھیں لیکن یہ قواعدی کتب سرسری اور مختصر نوعیت کی تھیں۔ گل کرسٹ نے پہلی مرتبہ اردو زبان کی مفصل اور معیاری قواعد اور لغت مرتب کی۔ ''ہندوستانی فلالوجی'' کے منصوبے کی کامیابی کے بعد فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں اردو شعبے کے صدر نشین بھی تعینات کیے گئے۔ ۱۷۸۲ء سے ۱۸۰۴ء تک کے عرصے میں اردو زبان میں کئی کتابیں نہ صرف خود تالیف کیں بلکہ مقامی مصنفین سے بھی ترجمہ کرا کے اردو ادب کا دامن مالا مال کر دیا۔ گل کرسٹ کی وجہ سے ۱۸۳۲ء میں بنگال میں انگریزوں نے اردو کو قومی زبان کے مرتبے پر فائز کر دیا تھا۔ گل کرسٹ رسمی اور دفتری اردو کے بنیاد گزار بنے۔ اردو کے پہلے باقاعدہ قواعد نویس بنے اور اردو زبان و ادب کے محسن کہلائے۔ اردو زبان پر کم و بیش بیس سے زائد کتب تالیف کیں جو سب کی سب انگریزی زبان میں تھیں۔ گل کرسٹ پر تواریخ ادب میں بنیادی معلومات تو موجود ہیں لیکن ان کی لسانی خدمات پر آج تک تحقیقی کام نہیں ہوا۔ اس مقالے کی وساطت سے جان گل کرسٹ کی لسانی کاوشوں پر تحقیقی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی جارہی ہے تاکہ ادب اور لسانیات کی تاریخ میں گل کرسٹ کا جائز مقام مرتبہ متعین کیا جا سکے۔

اظہار تشکر

گریجوایشن کے طالب علم بنے تو اردو بطور اختیاری مضمون منتخب کر کے ہم نے اپنی زندگی میں اردو زبان و ادب کا ایک خاص مقام و مرتبہ متعین کر لیا تھا۔ خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ مرتبہ شکر ادا کرنا مقدم ہے کہ اس کی عنایت سے B.Z.U میں ایم۔اے کے طالب علم بنے۔ اس مادرِ علمی کی علم پرور فضا، محترم اساتذہ کا شفقت بھرا برتاؤ اور اردو ادب سے مزید گہری ہوتی ہوئی لگن نے ہمیں یہ ادراک کرنے میں مدد دی کہ اب روزگار کا میدان بھی اردو ہی ہو گا۔ قسمت کی دیوی مہربان ہوئی اور 2005ء میں یونیورسٹی آف سرگودھا میں اردو شعبے میں لیکچرر کے طور پر تعینات ہوئے۔ یہاں تک پہنچنا میری زندگی کا حسین سفر اور پی ایچ۔ڈی کے سلسلے کا پہلا فیز تھا جو مکمل ہوا۔

پی ایچ۔ڈی کا دوسرا فیز ۲۰۰۸ء میں شروع ہوا جب مہربان شفیق اور درد دل رکھنے والے محترم استاد ڈاکٹر عابد سیال کی ترغیب سے میں نے N.U.M.L جیسی مردم خیز مادرِ علمی میں داخلہ لیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر شندرہ منور صاحبہ کے کمال تعاون اور حوصلہ افزائی کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے' جن کی انتظامی مہارتیں اور حسنِ اخلاق مجھ سمیت بیسیوں اسکالرز کے لیے رہنمائی کا استعارہ ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین صاحب کا بطور استاد ایک مخلص اور مہربان شخصیت کے طور پر دیکھا اور بطور صدر نشین شعبہ اردو کے ان سے رہنمائی کا سلسلہ رہا۔ ان کی شخصیت بیک وقت علم و شفقت کا منبع ہے۔ وہ نہ صرف تحقیق و تنقید میں رہنما ثابت ہوئیں، بلکہ اپنے تدریسی تجربے کی بنا پر بطور استاد بھی مددگار ٹھہریں۔ پی ایچ۔ڈی میں کلاس ورک سے لے کر مقالے کے اختتام تک ان کا تعاون مشعلِ راہ رہا، جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ عابد سیال صاحب نے جس طرح پی ایچ۔ڈی میں داخلے سے لے کر مقالے کے اختتام تک ساتھ دیا، وہ ان کی علم دوستی کا ثبوت ہے۔ ان کی محبتوں کا شکریہ الفاظ کا محتاج نہیں۔ ڈاکٹر رشید امجد کی شخصیت کا بطور ادیب ۲۰۰۳ء سے ہی خاصا رعب تھا۔ میرے لیے اعزاز کی بات ہے کہ میں ان کا شاگرد بھی ہوں۔ شعبہ کے دیگر اساتذہ بالخصوص ڈاکٹر فوزیہ اسلم، ڈاکٹر شفیق انجم اور ڈاکٹر گوہر نوشاہی کی رہنمائی ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

ڈاکٹر روبینہ ترین صاحبہ جیسی شفیق' مخلص' ہمدرد' مددگار اور حوصلہ بڑھانے والی استاد ہستی کا بے انتہا شکریہ ادا کرنا فرض ہے جو کبھی ادا نہیں ہو سکتا۔ میڈم کی ہمدردی' خلوص اور تعاون کا شکریہ الفاظ کا محتاج نہیں، میری دعا ہے کہ قدرت ان کو ہمیشہ خوش و خرم اور ہنستا مسکراتا رکھے۔

تین ادارے میرے دلی شکریے کے مستحق ہیں۔ ایک میری اپنی یونیورسٹی جس نے مجھے تنخواہ سمیت تعلیمی رخصت عنایت کی' دوسرا ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) جس کی مالی معاونت نے جزوی طور پر معاشی و مالیاتی مسائل

کو کم کیا اور تیسرا ادارہ N.U.M.L ہے جس نے مجھے Ph.D کی ڈگری حاصل کرنے کی توفیق دی۔ مجھے اپنے مہربان ڈاکٹر عامر سہیل صاحب کا دلی شکریہ ادا کرنا ہے، مجھے شاہد نواز کی محبتوں کا اعادہ کرنا ہے اور محمد نعیم جیسے خوبصورت دل رکھنے والے کی محبتوں کا ذکر کرنا ہے جو اس سفر میں مرے ہم سفر رہے۔ اپنی شریکِ کار شعیبہ معید کی رفاقت بھی اپنی جگہ حوصلہ افزا رہی۔ اپنے ہم جماعتوں ڈاکٹر فاخرہ، ڈاکٹر عبدالواجد تبسم، اپنے مہربان دوست جناب طارق الیاس اور کاشفہ طارق اور باقی دوستوں کے تعاون کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میری ماں، میرے مرحوم والد، بھائیوں، بہنوں اور عزیزوں کی محبتوں کو شکریے سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ اپنی شریک سفر، اپنے دو بچوں کی محبتوں کا نعم البدل سوائے ان سے محبت کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ محترم بلال کی خوبصورت کمپوزنگ کا شکریہ اور آخر میں اپنی ہمت کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس کی وجہ سے یہ مقالہ ضبطِ تحریر میں آیا۔

ساجد جاوید

جنوری ۲۰۱۴ء

باب اوّل:

اٹھارہویں صدی کے برِ صغیر کا لسانی منظر نامہ

۱۔ برصغیر کی لسانی تقسیم اور مختلف زبانیں

۲۔ سترہویں صدی تک کا ادبی اور لسانی ڈھانچہ

۳۔ اٹھارہویں صدی کا ادبی اور لسانی منظر نامہ

۴۔ غرائب اللغات از ملا عبدلواسع ہانسوی

۵۔ نوادرالالفاظ از خان آرزو

۶۔ دیوان زادہ از شاہ حاتم اور اصلاح زبان کے دیگر زاویے

۷۔ مغربی اقوام کی ہندوستان آمد کے لسانی منظر نامے پر اثرات

بابِ اوّل:

اٹھارہویں صدی کے برِ صغیر کا لسانی منظر نامہ

برِ صغیر پاک و ہند کا قطعۂ زمین بڑی بڑی تہذیبوں، متنوع اقسام کی ثقافتوں، کثیر اللسانی حیثیتوں، مختلف اقسام کے موسموں، مختلف مذاہب، جغرافیائی خدوخال، مصالحہ جات، قدیم ادبی فن پاروں، معدنیات و وسائل کی فراوانیوں اور بے حساب خوبیوں کی بدولت قدیم تاریخ سے لے کر جدید دور تک، عوام و حکمران ہر دو طبقوں کے لیے دلچسپی کا حامل رہا ہے۔ قدیم تاریخ سے دراوڑوں، آریاؤں سے لے کر جدید عہد کے نوآبادیاتی یورپی حکمرانوں کے لیے اس خطے میں ہمیشہ ایک کشش موجود رہی ہے جس کی بدولت غیر ملکیوں نے اس دھرتی کو مختلف مقاصد کے تحت تاخت و تاراج بھی کیا ہے اور حکمرانی بھی قائم کی تھی۔ ہندوستان کی تاریخ، تاریخِ عالم میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ اہمیت قدیم مذہبی کتابوں (وید مقدس) ''عالمی کلاسیک'' کے درجے کے حامل ادبی فن پاروں (مہابھارت، رامائن وغیرہ) قواعدی کتب (پانِنی کی سنسکرت گریمر) اور مختلف قسم کی تہذیبوں کے ادغام سے پیدا ہونے والے ثقافتی، لسانی، مذہبی اور ادبی روایت کے حامل برصغیر کا قدیم روپ پیش کرتی ہے۔

سترہویں صدی عیسوی کے آخری ربع کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مغل بادشاہ اورنگ زیب کے توسیع پسندانہ عزائم سے دکن کی مسلم ریاستوں کو فتح کر کے ہندوستان بھر کی سرزمین پر مغلوں کی فتح کا پرچم لہرا دیا گیا تھا۔ تعریف و تنقیص سے قطع نظر، اگر ہندوستان سیاسی حیثیت کا جائزہ لیا جائے تو یہ عنصر سامنے آتا ہے کہ کئی صدیوں کی (بہمنی سلطنت سے لے کر سقوطِ دکن تک) شمالی و جنوبی ہند کی چپقلش، نفرتوں، مرکز گریز پالیسوں کو ختم کر کے ان کو دہلی کے مرکز کے زیرِ تسلط لایا گیا۔ اس فتح نے زندگی کے ہر ہر شعبے کو متاثر کیا۔ شمالی جنوبی ہند کی نفرت کی دیوار گری تو دونوں طرف کے ہندوستانیوں کا آپس میں رابطہ ہوا۔ اس طرح کے اخلاط سے ثقافتی و مذہبی لسانی و ادبی میدان بھی دونوں اطراف باشندوں کے میل جول سے تبدیلیوں کا شکار ہوا۔ اور ادیبوں کے آنے سے دونوں اطراف کے افراد کو ایک دوسرے کو سمجھنے کو موقع ملا۔ اس پر ادبی سطح میں بھی خوشنما تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ ۱۷۰۰ء میں ولی دکنی (دکنی شاعر) کا دہلی سیر و سیاحت کے لیے تشریف لانا اور واپس جا کر اردو زبان (ریختہ) میں شعر گوئی کو استحکام دینا، ایک مظہر کے طور پر بطور مثال لیا جا سکتا ہے۔

اٹھارہویں صدی کے پہلے عشرے میں مضبوط حکومت کا مضبوط مغل بادشاہ، اورنگ زیب عالمگیر طبعی عمر

پوری کرنے کے بعد ۱۷۰۷ء میں خالق حقیقی سے جاملا تو اس کے جانشینوں کی نااہل حکمران' قائدانہ صلاحیتوں کے فقدان' محلاتی سازشوں' غرض مختلف طرح کی بداعمالیوں کی وجہ سے برصغیر بہت بڑے تغیرات کا شکار ہوا۔ یہ تغیرات جن میں بہت بڑے ملک کا نااہل حکمرانوں سے سنبھل نہ پانا' آبادی کا بھوک' افلاس اور عدم تحفظ کا شکار ہونا' ریاستی باغیوں کی سازشوں سے بعض امن کے مسائل اور مغل حکومت کے زوال کی ابتدا جیسے عوامل شامل تھے' منہ زور ہوتے چلے گئے کہ چند عشروں بعد نہ مغلوں کی شان باقی رہی' نہ ملک باقی رہا' نہ رعب و دبدبہ اور نہ ہی وہ متحدہ ہندوستان جو اکبر اعظم سے لے کر عالمگیر تک محفوظ ہاتھوں میں موجود رہا تھا۔ یہ صدی مغل حکومت اور سیاسی' معاشی معاشرتی طور پر مسلمانوں کی ناکامی کی صدی تھی۔ لیکن یہ بڑی دلچسپ حقیقت ہے کہ اس صدی میں عوامی بول چال کی زبان' اردو مضبوط حیثیت سے ظاہر ہوئی۔ یہ زبان ہندوستان بھر میں مختلف ناموں سے پکاری جاتی رہی' اشرافیہ کی تحقیر کے وار سہتی رہی' فارسی کے سامنے دوسرے درجے کی' بھاکھا' ملیچھ' مورس' Vulgar اور جارگن جیسے کم حقیقت ناموں سے پکاری جاتی رہی۔ لیکن یہ اردو زبان ایک نئی شناخت' نئی لسانی طاقت اور بھرپور ذخیرہ الفاظ کے ساتھ عوام و خواص کی زبان بنتی چلی گئی۔ اس زبان کو اسی صدی میں بہت بڑے ادیبوں نے شعر و نثر اور ادبی مقاصد کے لیے استعمال کیا یوں کچھ ہی عرصے میں یہ زبان فارسی (سرکاری زبان) کو تیزی سے پیچھے چھوڑتی چلی گئی۔ یہ زبان اتنی اہمیت اختیار کر گئی کہ ایسٹ انڈیا کمپنیوں کے تحت ہندوستان میں تجارت کے لیے آنے والے افراد نے اس میں لغت و قواعد نویسی کی کتب مرتب کرنے سے بطور زبان' اردو کو ایک مستحکم حیثیت پر فائز کر دیا۔ اردو زبان کی لسانی و ادبی حیثیت اور برصغیر میں اس کے خاندان اور دیگر زبانوں کو سمجھنے کے لیے برصغیر کی لسانی منظرنامے پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا سود مند ہوگا۔

۱۔ برصغیر کی لسانی تقسیم اور مختلف زبانیں

ہندوستان (پاکستان و بھارت) دنیا کے ان چند ممالک کی فہرست میں ایک ہے جس میں سیکڑوں بولیاں اور زبانیں بولی جاتی رہی ہیں اور آج بھی یہ زبانیں رنگارنگی کے ساتھ اس دھرتی پر موجود ہیں۔ دنیا بھر کی زبانوں کی تعداد کا صحیح علم قیاسات پر مبنی ہے، البتہ ماہرین لسانیات نے معلوم زبانوں کو' جن کی تعداد ہزاروں میں ہے' کو چند خاندانوں میں تقسیم کر کے ان کی درجہ بندی کی ہے۔ دنیا بھر کی زبانوں کو خاندانوں میں تقسیم کرنے کے پیچھے جو اصول ان کے پیش نظر رہے، ان میں زبانوں کی نحوی و ترکیبی خصوصیات' فونیمیائی مماثلتیں' حروف تہجی اور آوازوں کا اتصال و قبول' الفاظ کی صوتی مماثلتیں اور دوسرے عوامل شامل ہیں۔ دنیا بھر کی زبانوں کو ۸ سے لے کر ۱۰۰ مختلف

خاندانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں؛

> ''1822 میں جرمن عالم ہمبولٹ نے طے کیا کہ دنیا میں زبانوں کے کل 13 خاندان ہیں۔پارٹی رج نے دس ہی مانے۔فریڈرک ملر اور بعض دوسرے علما کے مطابق 100 خاندان ہیں۔لیکن جے ڈبلیو پاول (Powell) نے 1891 میں امریکہ ہی میں 54 خاندان قرار دیے تھے۔سپیر نے 1929 میں انہیں چھ بڑے خاندانوں میں اسیر کیا۔جب ایک علاقے کی زبانوں کے بارے میں اتنا اختلاف ہو تو پوری دنیا کے خاندانوں کی کس طرح قطعی حد بندی کی جائے۔ بیسویں صدی کے نصف میں فرنچ اکیڈمی نے طے کیا کہ دنیا میں 2796 زبانیں ہیں۔گرے بھی اس سے متفق ہیں۔انہوں نے خاندانوں اور غیر مطلع زبانوں کو لے کی 26 گروہوں میں محصور کیا''۔(۱)

ڈاکٹر گیان چند جین نے زبان کے خاندانوں کی تقسیم جغرافیائی ٹکڑوں میں علیحدہ کر کے مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا ہے جو زبانوں کی تقسیم کے عمل کو سمجھنے میں بہتر معاون ثابت ہوتا ہے۔انہوں نے جغرافیائی تقسیم کے تحت چار خطوں میں زبانوں کو بانٹا ہے' جن میں امریکی زبانوں کا خطہ' آسٹرک خطہ' افریقی خطہ اور ایشیائی خطہ شامل ہیں ۔دیگر ماہرین السنہ نے دنیا بھر کی زبانوں کو آٹھ بڑے خاندانوں میں تقسیم کیا ہے جن کی ترتیب و تفصیل یوں ہے:ا۔ سامی ۲۔ہند چینی ۳۔دراوڑی ۴۔مونڈا ۵۔افریقہ کی بانتو ۶۔امریکی ۷۔ملایا ۸۔ہند یورپی۔ان تمام خاندانوں کی موجودگی کی تحقیق کی جائے تو پتہ چلتا ہے ان خاندانوں میں سے پانچ خاندانوں سے تعلق رکھنے والی سیکڑوں زبانیں اور بولیاں بھارت اور پاکستان کے مختلف علاقوں میں بولی' لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔

زبانوں کے علاقائی سروے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے شمالی علاقوں میں ہند چینی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ہندوستان کے جنوبی (دکنی) علاقوں میں دراوڑی خاندان کی بڑی زبانیں ملیالم' کنڑا' تلیگو وغیرہ بولی جاتی ہیں۔ یہ زبانیں اپنی تاریخ کے اعتبار سے سنسکرت سے بھی زیادہ قدامت کی حامل ہیں۔ برصغیر کے وسطی علاقوں میں ہند یورپی سلسلے کے ایک بڑے حصے یعنی ہند آریائی خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں دوسرے بہت سی ترقی یافتہ زبانوں کے ساتھ ساتھ ہندوستانی' ہندی یا اردو زبان ایک اہم زبان ہے۔ ہندوستان پر

طویل مسلم دور حکمرانی میں فارسی زبان رائج رہی جو اسی آریائی خاندان کے سلسلے ہند ایرانی شاخ کی بڑی زبان ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی ہے۔ مذہبی حیثیت اور مسلم اکثریت کی دلچسپی کی وجہ سے عربی زبان ہندوپاک کے بڑے حصے میں بولی، سمجھی اور پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح ایک دلچسپ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہندوستان بھر کی زبانیں آٹھ میں سے پانچ خاندانوں میں شامل ہیں جو پاک و ہند کی لسانی اہمیت کی ایک دلیل ہے۔

برصغیر میں زبانوں کے قدیم تاریخی سلسلوں پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں قریباً پانچ ہزار قبل مسیح عہد میں منڈا نامی قبائل آباد تھے اور منڈاوی زبانیں بولتے تھے۔ ان قبائل کی زبانوں کے بہت سے الفاظ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود آج کی اردو ہندی پنجابی زبانوں میں ملتے ہیں۔ جن کی تفصیل Hamilton Edith نے اپنی کتاب Mythology میں دی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر ان پر یوں تبصرہ کرتے ہیں،

> ''آج یہ الفاظ ہماری روزمرہ کی گفتگو میں عام استعمال ہوتے ہیں۔ نانا' نانی' ماما' مامی' پھوپھا' پھوپھو' سالا' سالی' موسی' بر (یعنی دولہا) پیڑھی (یعنی نسل) 'نتھ' گہنا' آنچل' توڑا' ببول' ککڑی' نیم' بستہ... کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ اور ان جیسے لاتعداد الفاظ اس منڈاوی زبان کے ہیں' جو ہمارے علاقے میں آریاؤں بلکہ دراوڑوں سے بھی پہلے بولی جاتی تھی۔ یہ منڈا قبائل کی زبان تھی اور آج سے تقریباً چھ ہزار برس قبل رائج تھی''۔ (۲)

منڈاوی قبائل کی جگہ جب دراوڑی نسل کے قبائل نے لی تو ان کی بولیوں کے بہت سے الفاظ قدرتی طور پر دراوڑی زبانوں کا حصہ بن گئے اور یوں ان بولیوں کے الفاظ ان کے مضبوط مظاہر کے طور پر زندہ رہے اور آنے والے دور کی زبانوں کا حصہ بن گئے۔ دراوڑی خاندان کی زبانوں کے نمونے بھی بڑی تعداد میں محفوظ نہیں کیے جا سکے اس لیے وہ کیا زبانیں بولتے تھے' کس قواعدی ڈھانچے پر یہ زبانیں کھڑی تھیں ان پر تحقیق ہنوز ادھوری ہے۔ البتہ دراوڑی تہذیب کے دو بڑے شہروں ہڑپہ اور موہن جودڑو کے کھنڈرات سے ملے تحریری و تصویری نمونوں پر تحقیق جاری ہے۔

ڈھائی ہزار سال قبل مسیح (تقریباً) سے سائبیریا کے سرد علاقوں سے آریا قوم کی ہندوستان آمد کے سراغ ملنا شروع ہوتے ہیں۔ آریا قوم سائبیریا سے چلی تو دو بڑے قبیلوں میں بٹ گئی۔ ایک قبیلہ یورپ کے ممالک میں جا بسا

اور دوسرا بڑا گروہ ایران سے ہوتا ہوا ہندوستان کے زرخیز وسطی علاقے پر قابض ہوتا چلا گیا۔ یورپ میں موجود آریائی قبائل کی بولیوں سے یورپی زبانیں متاثر ہونا شروع ہوئیں۔ دوسرے گروہ سے ایران آنے کے بعد وہاں کی مقامی زبان فارسی کے روپ میں ڈھلتی چلی گئی۔ ۱۵۰۰ قبل مسیح کے قریب اس منظم قوم نے امن پسند غیر منظم دراوڑوں کو بزور شمشیر شکست دی۔ ان کے زرخیز وسطی علاقوں پر قبضہ کیا۔ دراوڑوں کی ایک بڑی تعداد کو دکن بھاگ جانے پر مجبور کیا اور بڑی اکثریت کو غلام بنالیا ذاتوں پاتوں کے برہمن، کھشتری، ویش اور شودر طبقوں میں لوگوں کو بانٹ کر یہاں حکمرانی کا آغاز کیا۔ برہمن آریائی سرداروں نے مذہبی حکمرانی اپنے ہاتھ میں لے لی اور یوں دراوڑی رسوم واطوار پر مشتمل نیا مذہبی نظام وضع کیا، جس کے لیے مذہبی کتب کی ضرورت محسوس کی گئی۔

آریاؤں کی بولی (جس کا نام وید تھا) جب مقامی ہندوستانی بولیوں سے باہم آمیخت ہوئی تو ایک بڑی کلاسیکی زبان وجود میں آئی جسے سنسکرت کا نام دیا گیا۔ ''دیوتاؤں کی زبان'' کہلانے والی یہ زبان مقامی افراد جن میں شودر شامل تھے ان کے لیے بولنا تو در کنار سننا بھی ناقابل تلافی جرم قرار دے دی گئی۔ سنسکرت میں مذہبی کتب مرتب کی گئیں جن میں رگ وید، سام وید، یجر وید، اتھر وید اور مذہبی نوعیت کے احکامات شامل تھے۔ سنسکرت، عوام سے دوری کی وجہ سے نئے الفاظ کی لسانی خوراک سے محروم ہوتی چلی گئی۔ اقلیتی زبان ہونے کے باعث تقریباً ایک ہزار سال بعد زوال آمادہ ہونا شروع ہوگئی اور صرف مذہبی زبان کے طور پر کتابوں، بھجنوں اور پنڈتوں کے ذہن میں محفوظ ہوگئی۔ اس قدیم کلاسیکی زبان سنسکرت کا فارسی کے ساتھ تعلق اٹھارہویں صدی میں خان آرزو (ہندوستانی ماہر لسانیات) نے ظاہر کیا (جن کا اگلے باب میں ذکر ہے)۔ اسی صدی کے آخری ربع میں مشہور برطانوی سر ولیم جونز ہندوستان آیا تو سنسکرت کے ادب اور اس کی لسانی اہمیت کو دیکھ کر حیران رہ گیا تو پہلی مرتبہ مشرقی و مغربی اقوام کو اس لسانی حقیقت سے روشناس کرایا کہ یہ زبان قدیم یورپی کلاسیکی زبانوں، یونانی لاطینی زبانوں کے بہت قریب ہے اور یہ نتیجہ پیش کیا کہ ان کا مبدا ایک ہی ہے۔ یوں ان زبانوں کو آریائی زبانوں کی ذیل میں شامل کر کے نئی لسانی تحقیقات کا دور شروع کیا گیا۔ اس زبان کے بارے سر ولیم جونز نے لکھا تھا،

''سنسکرت زبان، اس کی قدامت خواہ کچھ ہو، ساخت کے اعتبار سے ایک عجیب زبان ہے، یونانی سے زیادہ مکمل، لاطینی سے زیادہ وسیع اور ان دونوں سے کہیں زیادہ شستہ ورفتہ، باایں ہمہ ان دونوں سے اس کا بہت قریبی رشتہ معلوم ہوتا ہے۔ جو افعال کے مادوں اور دوسری صرفی ونحوی شکلوں میں موجود ہے۔ جو یقیناً

کسی اتفاق یا حادثے کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ یہ رشتہ ایسا مضبوط ہے کہ کوئی ماہر لسانیات جو ان تینوں کا مطالعہ کرے' یہ یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان سب کا ماخذ ایک ہے جواب موجود نہیں ہے۔ ایسا ہی سبب جو شاید اتنا قوی نہ ہو' گاتھک اور کلتانی' بلاشبہ جن میں اور مختلف محاوروں کا وجود ہے اسی ماخذ سے نکلی ہیں جن سے سنسکرت بھی ماخوذ ہے' اور قدیم فارسی کو بھی اسی خاندان میں شامل کیا جا سکتا تھا۔ اگر یہاں ایران کی قدامت سے متعلق کسی سوال پر بحث کرنے کی گنجائش ہوتی''۔ (۳)

سنسکرت کی کلاسیکی حیثیت کو مہا بھارت' رامائین اور مقدس ویدوں کے ساتھ ساتھ' اس زبان کے پہلے قواعد نویس پانِنی نے بھی اوجِ کمال پر پہنچایا۔ پانِنی جو کہ قبل مسیح دور کا ماہر زبان تھا اس نے سنسکرت زبان کی جامع قواعد کو مرتب کیا تھا اور اس کا نام ''اشٹ ادھیائے'' رکھا تھا۔ پانِنی ہندوستان کی دھرتی کا بھی پہلا قواعد نویس بن کر سامنے آیا۔ پانِنی کی لسانی کاوشیں بتاتی ہیں کہ قبل مسیح دور کے ہندوستان میں نہ صرف عظیم کلاسیکی فن پارے مرتب ہو رہے تھے بلکہ ان کی قواعد مرتب کرنے کے فن سے بھی ہندوستانی لوگ آگاہ تھے۔ پانِنی کے کارناموں سے آج کی اردو دنیا ناواقف ہے جو بدقسمتی کی بات ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی پانِنی کی اہمیت کے بارے میں یوں اظہار کرتے ہیں'

''افسوس یہ ہے کہ خود برصغیر پاک و ہند میں فارسی اور اردو کے قواعد نویس پانِنی کے نام اور اس کے کارناموں سے قطعاً نامانوس معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی نظر فارسی اور عربی کے نحویوں سے آگے نہیں بڑھتی۔ انہی کے افکار و خیالات اور ان کی صرفی و نحوی تشریحات کو وہ اپنے لیے رہنما قرار دیتے ہیں۔ اس کا ایک سبب شاید یہ بھی ہے کہ ہمارے قواعد نویس سنسکرت سے واقف نہ تھے اور نہ پراکرتوں اور ان کے ارتقا کی تاریخ سے آگاہ تھے۔ نہ انہیں ہند آریائی زبانوں کی اصل و نسل کی تحقیق سے دلچسپی تھی''۔ (۴)

آریا قوم نے اپنی زبان کو فخر سے ''سنسکرت'' (دیوتاؤں کی زبان) کا نام دیا جبکہ مقامی افراد کی بولیوں کو

حقارت ونفرت سے ''پراکرت'' زبانیں کہا جس کا مفہوم تھا گری پڑی زبانیں۔ آریاؤں کا پراکرت زبانوں سے تحقیر کا رویہ ان کی قدروا ہمیت کو ختم نہ کر سکا اور ایک وقت آیا جب یہ ''گری پڑی بولیاں'' سنسکرت کے زوال کے بعد قریباً ۵۰۰ قبل مسیح کے قریب خاص اہمیت کی حامل ہو گئیں اور اس دور کے مذہبی وادبی فن پاروں نے ان زبانوں کو ترقی یافتہ زبانیں بنا کر پیش کیا۔ ان بولیوں میں بڑا ادب تخلیق ہوا۔ تقریباً ۶۰۰ ق۔م کے دور میں برصغیر کے دو بڑے مذہبی پیشواؤں مہاتما بدھ (بدھ مت) اور مہاویر (جین مت) نے ان بولیوں میں مقدس تعلیمات کا پرچار کیا تو یہ مقامی بولیاں چمک اٹھیں اور ترقی کی شاہراہ پر آگے بڑھنا شروع ہوئیں۔ مہاتما بدھ کی مذہبی زبان ''پالی'' پراکرت زبانوں کے سلسلے کی پہلی ادبی پراکرت بن کر سامنے آئی۔ یہ پالی زبان اصل میں ماگھدی پراکرت کی ایک ترقی یافتہ بولی تھی جسے مہاتما بدھ کی مذہبی تعلیمات نے اس سلسلے سے ممیز کر دیا تھا۔ ہندوستان میں بولی جانے والی بڑی زبانیں ہند یورپی خاندان کی شاخ ہند آریائی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس خاندان کے مختلف نام تجویز کیے گئے لیکن سب سے موزوں نام ہند آریائی خاندان قرار پایا۔ ہند آریائی خاندان کی تین ہزار پانچ سو سال کی تاریخ کو ماہرین لسانیات نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے جو ان کی زبان کے ارتقاء کے مراحل کو واضح کرتا ہے۔

ماہرین لسانیات سنسکرت کے ایک ہزار سال کے دور کو قدیم ہند آریائی زبانوں کا دور قرار دیتے ہیں جو ۱۵۰۰ ق۔م سے لے کر ۵۰۰ ق۔م کے ایک ہزار سال پر محیط تھا۔ وسطی ہند آریائی دور ۵۰۰ ق۔م سے لے کر ۱۰۰۰ عیسوی تک کے عہد تک محیط ہے۔ ۵۰۰ عیسوی کے قریب پراکرتیں زوال کی طرف جان شروع ہوئیں تو اگلے پانچ سو سال تک اپ بھرنش بولیاں ان کی جگہ لینے کے لیے سامنے آئیں۔ یہ اپ بھاشائیں جدید ہند آریائی دور اور وسطی ہند آریائی دور کا عبوری دور ہیں۔ اپ بھرنش کے بعد ہندوستان میں ۱۰۰۰ عیسوی کے قریب زبانوں کا جدید ہند آریائی دور طلوع ہوتا ہے۔ اس عہد میں مسلم حکمرانوں کی ہندوستان پر عملداری سے نئی زبانوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جن میں ایک بڑی ترقی یافتہ زبان ہندوستانی تھی جسے آج اردو کہا جاتا ہے۔

۱۰۰۰ عیسوی سے ہند آریائی زبانوں کا جدید دور شروع ہوتا ہے جس میں اردو زبان ایک بڑی زبان کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اس دور کے قریب اپ بھرنش زبانیں زوال کا شکار ہوئی تو شورسینی اپ بھرنش سلسلے سے تین بولیاں الگ ہونا شروع ہوئیں جن میں ایک راجستھانی بولی، دوسری پنجابی بولی اور تیسری ہندوی (اردو) زبان طلوع ہوئی۔ (۵) یہ ہندوی زبان آگے چل کر ہندوستانی بنی جسے آج ہم اردو کہتے ہیں۔ اسی ہندوی کا دوسرا روپ ہندی کی صورت اور نام سے بھارت میں بولا جاتا ہے جو اردو سے قواعدی طور پر مماثل ہے لیکن اس میں سنسکرتی اور بھاشائی الفاظ کا استعمال اردو سے اس کو الگ کرتا ہے۔ اس کے مقابل اردو زبان میں عربی فارسی الفاظ، تراکیب اور

محاورہ اسے اردو کے نام سے شناخت دیتا ہے۔

۲۔ سترہویں صدی تک کا ادبی ولسانی ڈھانچہ

۱۰۰۰ عیسوی کے میں سلطان محمود غزنوی ہندوستان کے مغربی علاقوں سے ہوتا ہوا پنجاب کے علاقوں میں اپنا تسلط جمانا شروع کر چکا تھا۔ اس کے لگاتار حملوں سے پنجاب کا علاقہ اس کے قبضے میں آ گیا تھا۔ پنجاب کے اہم شہر لاہور پر محمود غزنوی نے ایاز کو گورنر بنا کر اس کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ محمود کے ہندوستان پر حملوں سے یہاں کی مقامی پنجابی بولیوں' جن میں ملتانی اور لاہوری بولیاں شامل ہیں' ان میں فارسی' ترکی اور عربی الفاظ کی شمولیت تیزی سے شروع ہوئی۔ اس سے قبل محمد بن قاسم کے سندھ اور ملتان پر حکمرانی سے بھی ان زبانوں کا اختلاط مقامی سندھی اور ملتانی سے ہوا تھا اور اس کا پیمانہ محدود تھا لیکن غزنویوں کے تسلط کے بعد مقامی بولیوں میں عربی فارسی اثرات تیزی سے اور بڑے پیمانے پر پڑنا شروع ہوئے۔ غزنوی خاندان نے پونے دوسو سال حکومت کی اور یہاں پر فارسی زبان کو سرکاری زبان کے منصب پر فائز کیا۔ غزنوی عہد کے بعد غوریوں تغلق اور دوسرے مسلم خاندانوں نے بھی سرکاری زبان فارسی کو ہی برقرار رکھا اور تبدیل نہ کیا۔ سرکار دربار کی زبان فارسی تھی۔

اس زبان کے متوازی مقامی سطح پر مختلف علاقوں میں ایک بولی نہ صرف یہ کہ موجود تھی بلکہ اس میں ابتدائی ادب بھی تخلیق ہو رہا تھا۔ اس بولی کا کوئی خاص نام نہ تھا۔ یہ بولی ہندوی بولی تھی جسے مختلف ہندوستانی علاقوں کی مناسبت سے علاقائی ناموں سے موسوم کیا جا رہا تھا۔ اس زبان کے ادبی روپوں سے اس کی شکل وصورت اور نام کی دلچسپ حکایت جڑی ہوئی ہے۔ امیر خسرو نے اس زبان کو "دہلوی" کا نام دیا تھا۔ گجرات میں اسے گجری / گوجری زبان' دکن میں دکنی' دلی کے آس پاس کھڑی بولی' کہیں اسے ہندوستانی / ہندی / ہندوی اور زبانِ ہندوستان کے مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ ان بولیوں کے ادب پاروں کے مطالعے سے اس زبان کا ناک نقشہ تھوڑے بہت لسانی اختلاف کے ساتھ تقریباً ملتا جلتا تھا۔ یہ ہندوی زبان آگے چل کر اہم زبان کے درجے پر فائز ہوئی۔ یہ زبان مختلف ناموں سے ہندوستان کی مقامی بولی کے طور پر ارتقا پذیر ہوتی رہی۔ بابا فرید' امیر خسرو' شیخ علی محمد جیوگام دھنی' خواجہ بندہ نواز گیسو دراز' شاہ حسین حقیقت' ملا وجہی کی تخلیقات اور دکن کی شعری روایت کے مطالعے سے اس زبان کے ہر مختلف ادوار میں موجود مختلف روپ بطور مثال دیکھے جا سکتے ہیں۔ (۶)

سولہویں صدی کے ہندوستان پر ظہیر الدین بابر کی حکومت (۱۵۲۶ء) سے "مغل دور حکومت" کا آغاز ہوتا

ہے جو تاریخ ہندوستان کا ایک اہم باب ہے۔ ظہیر الدین بابر نے ''سلطنت پیریڈ'' کی سرکاری زبان فارسی' کو سرکاری زبان کے منصب پر برقرار رکھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اس دور تک کے اشرافیہ کی زبان کے علاوہ سرکاری معاملات اس زبان میں ادا ہو رہے تھے اس لیے اس کی تبدیلی آسان نہیں تھی۔ سولھویں صدی میں ہندوستان میں پرتگالی قوم نے تجارتی مقاصد کے تحت آمد و رفت شروع کی۔ اکبر اعظم کے دربار میں یورپی افراد کی آمد و رفت کو تاریخ کے اوراق میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس عہد تک اردو زبان دربار سے الگ عربی' فارسی' سنسکرت اور علاقائی بولیوں سے متواتر اثرات قبول کر رہی تھی۔ مغلوں کے دور میں فارسی زبان میں شعر و ادب تخلیق ہوتا رہا۔ اس کے مقابل دکن کی بہمنی سلطنت کے زیر اثر دکنی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا جانے کا عمل' اس سلطنت کے انقطاع کے بعد بھی بدستور جاری رہا۔ جس دور میں مغلوں نے شمالی ہند پر حکمرانی کا آغاز کیا۔ اسی عہد میں دکن میں بہمنی سلطنت ختم ہوئی اور پانچ بڑی ریاستیں آزاد ہو گئیں جن کے نام گول کنڈہ' بیجاپور' احمد نگر' برار اور بیدر ہیں۔ شمالی ہند سے مرکز گریز پالیسی کی روایت جاری رکھتے ہوئے ان ریاستوں کے حکمرانوں نے دکنی زبان کو سرکاری زبان کے طور پر برقرار رکھا جو ایک طرف مقامی زبان سے الفت کا ثبوت تھا جبکہ دوسری طرف دہلی حکومت سے علیحدگی کا مظہر تھا۔ ان ریاستوں میں گولکنڈہ اور بیجاپور کے حکمرانوں نے دکنی زبان (جو اردو کا پرانا نام ہے) میں تخلیق ادب کی سرپرستی کو جاری رکھا اور ان ریاستوں میں دکنی مثنوی' غزل' قصیدہ اور دوسری اصناف نظم کی تخلیق کا عمل جاری رہا جس سے اس عہد کے ادب کے ساتھ ساتھ لسانی منظر نامے کو سمجھا جانا آسان ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہندوستان کا خطہ شمالی ہند اور دکن جیسے دو بڑے حصوں پر مشتمل تھا جس میں شمالی ہند کی اشرافیہ کی زبان فارسی تھی جبکہ دکن کی سرکاری و اشرافیہ کی زبان دکنی تھی۔

سولھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں یورپی افراد کی آمد و رفت کا آغاز ہوا۔ ۱۴۹۸ء میں واسکوڈے گاما نے ہندوستان اور اس کے بحری راستے دریافت کر کے پرتگالی قوم کو ادھر آنے کی ترغیب دی۔ سولھویں صدی کے وسط تک پرتگال نے ہندوستان کی اہم بندرگاہوں پر اپنے قدم جمانا شروع کر دیے۔ تجارت کے مقاصد کے تحت اس قوم نے ہندوستان میں تیزی سے علاقوں اور منڈیوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنا شروع کر دیا۔ نئی سرزمین اور نئی زبانوں سے سابقہ پڑا تو ان کو سرکاری زبان فارسی اور مقامی زبان ہندوستانی کی اہمیت کا اندازہ ہوا اور یوں ان دونوں بڑی زبانوں کی قواعد و لغات اور ''مکالمات'' پر کتب لکھنا اور ترتیب دینا شروع کیں۔ پرتگال اس دور میں یورپ بھر کے ممالک میں سیاسی تفوق اور تسلط کا حامل تھا۔ پرتگال نے ہندوستانی زبان کو یورپ میں متعارف کرایا تھا۔ لسانی حوالے سے یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ مقامی ہندوستانی زبان' جسے آج اردو زبان کے نام سے پہچانا

جاتا ہے اس میں پرتگالی زبان کے الفاظ کثرت سے شامل ہوتے چلے گئے جو آج بھی ہمارروزمرہ زبان میں موجود ہیں اور عوامی زندگی کا لازمہ ہیں۔(۷) پرتگالیوں کے بعد ہندوستان میں فرانسیسی قافلے تجارتی مقاصد کے تحت آئے۔ ان اقوام کے قدم جمالینے کے بعد انگریز قوم یہاں آئی اور یوں ان تینوں ممالک کی تجارتی کمپنیوں میں مقابلہ سازی کا بڑا رجحان دیکھنے میں آیا اور ہندوستان بطور تجارتی منڈی کے ایک نئے ماحول و معاشرت سے آشنا ہوا۔ نو وارد یورپی اقوام کو سرکار سے خط و کتابت اور دفتری معاملت کے لیے فارسی زبان اور مقامی آبادی سے لین دین اور بول چال کے لیے مقامی ہندوستانی زبان کی اہمیت' افادیت اور سیکھنے کی ضرورت پیش آئی، جن کے تحت ان زبانوں کی لغات وقواعد نویسی کی طرف یورپی مستشرقین نے خاص توجہ دی (جس کی تفصیل مقالے کے دوسرے باب میں موجود ہے)۔ سولہویں اور سترہویں صدی کے برصغیر کے لسانی مزاج اور منظر نامے کو یورپی افراد اور اقوام کی غیر موجودگی سے سمجھا جانا مشکل ہے۔

مغل بادشاہ شاہجہاں کے عہد تک آتے آتے ہندوستانی زبان (اردو) عوامی بول چال سے بڑھ کر مغل دربار میں اپنی مستحکم جگہ بنا چکی تھی۔ یوں دربار کے سرکاری معاملات تو فارسی زبان میں ہی چلائے جا رہے تھے لیکن بول چال کے لئے اس "ملواں یا کھچڑی" زبان کا استعمال عام تھا جس کا سرکاری سطح پر ابھی تک کوئی خاص نام طے نہیں ہوا تھا۔ شاہجہان کا نام تاریخ کے اوراق میں یوں اہم اختیار کر گیا کہ انہوں نے اس بے نام زبان کو "اردوئے معلیٰ" کا نام دیا تھا جو آج بھی مروج ہے"۔(۸)

سترہویں صدی عیسوی میں شمالی ہندوستان محمد افضل کی "بکٹ کہانی" (نظم) سے اس دور کے شعراء کا اردو زبان کی طرف رجوع و رجحان بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ جنوبی ہندوستان میں اس صدی میں اردو شاعری (دکنی) میں توانا روایت مرتب ہو رہی تھی لیکن شمالی ہند میں اس زبان کی طرف ادیبوں کی غالب اکثریت کا رجحان دکھائی نہیں دیتا۔ محمد افضل نام کے اس شاعر کی نظم کو تاریخِ ادب میں خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے اور اسے شمالی ہندوستان کا پہلا اردو شاعر مانا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ اس سلسلے میں لکھتے ہیں،

> "ہندوستان کے شمالی خطۂ ارض میں تیرہویں' چودھویں' پندرہویں اور سولہویں صدی کے دوران اردو محض بول چال کی زبان تک محدود رہتی ہے۔ صوفیائے کرام کے ملفوظات اور امیر خسرو (۱۳۲۵ء۔۱۲۵۳ء) کی شاعری سے قطع نظر اس پورے چار سو سال کے عرصے میں شمالی ہند میں اردو کی کوئی بھی تصنیف

دستیاب نہیں ہوئی۔شمالی ہند کا سب سے پہلا ادبی کارنامہ بکٹ کہانی ہے جس کا
دورِ تصنیف ۱۶۲۵ء سے قبل کا زمانہ تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ اس کے مصنف محمد افضل
افضل کا انتقال ۱۶۲۵ء میں ہوا"۔(۹)

سترہویں صدی میں "اردو زبان" مصوتوں اور مصمتوں اور الفاظ و حروف کی رد و قبول سے لسانی تشکیل کے اس مرحلے سے گزر رہی تھی جس کے بعد یہ زبان اس اسلوب میں ڈھل گئی۔ جو آگے چل کر عبدالقادر بیدل کی غزل کے اسلوب کی صورت میں سامنے آیا تھا۔افضل کی بکٹ کہانی کے نظم کے لسانی مطالعے سے اس لسانی تشکیل کا تجزیہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔بکٹ کہانی کے اسلوب سے اردو زبان کی سترہویں صدی کی تشکیل کے مرحلے کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔اس نظم کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد میں کون کون سے مصوتے 'مصمتے اس زبان کا حصہ بن رہے تھے۔کونسے الفاظ ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر معاشرے میں بول چال کا حصہ تھے۔(۱۰) سترہویں صدی میں اردو زبان پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ لکھتے ہیں،

"کسی زبان کی لسانی خصوصیات' دراصل اس زبان میں ظہور پذیر ہونے والی
لسانی تبدیلیوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔سترہویں صدی کی اردو کی بیشتر خصوصیات کا
رشتہ پراکرت اور اپ بھرنش' بالخصوص شورسینی پراکرت اور شورسینی اپ بھرنش
سے قائم کیا جاسکتا ہے۔۔۔شمالی ہند میں اردو کے ارتقاء کے وقت دہلی اور نواحِ
دہلی کی بولیوں کی بہت سی خصوصیات اس دور کی اردو کا جزو بن گئیں۔رفتہ رفتہ
اردو کی قدیم لسانی خصوصیات زائل ہوتی گئیں یہاں تک کہ جدید اور معیاری
اردو کا نکھرا ہوا روپ سامنے آگیا"۔(۱۱)

مغلوں کے اس عہد تک آتے آتے ایک بات پیشِ نظر رہے کہ مغربی اقوام کی ہندوستان میں آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ یہ لوگ فرانس، پرتگال، برطانیہ سے آئے تھے اور ان کا یہ تجارتی اور نوآبادیاتی مشن بالآخر مغلوں کے زوال اور سقوط پر منتج ہوا (جس کی تفصیل باب نمبر۲ میں بیان کی جائے گی)۔ یہ لوگ تبلیغ کے مقصد کے تحت بھی مقامی زبانوں کی تحصیل کی طرف مائل ہوئے۔ان مبتدیوں نے مقامی زبان کو سیکھنے میں جو مشکلات برداشت کیں ان کو سامنے رکھ کر مقامی زبانوں سنسکرت اور ہندوستانی وغیرہ کی لغات اور قواعد پر

مشتمل کتب لکھیں تا کہ ان کے ہم وطن افراد کو یہ زبانیں سیکھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

مغرب سے آنے والے تاجروں، عیسائیوں مبلغوں نے اردو زبان کو Moors زبان کا نام بھی دیا۔ جس کا مطلب تھا بگڑی ہوئی، غیر ترقی یافتہ اور مسلمانوں کی زبان (اردو)۔ اس عہد میں نئے بننے والی یہ زبان جو ابھی تشکیل کے درمیانی مراحل میں تھی آنے والے دور میں سیاست، سماج، معاشرت اور ملک میں اہم مقام حاصل کرنے اور اہم کردار ادا کرنے کے لیے منتخب ہوئی تھی۔ شاہ جہانی عہد تک اس نئی زبان کا چلن اتنا بڑھ گیا تھا کہ سرکار کے دربار سے لے کر ہندوستانی عوام کی بول چال کے لیے اردو زبان ایک خاص مقام حاصل کر چکی تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جس تیزی کے ساتھ مغلیہ سلطنت زوال کی طرف بڑھتی چلی گئی اسی تیزی سے سرکاری زبان فارسی بھی اپنی قدر کھوتی چلی گئی۔

شمالی ہند میں اردو ادب میں شاعری کی روایت بارہویں اور تیرہویں صدی میں دکھائی دیتی ہے، جس کی ابتدائی جھلکیاں ہمیں شمالی ہند میں بابا فرید اور امیر خسرو کے بالترتیب پنجابی و فارسی کلام کے ساتھ ساتھ دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ جھلکیاں اتنی خفیف ہیں کہ کسی بھی شعری صنف کی باقاعدہ روایت کے آغاز کا سرا شمالی ہند سے ملتا دکھائی تو دیتا ہے لیکن باقاعدہ ادبی روایت کا آغاز نہیں بنتا۔ بہر حال اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز دکن میں قائم بہمنی سلطنت میں ہوا۔ پندرہویں صدی میں فخر الدین نظامی نے اردو کی پہلی نظم لکھی، جو مثنوی کی ہیئت میں تھی۔ اس کا عنوان ''کدم راؤ پدم راؤ'' (المعروف مثنوی نظامی) تھا۔ اس مثنوی کے بعد طویل عرصہ تک ایسی نظم نہ لکھی گئی۔ اس نظم کی زبان آج کے قاری کے لیے بہت مشکل ہے۔ اس مثنوی میں جو زبان (دکنی) استعمال ہوئی اس میں عربی فارسی پنجابی ملتانی (موجودہ سرائیکی) کے ساتھ ساتھ دراوڑی زبانوں کے الفاظ کا اتنا ذخیرہ موجود تھا کہ اس ملغوبہ زبان میں تخلیق کی گئی مثنوی کی خواندگی کا عمل عصر حاضر میں مشکل ثابت ہوا۔ ۱۶۳۵ء میں 'سب رس' کی صورت میں دکن میں ہی اردو کی پہلی باقاعدہ ادبی نثر وجود میں آئی۔ اس کے مصنف ملا وجہی کو تاریخ ادب میں ایک بڑے شاعر کے طور پر مانا جاتا ہے، لیکن اس نثری شاہکار نے ان کو جاودانی عطا کی۔ یہ نثر (اردو) آج کے قاری کے لیے بہت زیادہ لسانی مغائرت کا مظاہرہ نہیں کرتی۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملا وجہی اسلوب میں فارسی الفاظ و محاورہ کی مقدار بڑھ گئی ہے۔

۳۔ اٹھارہویں صدی کا ادبی ولسانی منظرنامہ

اٹھارہویں صدی عیسوی نہ صرف سماجی، معاشرتی اور نوآبادیاتی حوالے سے خاصی اہمیت رکھتی ہے بلکہ مقامی وسرکاری زبان فارسی کے عروج وزوال کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ برصغیر میں اٹھارہویں صدی تک آتے آتے دکن اور شمال کے دو بڑے مراکز میں دکنی اور فارسی، الگ الگ ادبی اور لسانی روایات دوخطوں کے مجموعی مزاج اور لسانی ترجیحات کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں مغلوں کی مرکزی حکومت قائم تھی اور ان کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ دکن کا خطہ ابھی مغلوں کے زیرنگیں نہیں تھا۔ دکن کی خودمختار ریاستوں میں سرکاری زبان مقامی دکنی (ہندوستانی/اردو) تھی اور یہ بوجوہ تھی۔ دکن کے حکمران مغلوں کے متوازی اوران سے مختلف ''مرکزگریز پالیسی'' پرسختی سے عمل پیرا تھے۔ مقامی زبان سرکاری ہونے کی وجہ سے دکنی ادب وزبان کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی جاتی بلکہ ادباء وشعرا کو سرکاری سرپرستی میں لے کر ادب کی تخلیق کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا عنصر تھا جس کی وجہ سے اردو کا کلاسیکی شعری ونثری ادب دکنی میں مضبوط روایت کی ابتداء کرتا ہے۔ قلی قطب شاہ کے دیوان اور ''سب رس'' تک آتے آتے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دکنی حکمرانوں کی دکنی مقامی زبان میں خصوصی دلچسپی نے ہی اس زبان میں شعری اور نثری اصناف کی مضبوط روایت کو محفوظ کر دیا تھا۔ دوسری طرف شمالی ہند میں اردو شاعری منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے تو کی جاتی تھی (اس کی توانا روایت موجود نہیں) لیکن وہاں کے شعراء فارسی زبان میں لکھنا اپنی شان سمجھتے تھے۔

ولی دکنی نے جب دہلی کا سفر اختیار کیا (۱۷۰۰ء) تو اس کے لیے یہ عجیب بات تھی کہ یہاں فارسی کے علاوہ کسی مقامی زبان میں ادب تخلیق کرنا کسرِ شان سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ولی کی توجہ مقامی زبانوں کو فارسی زبان کے مقابل پیش کرنے کے لیے ایک نئے شعری اسلوب کی طرف ہوگئی۔ تاریخ میں شاہ سعد اللہ گلشن کا ولی کو ریختہ گوئی کا مشورہ بھی ریکارڈ کا حصہ ہے جس کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہیں۔ ولی دکنی اور اس کے عہد کی زبان کا لسانی جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں عربی اور فارسی زبانوں کے الفاظ دکنی زبان میں شامل ہو چکے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی لاہوری (پنجابی)، دکنی دراوڑی الفاظ کی موجودگی سے یہ نمونہ سامنے آیا۔ جو نیم پختہ روپ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس روپ میں پراکرتی عنصر اور عربی فارسی آہنگ باہم آمیخت ہوتا نظر نہیں آتا۔ ابھی یہ ملغوبہ ایک جان نہیں ہوا تھا البتہ ایک ایسا روپ سامنے آیا جسے عوامی سطح پر پذیرائی ملی اور خواص نے بھی اس میں زیادہ مین میخ نہیں نکالی۔ یہ زبان شاہجہانی عہد میں استعمال ہو رہی تھی اور رابطے کی زبان بن چکی تھی۔ شاہجہانی عہد میں یہ ہندوستانی زبان معیاری بنتی

جاتی ہے۔ اس اعتبار سے ولی کا کلام شمالی ہندوستان کے عوامی لب ولہجہ سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ اسی لیے اس کلام کی پذیرائی ہوئی۔

اٹھارہویں صدی میں فارسی زبان میں بول چال اشرافیہ کے ہاں ایک معیار کا درجہ رکھتی تھی۔ یہ اس لیے بھی تھا کہ لوگوں کی سرکار دربار تک رسائی آسان ہو اور ان کی ترقی میں زبان کی وجہ سے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اس عہد میں فارسی زبان بولنا سمجھنا ایک سٹیٹس سمبل تھا۔ ایک وجہ اور بھی تھی کہ ہر سرکاری افسر وملازم کو فارسی زبان سیکھنا اس لیے بھی ضروری تھی کہ بادشاہ سے بات چیت میں آسانی رہے۔ مقامی ادبی روایت میں کہیں کہیں اردو کی کوئی غزل یا شعر پارہ بھی سنائی دے جاتا تھا۔ مثلاً عبدالقادر بیدل کی اردو غزل۔ فارسی کے ساتھ ساتھ، البتہ اس عہد میں اردو روایت کے نبھانے کی طرف رجحان ہو چلا تھا۔ محی الدین قادری زور اس عہد کے لسانی مزاج کو اس طرح دیکھتے ہیں،

> ''(شمالی ہند کے) فارسی شاعروں نے جب دیکھا کہ دکن میں اردو شعر گوئی کا ذوق ترقی کر چکا ہے اور وہاں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں تو وہ شوق سے دکنی ادب کی طرف بڑھنے لگے۔ اور چوں کہ اس اثناء میں فارسی شاعری سے اکتا گئے تھے، ایک غیر ملکی زبان میں کمال حاصل کرنے کے لئے انھیں کافی محنتیں کرنا پڑتی تھیں اور اس کے بعد بھی وہ ایرانی شاعروں کے مقابلے میں اپنے تئیں کمزور پاتے تھے۔۔۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فارسی کی قدر کرنے والی سلطنتیں کمزور ہوتی جا رہی تھیں۔۔۔ تو انہوں نے فارسی کو ترک کرنا شروع کیا۔ یہ بیزاری اس حد تک پہنچی کہ جب سودا یا میر جیسا بڑا شاعر فارسی میں لکھتا تو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنے رتبہ سے اتر کر یہ کام کر رہے ہیں۔'' (۱۲)

دوسری طرف مستشرقین کی صورتحال دیکھیں تو ہندوستان میں سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارویں صدی کے شروع تک جتنے لوگ تاجر، پادری یا سفیر کے طور پر ہندوستان آئے، انہوں نے سب سے پہلے مقامی زبانیں سیکھنے پر خاص توجہ دی۔ سنسکرت، پراکرت، فارسی، عربی اور ان سب کے ساتھ عوامی لنگوا فرینکا یعنی ہندوستانی زبان بھی اس دور میں سیکھے جانے کا رجحان پیدا ہوا۔ ہندوستان کی تین بڑی پریذیڈنسیوں

مدراس، کلکتہ اور بمبئی میں اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ فارسی اور ہندوستانی زبان، نو وارد مغربی افراد کو سکھائی جائے، تا کہ سرکار دربار سے معاملات طے کرنے میں آسانی رہے۔ غور سے مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مستشرقین اور (کمپنی کے) مغربی افراد نے اول اول ہندوستانی زبان کو اس لیے اختیار کیا کہ تجارت کے لیے یہ زبان ضروری تھی۔ دوسرا اس زبان کی تحصیل و تدریس سے اپنے سیٹ اپ میں مقامی لوگوں کو کھپانا نسبتاً آسان ہو گیا تھا۔ چنانچہ مقامی آبادی کو نوکر رکھنے اور ان سے پوری طرح کام لینے کے لیے مقامی زبانوں کا علم بڑا ممد و معاون ثابت ہوا۔

اس عہد کی لسانی و ادبی صورتِ حال یوں بھی واضح ہوتی ہے کہ اٹھارہویں صدی فارسی و عجمی تہذیب ثانوی اور مقامی اردو زبان اور ہندوستانی تہذیب اولین سطح پر آنا شروع کر دیتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس تہذیب کا رخ عوام کی طرف مڑتا چلا گیا جو کبھی صرف اشرافیہ کے لیے ہی مخصوص تھی۔ اشرافیہ کی فارسی و عجمی تہذیب زوال کی طرف جانا شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں،

> ''علم و ادب جو اب تک فارسی زبان کے تعلق سے خواص کی جاگیر تھا، نئی زبان کے ابھرنے اور اہمیت اختیار کرنے کے ساتھ ہی عوام بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اور فارسی زبان، اس کا ادب اور اس کے اسالیب و اصناف اس نئی و ادبی زبان میں جذب ہونے لگتے ہیں۔ شمالی ہند میں اٹھارویں صدی سے پہلے اردو زبان میں لکھنا، کوئی قابل ذکر بات نہیں تھی۔ لیکن اس صدی کے ختم ہونے سے پہلے ہی اردو زبان نہ صرف فارسی کی جگہ لے لیتی ہے بلکہ ادبی زبان بن کر برصغیر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل جاتی ہے۔۔۔ جب انگریزوں کا اقتدار قائم ہوا تو اردو کو نہ صرف ہندو مسلمان ایک ساتھ استعمال کر رہے تھے، بلکہ معاشرت کی جڑوں تک پہنچنے کے لئے خود انگریز بھی اس زبان کو سیکھ کر وسیلہ ابلاغ بنا رہے تھے۔ (۱۳)

ولی دکنی کی زبان کو ایک اور اہمیت بھی دی جانی چاہیے اور وہ یہ کہ ولی کی ریختہ گوئی کا نمونہ اصلاح زبان کی پہلی کاوش کے طور پر لیا جانا چاہیے۔ اس عہد کو مورخین و ماہر لسان 'اصلاح زبان' کا عہد کہتے ہیں اور عام طور پر

اصلاحِ زبان کا عمل ایہام گوئی کی تحریک کے بعد پوری شد و مد سے سامنے آتا ہے لیکن اس میں اگر یہ عنصر بھی شامل کر لیا جائے کہ ولی کے عہد سے ہندوستانی زبان یعنی دکنی میں اصلاحِ زبان یا تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے اسی طرح اصلاحِ زبان کی روایت بھی دکن سے شروع ہو سکتی ہے۔ اس عہد میں دکن (اورنگ آباد) کا اہم شاعر سراج اورنگ آبادی اصلاحِ زبان کے فریضے سے دہلی والوں سے کئی سال پہلے عہدہ برآ ہو چکا تھا اور اس کی شاعری اس انوکھے اسلوب کی مثال بن کر سامنے آئی ہے جو دہلی کو نصف صدی بعد میسر ہوا۔ ولی کی اصلاحِ زبان کی کاوشوں سے زبان کا ایک گوارہ اور خوش نما روپ سامنے آیا تھا۔

اصلاحِ زبان کے ضمن میں یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ ولی کے دیوان کی دہلی آمد کے مابعد اثرات کے تحت اصلاحِ زبان و سخن کی جو تحریک چلی اس نے میر و مرزا کے لیے جدید اردو روپ ہموار کرنے میں بڑی معاونت کی۔ ولی سے میر و مرزا تک کے عہد کو البتہ، اصلاحِ زبان کا دوسرا دَور شمار کیا جانا چاہیے۔(۱۴) اس اصلاح کے دَور سے اردو کی وہ صورت سامنے آئی جو آج کی اردو کی شکل میں ملتی ہے۔ اصلاحِ زبان کے دَور میں شاہ حاتم، مرزا مظہر، خان آرزو اور ان کے بہت سے شاگردوں کا ایک ایسا کردار سامنے آتا ہے جس سے ہندوستانی زبان پراکرتی عناصر کو، مقامی اور دکنی محاورات و الفاظ کو قلمزد کرتے ہوئے عربی فارسی تراکیب و الفاظ کو اپنے دامن میں جگہ دیتی چلی گئی۔

۴۔ غرائب اللغات از ملا عبدالواسع ہانسوی

اردو زبان میں لغت و قواعد نویسی کی مشرقی روایت کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس میدان میں مقامی علماء زبان کی طرف سے شعوری سطح پر کوئی کاوش نہیں کی گئی تھی۔ مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے کے ایک بزرگ ملا عبدالواسع ہانسوی نے اپنے شاگردوں کی تدریسی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے فارسی زبان میں اردو لغت مرتب کی جو اپنی نوعیت کی واحد کتاب بن کر سامنے آئی تھی۔ ''غرائب اللغات'' کے نام سے لکھی گئی یہ لغت اردو زبان کی پہلی باقاعدہ لغت جانی جاتی ہے۔ اس سے قبل باضابطہ اور باقاعدہ لغت کی کوئی کتاب نہیں ملتی۔ ایک منظوم لغت ''خالق باری'' کو جسے امیر خسرو سے منسوب کر کے اولیت دی جاتی ہے اسے مکمل لغت تسلیم نہیں کیا جا سکتا' دوسرا اس کے مصنف اور زمانہء تالیف کے بارے میں بھی محققین نے خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ''غرائب اللغات'' کو ہی پہلی لغت سمجھا جاتا ہے' غرائب اللغات سے قبل مختلف نصاب ناموں کے طور پر چیدہ چیدہ رسائل اس

روایت کا حصہ بنتے ہیں۔ ان کو اردو لغات کے ابتدائی نمونے تو کہا جا سکتا ہے' لیکن با قاعدہ لغت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ نصاب نامے فارسی زبان میں ہی لکھے جاتے تھے جو اس عہد کی سرکاری زبان کے طور پر رائج تھی۔ ان نصاب ناموں میں خالق باری' رازق باری' حامد باری' ایزد باری' واحد باری' صمد باری اور قادر نامہ کے نام ملتے ہیں ان کو اگرچہ لغت تسلیم نہیں کیا جاتا' البتہ ان میں لغت کی ابتدائی نمونے تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ ان نصاب ناموں کا رواج ہندوستان میں اس لیے تھا کہ ہندوستانی بچوں کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ عربی فارسی زبان کو اپنی مادری زبان ہندوی کے ذریعے سیکھیں اس مقصد کے لیے نصاب ناموں کو مرتب کیا جاتا تھا ان کتب کا ایک فائدہ یہ تھا کہ بچہ اپنی مادری زبان کے ذریعے عربی فارسی الفاظ ذہن نشین کر لیتا تھا۔

ملا عبدالواسع ہانسوی کی ''غرائب اللغات'' کو کسی مقامی ادیب کی طرف سے لکھی جانے والی پہلی لغت تسلیم کیا جاتا ہے (۱۵)۔ غرائب الغات اوپر مذکور نصاب ناموں کی ارتقائی صورت تھی جو لغت کے مرتبے پر پہنچی۔ اس لغت کی سب سے پہلی خوبی وہ اولیت تھی جو اس کے مولف کو نصیب ہوئی۔ طالب علم کی ضروریات کے لیے یہ لغت اس دور میں ایک بہتر اضافہ ثابت ہوئی۔ جس طرح کسی بھی نئی شروع ہونے والی صنف یا روایت میں سقم موجود ہوتے ہیں یہ کتاب ان سے مبرّا نہیں تھی۔ جن پر آگے چل کر خان آرزو نے نہ صرف تنقیدی نظر کی بلکہ ان کی تصحیح بھی کی۔ یہ کتاب اردو فاسی زبانوں کے الفاظ و مترادفات کی تفہیم کے لئے لکھی گئی۔ یہ لغت طالب علم کی سہولت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی تھی، اس لئے اس کو آج کے لغت نویسی کے معیارات پر نہیں پرکھا جانا چاہئیے۔ ملا عبدالواسع ہانسوی عالمگیری عہد کے عالم تھے۔ اسے اردو کی پہلی با قاعدہ اردو، فارسی لغت کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ رام بابو سکسینہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''قریب قریب عالمگیر کے زمانے میں اہل ہندوستان کو اردو لغات کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ ملا عبدالواسع ہانسوی نے (جن کی قواعد فارسی اور گلستان و بوستان کی شرحیں نہایت مشہور ہیں) عالمگیر کے زمانے میں اردو، ہندی الفاظ کی یک لغت مدون کی اور اس کا نام غرائب اللغات رکھا۔ اردو الفاظ کے معنے فارسی میں لکھے۔ ایک عرصے بعد سراج الدین علی خان آرزو نے اس کی نظر ثانی کی۔ بہت سے الفاظ اور معنی میں اضافے کیے۔ غلطیاں درست کہیں اور اسے ''نوادر الالفاظ'' کے نام سے موسوم کیا''۔ (۱۶)

اس لغت کو جدید معیارات پر پرکھتے ہوئے ناقدین بہت معیاری لغت تسلیم نہ بھی کریں، لیکن ایک بات بہر حال یاد رکھنی چاہیے کہ اس کے مولف کے سامنے لغت نویسی کا کوئی پیکر یا اصول موجود نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کی اس تالیف کو عہدِ حاضر کے کڑے معیارات پر پرکھنا مناسب نہیں۔ ملا ہانسوی کے پیش نظر دراصل درمیانے اور عام ذہن کے درمیانے طالب علم تھے جن کی تدریسی ضروریات پوری کرنے کے لیے یہ لغت لکھی گئی۔ لیکن یہ بات ان کی محنت کی دلیل ہے کہ اس لغت کے لیے انھوں نے کافی فارسی لغات کی ورق گردانی کی ہے۔ ملا عبدالواسع ہانسوی کے حالات زندگی محفوظ نہیں کیے جا سکے۔ ان کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ ہریانہ کے رہنے والے تھے اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں فارسی کے استاد اور فارسی کتب لکھنے کے حوالے مشہور تھے۔ ملا ہانسوی اپنی فارسی تصنیفات کے حوالے سے علمی حلقوں میں مشہور تھے لیکن ان کے بارے میں تذکروں میں کوئی مواد نہیں ملتا جو ان کی تصنیفی کاوشوں سے بہرہ ور کر سکے ان کی لغت اور اس کا دیباچہ ہی ہمارے پاس وہ ذریعہ ہے جس سے ہم ان کی اس کاوش کو جان سکتے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے "نوادر الفاظ" (خان آرزو) کو مرتب کر کے اس میں غرائب اللغات کا حصہ بھی شامل کیا ہے اور ۱۹۹۱ء میں اسے شائع کروایا تھا۔ ان کی تحقیق اس کتاب کے مقدمے کے طور پر شامل ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ملا عبدالواسع ہانسوی نے ایک رسالہ "رسالہ در قواعد فارسی" بھی تدریسی مقاصد کے لیے مرتب کیا تھا۔ اس کے علاوہ "یوسف زلیخا" کی ایک شرح بھی لکھی تھی۔ جس میں مدرسانہ انداز غالب ہے۔ تنقیدی حوالے سے یہ زیادہ اہم کتاب نہیں ہے۔ لغت کی ذیل میں یہ بات خاص اہمیت کی حامل ہے کہ ان کے پیش نظر صرف ان کے وہ شاگرد ہی تھے جن کے لیے مشکل الفاظ کے معنی کو انھوں نے آسان کر کے اپنے رسالہ "صمد باری یا پہچان یا غرائب اللغات" کا حصہ بنایا تھا۔ وہ اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> "ہر چند ایں ہیچ مدان را لیاقت ترتیب و قابلیت تالیف نبود لیکن کثرت الحاح جمع کثیر اصحاب و فرط اکطرح جم غفیر اولی الالباب باعث براں شد کہ اسماء غیر مشہورہ و اشیاء موفورہ و الفاظ غیر مانوسہ معانی بین الانام مذکورہ را بہ عبارات واضحہ و اشارات لائحہ بیان نماید تا فائدہ آں عام و نفع آں تام باشد" (۱۷)

مصنف کے اس بیان کی روشنی میں لغت کے مقاصد کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ گو ان کے ہاں اس ضمن میں لغت نگاری کے اصولوں سے اغماض ملتا ہے اور ترتیب بھی ڈھیلی ڈھالی نظر آتی ہے، لیکن یہ امر بھی پیش نظر رکھنا

ضروری ہے کہ تدریسی مقاصد (Pedagogy) کے لیے تحریر کی گئی یہ لغت چونکہ کسی روایت کی پیروی کرتے ہوئے نہیں لکھی گئی تھی اس لیے جدید دور کے ان اصولوں کا اس لغت پر اطلاق قرینِ انصاف نہیں۔ مصنف کو اس لغت کے معیاری ہونے کا زعم بھی نہیں ہے۔ اس لغت کو لغت نویسی کے میدان میں اولیت کا حامل ہونے کی وجہ سے اہم مقام دیا جاتا ہے۔ درج بالا پیراگراف مصنف کے انکسارانہ اعتراف صداقت پر مبنی ہے جسے پیشہ دارانہ دیانت داری کے تحت اہمیت دی جانی ضروری ہے۔ غرائب اللغات لغت نویسی کے سلسلے کا مطلعِ اول ہے۔ جس کی بنیاد پر ''نوادرالالفاظ'' جیسی اہم لغت ترتیب دی گئی اور خان آرزو کو ماہر لسانیات کے طور پر متعارف کرانے کا سبب بنی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں؛

> ''اردو میں لغت نگاری کی تاریخ کے سلسلے میں غرائب کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں خصوصاً تقدم زبانی کی وجہ سے اس کو جو اہمیت حاصل ہو گئی ہے، اس کو کسی طرح گھٹایا نہیں جا سکتا۔ درحقیقت ہانسوی کی اس کتاب میں وہ سب خصوصیتیں موجود ہیں جو کسی فن کے موسس اور ابتدا کرنے والے شخص کی تصنیف میں ہوا کرتی ہیں۔ ایسی کوششیں اس لحاظ سے بڑی قابل قدر ہوتی ہیں کہ وہ بعد میں آنے والوں کو راستہ دکھاتی ہیں۔ بہ ایں ہمہ تحقیق وصحت کے اعتبار سے غرائب کو بلند پایہ تصنیف نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی تشریحیں مختصر اور بعض اوقات بے حد تشنہ ہوتی ہیں۔ بلکہ بیشتر عربی یا فارسی مرادفات تک محدود ہیں''۔ (۱۸)

عبدالواسع ہانسوی کی یہ کاوش بتاتی ہے کہ اس عہد میں گو عوامی بول چال کے لیے فرہنگوں یا ڈکشنریوں کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی تھی لیکن طالب علم کو عوامی سطح سے بلند کرنے اور بلند خیال کرتے ہوئے اس کی تدریس زبان کے لیے لغات لکھی جا رہی تھیں۔ آنے والے عہد میں مستشرقین نے اسی انداز کی لغات لکھیں جن کا مقصد نئے سیکھنے والوں کے لئے معنی بتانا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اُن کے پاس لغات کی پوری روایت موجود تھی، لیکن مشرق میں ابھی اس طرف توجہ نہیں دی گئی تھی۔

۵۔ ''نوادرالالفاظ'' از سراج الدین علی خان آرزو

سراج الدین علی خان آرزو (وفات ۱۷۵۶) اٹھارہویں صدی میں لسانیات کا شعور رکھنے والے ادیب گزرے ہیں۔ شاعری میں ان کی حیثیت سے قطع نظر، زبان و لسانیات کے حوالے سے ان کی شعوری کاوشیں ''نوادر الالفاظ''، ''سراج اللغات'' اور ''مثمر'' کی صورت میں منظر عام پر آئیں۔ خان آرزو کے عہد میں ابھی اردو زبان ہندوستانی اور دوسری مقامی زبانوں پر تحقیقی کام کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ خان آرزو اردو کے وہ پہلے عالم ہیں جنھوں نے پہلی مرتبہ لسانی تنقید کے میدان میں عملی طور پر لکھنے لکھانے کے کام کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ملا عبدالواسع ہانسوی کی ''غرائب اللغات'' کا عمیق مطالعہ کیا۔ اس کتاب میں موجود تسامحات کو دور کر کے تصحیح کی، لغت کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور ''نوادرالالفاظ'' کے نام سے مرتب کیا۔ نوادرالالفاظ میں اردو الفاظ اور ان سے متعلق تلفظ اور مترادفات کی صحت و درستی کے معیارات کو بروئے کار لا کر نہ صرف غرائب اللغات میں موجود خامیوں کی نشان دہی کی بلکہ ان کو درست کر کے ایک اہم لغت کے طور پر محفوظ کر دیا۔

خان آرزو کی ایک شہرت بطور شاعر کے بھی تاریخ میں حوالے کے طور پر موجود ہے لیکن اردو شاعری کے میدان میں ان کا بہت زیادہ کام دکھائی نہیں دیتا۔ انہوں نے البتہ اردو زبان کے مختلف گوشوں پر کام کیا جو لسانی میدان میں اولیت کا حامل ہے۔ اس لغت کی ترتیب نو سے خان آرزو کے اردو زبان کے معیار و استناد کے بارے میں نظریات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ہریانے کے ملے جلے عوامی تلفظ اور جہلاء کی زبان کو لغت میں شامل کیے جانے پر غرائب کو غیر معیاری سمجھتے تھے اور مزید کہ انہوں نے اس قصباتی زبان (ہریانے کی) کے مقابلے میں دہلی کے اشرافیہ کی اردو زبان دانی کو فصاحت کا معیار مانتے ہوئے نوادرالالفاظ میں اس کے مطابق الفاظ و تلفظ کو پیش کیا۔ ان کے لسانی نظریات کے بارے میں سید عبداللہ لکھتے ہیں؛

> ''میر عبدالواسع نے جہلا اور عوام کی زبان اور الفاظ کو مستند اور صحیح قرار دے کر غرائب میں شامل کر لیا ہے مگر آرزو نے اگرچہ ایسے الفاظ کو نقل کیا مگر ان کے نزدیک عوام کے محاورہ اور جہال کے الفاظ کو صحیح اور فصیح الفاظ کے طور پر پیش کرنا درست نہیں۔ اس پر انہوں نے میر عبدالواسع پر کڑی نکتہ چینی کی ہے... دہلی کے عوام ایک مخلوط قسم کی زبان بولتے تھے جس کو بانگڑو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں ہریانی الفاظ اور قصباتی محاورے کی خاص آمیزش تھی۔ خان آرزو نے

> اصلاح زبان کے سلسلے میں سب سے پہلے انہی الفاظ کی فصاحت اور عدم فصاحت کی طرف توجہ کی... اردو کے ابتدائی لہجہ و تلفظ کو معین کرنے اور ٹکسالی اردو کو مشتہر کرنے میں انہوں نے ایک موسس اور واضع اول کا کام کیا۔ (۱۹)

خان آرزو نے عبدالواسع ہانسوی کی لغت کو غیر معیاری سمجھتے ہوئے اس کو نئے سرے سے لکھنا شروع کیا۔ ''نوادرالالفاظ'' دراصل ''غرائب اللغات'' کی ہی ایک پختہ و ترقی یافتہ صورت ہے۔ نوادرالالفاظ میں آرزو نے الفاظ کی تشریحات و مترادفات کا بغور مطالعہ کیا اور ہانسوی سے مترادف لکھتے وقت (عربی فارسی کے) جو تسامحات ہوئے تھے ان کو درست کر کے لکھا۔ اس کے علاوہ اس لغت میں عربی و فارسی الفاظ کی املاء، تلفظ اور صحت پر جو سوالیہ نشان تھے ان کو صحیح کر کے، پیش کیا۔ نوادرالالفاظ کے مقدمے میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے کہا کہ آرزو نے غرائب اللغات کے تمام الفاظ کو نوادر میں لے لیا۔ ان پر اعتراضات بھی کیے اور ان کی صحت اور تلفظ وغیرہ کے مسائل کو حل کر کے پیش کیا۔

خان آرزو کا لسانی کارنامہ دراصل اس لسانی تحقیق کا آغاز تھا جو اس سے قبل اردو طبقے کے ہاں موجود نہیں تھی۔ ہندوستانی فلالوجی کے ضمن میں مغربی افراد کا کام تو ہمیں ملتا ہے لیکن مشرقی علمائے لسانیات میں خان آرزو اس کو شروع کرنے والے پہلے مشرقی ماہر زبان کا درجہ حاصل کیا۔ انہوں نے ہندوستانی زبانوں اور فارسی عربی میں توافق پر لسانی تحقیق کا آغاز کیا۔ ہندی، فارسی اور سنسکرت زبانوں میں مشترک الفاظ اور ان میں تلفظ کے تغیرات کا تفصیلی بیان ان کے ہاں ملتا ہے۔ ان سے یہ تسامح بھی ہوا کہ عربی زبان کے الفاظ کے توافق کو بھی ہندی، سنسکرت وغیرہ سے منسلک کر کے دیکھتے رہے لیکن اس سلسلے میں اعتراض کی بجائے یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ انہوں نے کہیں سے بھی لسانیات کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ ان کے بعد بنگال میں ولیم جونز نے تقابلی لسانیات کا آغاز کیا تو اس سے قبل خان آرزو کی تقابلی تحقیق کو بھی تقابلی لسانیات کے اولین نمونے کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ نتائج جو بھی ہوں، آرزو کی لسانی تحقیق کو ہندوستان کی مقامی زبانوں کے تقابل کے باعث تقابلی لسانیات کا باب اول سمجھے جانے کی ضرورت ہے۔ مشرقی روایت کے اس حصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بنیادی اور پرائمری سطح کی کاوشیں لغت نویسی کے میدان کا احاطہ تو کر رہی تھیں، لیکن ابھی کسی مشرقی ماہر زبان نے اردو (ہندوستانی) کی گریمر مرتب کرنے کی طرف توجہ نہ دی تھی۔

۶۔ ''دیوان زادہ''از شاہ حاتم اور اصلاحِ زبان کے دیگر زاویے

شیخ ظہور الدین شاہ حاتم اٹھارہویں صدی کے ربع اول کے اہم شاعر تھے۔ ولی دکنی کا دیوان دہلی پہنچا تو دہلوی شعراء کی وہ جماعت جس نے ولی کے ریختہ کے تتبع میں اردو شاعری کا آغاز کیا ان میں شاہ حاتم ایک بڑا نام ہے۔ وہ ولی دکنی کی اردو غزل کے ایسے اسیر ہوئے کہ اردو ریختہ گوئی شروع کی۔ اس عہد کے مذاق کے مطابق ایہام گوئی کے مضامین کو اپنی شاعری میں برتا۔ جب ایہام گوئی کا شعلہ بھسم ہوا اور اردو کی شعری روایت حسبِ ماحول کا شکار ہوئی تو شاہ حاتم نے ایہام گوئی جیسی ذہنی ورزش سے چھٹکارا حاصل کیا اور اس سلسلے کی تحریر کی گئی شاعری کو اپنے دیوان سے خارج کرنا شروع کیا۔ شاہ حاتم نے ایہام گوئی کے تجربے کی حامل اپنی شاعری کو اپنے دیوان سے نکال کر دیوان کا جامع انتخاب شائع کیا جس کو ''دیوان زادہ'' کا نام عطا کیا۔ ''دیوان زادہ'' سے خارج کیے گئے موضوعات کے مطالعے سے اس عہد کے شعری رجحانات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ شاہ حاتم کی لسانیات کے میدان میں ایک اور عطا یہ تھی کہ انہوں نے ''دیوان زادہ'' کے دیباچے میں (فارسی زبان میں) اصلاح زبان کے سلسلے کے اصول وضع کر دیئے جن کی وجہ سے ان کے شاگردوں نے زبان کا وہ روپ اپنانا شروع کیا جو اس دور کے مروج ریختے سے ہٹ کر تھا۔ اس لسانی کاوش کے ساتھ ساتھ دوسرے مصلحین کی کاوشوں کا ذکر ضروری ہے تاکہ اصلاحِ زبان کے ضمن میں شاہ حاتم کی اہمیت واضح ہو سکے۔

شاہ حاتم کا دیوانِ قدیم کا نظر ثانی شدہ نسخہ، ''دیوان زادہ'' کی شکل میں سامنے آتا ہے اور اٹھارھویں صدی کے وسط تک کے عرصے کے لسانی رجحان کو واضح کرتا ہے۔ شاہ حاتم نے ایہام گوئی کے عروج کے دور میں اپنی شاعری میں ایہام گوئی کی طرف خاص توجہ دینی شروع کی تھی اور اس ضمن میں دیوان قدیم شائع کیا۔ لیکن جب یہ تحریک بلبلے کی طرح پھٹی اور شاعری کی زبان میں اصلاح و تبدیلی کی لہریں چلنا شروع ہوئیں تو شاہ حاتم نے بھی صاف گوئی / سادہ گوئی کی راہ اپنائی، اور ایہام کا عنصر شاعری سے نکالنے کا فریضہ شروع کیا۔

ولی کے دیوان نے شمالی ہندوستان میں شعرا کو حوصلہ، جواز اور موقع فراہم کر دیا کہ وہ ریختہ، جسے ابھی شمال میں اس قابل نہ سمجھا جاتا تھا کہ اس میں کوئی شعر پارہ تخلیق کیا جا سکے، وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ اس میں جاندار اور معیاری غزل کہی جا سکے۔ چنانچہ اس کے بعد شمالی ہند میں تلاشِ لفظِ تازہ کی تحریک، ایہام گوئی، صاف گوئی اور ردِ عمل کی تحریکوں نے اردو زبان کے موجودہ روپ میں کافی تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ اس

عہد کے مسلم شعراء نے کثیر تعداد میں مقامی ہندی، دکنی الفاظ کو غیر معیاری اور غیر فصیح قرار دے کر شعری زبان سے ترک کیا' اصلاحِ زبانِ اردو کا یہ عمل ادبی حلقوں میں غیر معمولی طور پر محسوس کیا گیا۔ اردو شعرا نے اردو زبان کو فصیح و بلیغ بنانے کے لئے عربی و فارسی زبانوں سے الفاظ و تراکیب کو اخذ کر کے اردو زبان کا حصہ بنایا۔ اس ضمن میں نزاعی مباحث کسی ایسے محقق کے منتظر ہیں جو معروضی طور پر اصلاحِ زبان کے اس عمل کی تحقیقی جہات کو سامنے لاسکے۔

شاہ حاتم مرزا مظہر جان جاناں، خان آرزو، میر و سودا کے عہد تک واضح طور پر اردو زبان میں فرق دیکھا جا سکتا ہے جو ولی کی دکنی اردو سے بہت حد تک الگ ہے۔ اردو زبان میں عربی فارسی الفاظ و تراکیب اور محاورے کو ترجمہ کر کے اور کہیں بالکل اسی حالت میں لے کر شامل کیا گیا۔ اس عہد میں اصلاح زبان کے سلسلے کی ان تبدیلیوں کو معروضی انداز سے دیکھے جانے کی ہنوز ضرورت موجود ہے۔ مرزا مظہر شاہ حاتم کے ہمعصر تھے اور اصلاحِ زبان کے عمل میں ان کی کاوشیں شامل ہیں۔

مرزا مظہر جانِ جاناں کے ہاں سب سے پہلے زبان کی اصلاح کا عمل نظر آتا ہے۔ اصلاح کا ایک پہلو طبعیت کا تصوف کی طرف مائل ہونا اور دوسرا پہلو مغلوں کے زوال (عجمی زوال) کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ مرزا مظہر اس زوال پر بڑے متفکر تھے۔ انعام اللہ خاں یقین کی صورت ایک ہونہار شاگرد میسر آیا جن کی ذہنی مناسبت اصلاح زبان کی طرف خاص طور پر تھی چنانچہ اصلاح زبان کا یہ فریضہ ان ادیبوں کی وجہ سے شاعری کا حصہ بنا اور ان کے شاگردوں کی تقلید کے باعث یہ عمل وقوع پذیر ہوا۔ خان آرزو اور مرزا مظہر جان جاناں کی کوششوں سے اردو زبان ''اصلاح زبان'' کے عمل سے گزری۔ اس دور میں ذو معنی الفاظ کی شاعری میں استعمال ایہام گوئی کے ادبی رجحانات کی سمت کا پتہ دیتا تھا لیکن جب مرزا مظہر اور خان آرزو نے اپنی لسانی بصیرت شامل کی تو یہ عملی پہلو زبان کی اصلاح کا محرک بن گیا۔ مرزا مظہر کی ''مظہری تحریک'' اصلاح زبان کے اس رویے کا عملی ثبوت ہے۔ جن کی ذہنی مناسبت اصلاح زبان کی طرف خاص طور پر تھی چنانچہ اصلاح زبان کا یہ فریضہ ان ادیبوں کی وجہ سے شاعری کا حصہ بنا اور ان کے شاگردوں کی تقلید کے باعث اصلاح کا عمل وقوع پذیر ہوا۔ شاہ حاتم نے ان دو ادیبوں کے لسانی نظریات کو اپنا کر اپنے دیوان کی تصحیح کی اور لسانی منظر نامے میں اصلاح زبان کی ذیل میں معروف ہوئے۔

شاہ حاتم کے دور کی ابتدائی غزل اس ریختے میں لکھی جا رہی تھی جس کو کسی مکتبہ فکر سے معیاری ہونے کی سند نہیں ملی تھی' شاہ حاتم نے ریختہ کا ایک معیار مقرر کیا۔ دراصل اس دور کی ریختہ زبان میں ہندوستان کی مقامی زبانوں برج' کھڑی بولی' پنجابی' راجستھانی اور سنسکرت کے ساتھ عربی' فارسی زبانوں کے اختلاط سے ایک

ملغوبہ زبان بنی ہوئی تھی جس کو بھاکھا زبان کہا جاتا تھا' شاہ حاتم کی لسانی خدمت یہ ہے کہ اس میں رائج الفاظ کی املا کی درستی سے لے کر غیر فصیح الفاظ کے ترک سے اسے معیاری بنانے کا عملی کام انجام دیا۔ شاہ حاتم نے بہت سے مقامی ہندی الفاظ کو شاعری سے ترک کیا جس کی مختصر فہرست حسب ذیل ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ''دیوان زادہ' کے مقدمے میں لکھتے ہیں'

> ''ہندی الفاظ کی اس مختصر فہرست پر ایک نظر ڈالیے' جن کے ساتھ ہی وہ الفاظ بھی دیے گئے ہیں' جو ان کی بجائے رائج کیے گئے' نین = (آنکھ' چشم)۔ سجن = میاں' صنم۔ گال = رخسار۔ جگ = جہاں۔ سبھا = محفل۔ مکھ = منہ۔ درپن = آئینہ۔ رین = رات۔ سنسار = دنیا۔ پنڈا = بدن۔ سریجن = رب۔ سمرن = مالا پھیرنا۔۔۔ دیوان زادہ میں بعض ٹھیٹھ ہندی الفاظ اور تراکیب' تقریباً خارج ہو جاتے ہیں' لیکن بعض ہندی الفاظ باقی رہ جاتے ہیں۔۔۔ اصلاح زبان کی تحریک کا یہ مقصد نہیں تھا کہ ہندی عنصر کو اردو سے نکال کر ایک ادبی معیار قائم کیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ زبان سے ناہموار اور غیر شستہ عناصر کو نکال کر ایک ادبی معیار قائم کیا جائے اور اسی خاطر لسانِ عربی اور زبان فارسی سے بھی وہی الفاظ لیے جاتے تھے جو عام فہم اور خاص پسند تھے''۔ (۲۰)

شاہ حاتم کے پیش نظر اردو زبان سے ایسے الفاظ کو ترک کر کے نئے الفاظ شامل کرنا تھا جو کہ عوامی بول چال کے بگڑے ہوئے تلفظ کی ساتھ اردو زبان میں شامل ہو چکے تھے۔ اب یہ الفاظ محض ہندی' سنسکرت یا مقامی بولیوں کے ہی نہ تھے بلکہ عربی فارسی حروف بھی ان کی ٹکسال میں ایسے انداز سے ڈھل کر اردو زبان کا حصہ بنے کہ اس زبان کا ذخیرہ الفاظ بڑھنا شروع ہوا۔ عوامی بول چال کی زبان کو معیاری بنانے کی کوشش کی گئی۔ شاہ حاتم نے عوامی بول چال میں شامل ناگزیر الفاظ کو درجہ استناد بخش کر اپنے کلام میں استعمال کیا۔ نئے الفاظ کی شمولیت کے ساتھ ساتھ ان کی کوششوں سے ریختہ گوئی کو سادہ اور سلیس اسلوب ملا اور یہ وہی معیاری اسلوب تھا جو میر تقی میر کے ہاتھوں بلند مرتبے پر فائز ہوا۔ شاہ حاتم کے دور تک آتے آتے اردو زبان معیاری ہو گئی۔ اٹھارہویں صدی میں زبان کے اس معیاری روپ کو حاتم کے اول دور کی شاعری میں مشاہدہ کیا جا سکتا

ہے۔ جبکہ اردو زبان کے ارتقائی اسلوب کو ''دیوان زادہ'' کے شعری اسلوب میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ شاہ حاتم کے لسانی مطالعے کی بغیر اس صدی کے لسانی مزاج کو مکمل طور پر سمجھا نہیں جا سکتا۔ عبدالحق ''دیوان زادہ'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں؛

> ''حاتم نے لسانی اکتساب و اجتہاد میں بڑی دور اندیشی کا ثبوت دیا۔۔۔ زبان کی فطری ساخت اور تقاضوں کے تحت عربی و فارسی ذخیرہ الفاظ کو مزاج اردو کے مطابق تحلیل کیا گیا۔ حاتم کے کلام میں ہندی آب و رنگ زبان کی حد سے گزر کر لب و لہجے میں منتقل ہو گیا ہے یہ لب و لہجہ ہندی کا نہیں بلکہ خاص اردو کا اپنا لہجہ ہے۔۔۔ اور اسی ترکیب سے اردو کی بنیاد قائم کی گئی۔ شاہ حاتم کے ہاں ہندی پن اردو کی گھلاوٹ میں نرمی و لطافت کا حسن پیدا کرتا ہے۔ یہ الفاظ اجنبی محسوس نہیں ہوتے نہ زبان و بیان کی ناہمواری اور پیوندکاری کا شائبہ ہوتا ہے''۔(۲۱)

شاہ حاتم کا یہ عمل اس بات کا مظہر تھا کہ اردو زبان بہت جلد اس خلا کو پر کرنے کے لئے خاص اہمیت اختیار کر لے گی جو آنے والے عہد میں فارسی کے زوال کے نتیجے میں بنے گا۔ چنانچہ انہوں نے بدلتے وقت کی رفتار اور رُخ کو سمجھا اور زبان اردو کی اصلاح اور عملی نمونوں کی طرف توجہ دی۔ شاہ حاتم سے لے کر ناسخ کے عہد تک اردو زبان بہت سی تبدیلیوں سے گزری اور یہ تبدیلیاں کسی دبستان میں اصلاح سمجھی گئیں اور کہیں تخریب کا عمل محسوس کی گئیں، لیکن آج کے دَور میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس عہد میں جو تبدیلیاں فطری یا غیر فطری طور پر اردو زبان میں ہوئیں، زبان کا وہی نمونہ آج اکیسویں صدی میں پاکستان میں معیاری زبان کا درجہ پا چکا ہے۔ اردو ادب کی اولین تاریخ لکھنے والے رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں؛

> ''اس دَور میں سنسکرت و بھاشا و قدیم دکنی الفاظ کا اخراج ہوا جو کہ میر و سودا کے زمانہ میں جاری رہا۔ شیخ ناسخ کے عہد تک جس کی تکمیل ہوئی۔ مورخین ان کو مصلحین زبان کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بہت سے بھونڈے الفاظ خارج کر دیے گئے، مگر اس کے ساتھ ہی بھاشا کے بہت سے شیریں

خوبصورت اور خوش آہنگ الفاظ بھی نکال دیے گئے۔ عربی فارسی کے مترادف
قبول کیے گئے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عربی فارسی الفاظ کی صحت کا خیال ہونے
لگا۔ شاہ حاتم نے اس طرف توجہ کی اور بہت سے الفاظ کی اصلاح کی، جیسا کہ ان
کے دیوان زادہ کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے''۔ (۲۲)

شاہ حاتم کی اصلاح زبان کے ضمن میں کی گئی کاوشوں کا اردو زبان کے تشکیلی دور سے گہرا تعلق ہے۔ زبان معیاری ادبی روپ جس میں ایہام گوئی کے غیر سنجیدہ اثرات کی وجہ سے بھی بہت سی غیر مانوس تراکیب اور کثیر معنی کے حامل مقامی الفاظ جو دہلی کے ٹکسالی اردو کے معیار سے متصادم تھے' غیر فصیح قرار دے کر زبان سے نکال باہر کیے گئے۔ دیوان زادہ معیاری اردو زبان بنانے کی طرف ایک بڑا عملی قدم تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اردو زبان کا معیار ''لب و لہجہ'' جس کی تکمیل ابراہیم ذوق' آتش' ناسخ اور غالب کے زمانے میں ہوئی تھی اس کا آغاز ایک صدی قبل شاہ حاتم کے دیوان زادہ سے ملتا ہے جو اصلاحِ زبان کے ضمن میں ان کی اہمیت کی دلیل ہے۔

شاہ حاتم ان اولین ادیبوں میں سے تھے، جنہوں نے نہ صرف 'دیوان زادہ' کے دیباچے میں اصلاح کے اصول وضابطے مقرر کر کے لکھے بلکہ عملی اقدام کے تحت اپنی شعری تخلیقات کو قلمزد کر کے 'دیوان زادہ' کے روپ میں نئے تبدیلیوں کا نمونہ پیش کر دیا۔ غرض اس عہد سے آگے چل کر برصغیر میں مشرقی ادیبوں نے زبان کے روپ میں جو تبدیلیاں لانا شروع کیں، ان کی ابتداء شاہ حاتم نے دیوان زادہ کی صورت میں کی تھی۔ شاہ حاتم اور اس کے معاصرین کے عہد میں اردو زبان عہد ولی کی زبان سے زیادہ صاف ہوگئی تھی۔ لیکن ابھی تک اس میں ہندوی کی جھلک ملتی تھی۔ یعنی ابھی شاعری کی زبان سے ہندی پن مکمل طور پر ختم نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ہندی پن آنے والے عہد میر سودا کے دَور کی عطا ہے جب اردو زبان کا مکمل ترقی یافتہ روپ سامنے آیا۔ گو اس میں بھی قدیم ہندی جھلکیاں موجود ہیں۔ مگر مجموعی سطح پر زبان کا مطالعہ کریں تو ایک بدلی ہوئی فضا اور مکمل طور پر تبدیل ہوئی اردو زبان ملتی ہے۔ اصلاً اس کو اردوئے معلّٰے کا دَور قرار دیا جا سکتا ہے۔

اٹھارہویں صدی کے وسط کے قریب قریب نادر شاہ درانی (۱۷۳۹ء) اور احمد شاہ ابدالی (۱۷۵۶) کی افغانی فوجوں نے دہلی میں وہ تباہی مچائی کہ جس کی مثال تاریخ میں شائد ہی پیش کی جاسکے۔ سقوط دہلی سے ریاست اودھ میں لکھنؤ کا مرکز' علم وادب کی سرپرستی کے لیے میدان میں آیا۔ لکھنؤ نے دہلی کے عوام وخواص کو ہجرت کرنے کی ترغیب دی اور یوں میر تقی میر وسودا، مصحفی، قائم چاند پوری، میر سوز، میر اثر، جرأت اور ان کے علاوہ بے شمار

شعراء کی کھیپ عازمِ لکھنؤ ہوئی۔ میر سودا کے لکھنؤ آنے سے لکھنؤ میں شاعری کا ایک نیا دبستان کھلا، جس میں داخلی خارجیت، یا خارجی داخلیت سے ہوتے ہوتے ہوائے سخن خارجیت کی شاہراہ پر چل نکلی۔ لکھنؤ میں شعر و ادب سے قطع نظر زبان کی بات کی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ لکھنؤ میں پُر تکلف و آراستہ پیراستہ زبان کو پسند کیا جاتا تھا۔ لکھنؤ کے شعراء بھی خیال سے زیادہ طرزِ ادا کو سنوارنے نکھارنے میں صلاحیتیں صرف کرتے۔ چنانچہ دلی جس کی فضا کو اپنی داخلیت اور زبان کی سادگی پر افتخار تھا لکھنؤ کے ادیبوں کے طرز و تکنیک کا شکار ہوگئی۔ اور آراستہ و پیراستہ اسلوب میں بدل گئی۔

میر تقی نے لکھنؤ میں آکر اپنے دہلوی مزاج اور اسلوب سخن میں کوئی تبدیلی پسند نہ کی البتہ باقی شعراء پر لکھنوی رنگ چڑھتا گیا یا ہم کہہ سکتے ہیں' کہ مصحفی، سودا، قائم وغیرہ لکھنو آراستہ و پیراستہ اسلوب سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے جو کہ عوامی بول چال کا نمائندہ اسلوب تھا۔ لکھنؤ میں اردو زبان و ادب دہلی سے آگے ارتقائی منازل طے کرتا چلا گیا۔ لکھنؤ کی محفل سخن دراصل مشرقی تمدن کی آخری جھلکیاں تھیں جسے بہت جلد مغربی عسکریت نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ لکھنؤ میں زبان کی تبدیلی کا ایک ''مظہر خان آرزو'' کا لکھنؤ میں ہونا بھی تھا۔ خان آرزو تو وہاں ۱۷۵۶ء میں فوت ہو گئے البتہ دہلی سے آئی ہوئی باقی شعراء کھیپ جس میں ممنون، جرات، مصحفی، میر، سودا، انشاء وغیرہ شامل تھے، موجود تھی۔ انشاء نے 'دریائے لطافت' میں جس شہر کی زبان کو دہلی کے فصیح زبان کے بعد فصاحت کا معیار قرار دیا تو وہ لکھنؤ کی زبان تھی۔

اصلاح زبان کا یہ عمل سودا کے عہد سے ہوتا ہوا امام بخش کے عہد تک پہنچا۔ ناسخ کے ہاتھوں اردو زبان کی اصلاح کے پیمانے اتنے سخت ہو گئے کہ یہ عمل غیر فطری بن گیا۔ امام بخش ناسخ (لکھنو) کے اصلاح کے عمل کو متشددانہ سمجھا گیا اور اردو زبان کو ان مقامی بھاشائی الفاظ سے ہاتھ دھونا پڑے جو فطری انداز سے اردو زبان میں رچ بس گئے تھے۔ یہ زبان لکھنو کے پر تکلف زبان کے آراستہ و پیراستہ روپ کو پیش کرتی ہے۔ بعض ناقدین نے اس کو منفی لسانی تحریک بھی کہا ہے۔

امام بخش ناسخ زبان کے معاملے میں اسم با مسمّٰی ثابت ہوئے اور زبان کو کڑے اصلاحی عمل سے ایسے گزارا کہ اس کی حمایت میں بہت کم اردو والے توصیفی کلمات ادا کرتے ہیں۔ ناسخ کے ہاتھوں اردو زبان سے وہ مقامی، پراکرتی، ہندی الفاظ بھی ترک کر دیے گئے جو فطری انداز سے اس زبان کا حصہ بن چکے تھے۔ یہ زبان لکھنؤ کے پر تکلف، آراستہ و پر شکوہ اسلوب کی آئینہ دار ہے۔ اصلاح زبان کے لکھنوی دور سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس عہد میں زبان میں عربی فارسی الفاظ و محاورات، تراکیب کا دخول بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ ایسے بیش تر

ہندی، پراکرتی الفاظ کو بیک جنبش قلم اردو سے نکال باہر کیا جائے کہ جن کی موجودگی سے زبان اردو کی خوبصورتی میں کوئی قدغن نہیں ٹھہرتی تھی بلکہ زبان کا دامن ان کی موجودگی میں زیادہ وسیع تھا۔ ان الفاظ کو نکالا جانا بہت ضروری نہ تھا۔ لکھنؤ کی عوامی بول چال پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات انوکھی ہے کہ وہاں کے عوام جیسے مشکل عربی فارسی الفاظ وتراکیب اپنی روزانہ کی بات چیت میں استعمال کرتے تھے ویسے الفاظ ہندوستان کے باقی شہروں کے خواص بھی اپنی زبان میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں'

> ''ولی نے جس اجتہاد کی ابتداء کی تھی، اس کا نقطہ انجام ناسخ ہے۔۔۔ناسخ کی تحریک کا قبیح پہلو یہ ہے کہ مقامی پراکرتوں کے وہ الفاظ جو عرصے سے اردو زبان کا فطری حصہ بن چکے تھے، عمل تنسیخ کی زد میں آگئے اور ان کی جگہ عربی فارسی کے مشکل، پیچیدہ اور ادق الفاظ کو شعوری طور پر اردو زبان میں شامل کر دیا گیا۔ چنانچہ اردو جو اپنی سادگی، نرمی اور سلاست کی بناء پر عوام میں مقبولیت حاصل کر رہی تھی، مشکل گوئی کی راہ پر گامزن ہوگئی۔ اس لحاظ سے بیشتر ناقدین نے ناسخ کی اس تحریک کو منفی لسانی تحریک شمار کیا ہے اور اس عہد کی شاعری کو لفاظی کا کھوکھلا انبار کہا ہے''۔(۲۳)

ان شاء اللہ خان انشاء لکھنؤ کے اس ماحول میں منفرد ادیب کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ انشاء نے 'دریائے لطافت' کے عنوان سے اردو زبان کی پہلی گریمر لکھی' جو کسی بھی مشرقی ادیب کی اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے لیکن یہ کتاب انیسویں صدی میں لکھی گئی تھی۔ قواعد سے ہٹ کر دیکھیں تو انشاء نے ''رانی کیتکی کی کہانی'' کے عنوان سے ایک داستان لکھی، جس میں کوشش کی کہ ایک لفظ بھی عربی فارسی کا داخل نہ ہو۔ اس کاوش میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔ لکھنؤ کے عہد کی لسانی واصلاحی کوششوں کا ذکر مختصر کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں اس عہد نے اردو زبان کو کچھ نئے شیڈز عطا کیے اور ارتقائے زبان میں اپنا حصہ شامل کیا۔ اسی عہد میں دہلی میں ''عجائب القصص'' کے عنوان سے لکھی گئی داستان پر لسانی تحقیق کی جانی چاہیے۔ یہ داستان شاہ عالم ثانی کی تخلیق تھی جو مغلیہ سلطنت کا حکمران گزرا ہے۔

۷۔ مغربی اقوام کی ہندوستان آمد کے لسانی منظرنامہ پر اثرات

برصغیر کے لسانی منظرنامے میں اب مغربی افراد واقوام کی ان کاوشوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کی تحریروں اور عملی کاوشوں سے ہندوستانی زبان میں وہ نمونہ سامنے آتا ہے جو آنے والے افراد کے نوآبادیاتی مزاج کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی سے قبل ہی ہندوستان میں مختلف وجوہات کی وجہ سے مختلف اقوام مغرب آچکی تھیں۔ ان میں پرتگالی، ولندیزی (ہالینڈ کے لوگ) فرانس، انگلستان، جرمنی اور ڈنمارک کے افراد شامل تھے۔ لیکن برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی بہتر حکمت عملی، سازگار ملکی حالات اور عسکری قوت کے رکھنے کے باعث اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کے کافی علاقوں میں پھیلنا اور پھولنا شروع ہوگئی۔ ۱۶۰۰ء میں لندن کے بے شمار تاجروں نے اپنے شہنشاہ کی اجازت سے ہندوستان کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کی منظوری حاصل کر لی تھی اور کنگ جیمز اوّل کی سفارش پر شہنشاہ ہند جہانگیر سے ایک وفد کیپٹن ہاکنز کی صدارت میں ملا اور ہندوستان میں آزاد تجارت کی اجازت طلب کی۔ جہانگیر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تجارت کی اجازت دے دی (۴۴)۔ (بعد میں یہ اجازت منسوخ کر دی گئی تھی)۔ سورت میں اس اجازت کے نتیجے میں ہی پہلی تجارتی فیکٹری بنائی گئی تھی۔ آہستہ آہستہ مشرقی ساحل پر شمالی سرکارز (Northern Sarkars) غالب ہوتی چلی گئیں اور کمپنی قابض اور مضبوط ہوتی چلی گئی۔ ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کی فتح نے ہندوستان کو بتادیا تھا کہ اب بنگال کے صوبے کے وہ مالک نہیں رہے اور طاقت کا محور انگریزوں کی طرف منتقل ہونے جارہا تھا۔

اٹھارہویں صدی میں انگریزوں اور دیگر یورپی اقوام کا دخل ہندوستان میں بڑھ گیا تھا۔ شروع میں یہ قوم تجارت کی غرض سے ہندوستان آئی۔ اس وقت تک یورپی اقوام کے پیش نظر ہندوستان کو بطور تجارتی منڈی کے قبضہ کرنا تھا تاکہ اتنے بڑے ملک کو اپنی تجارت اور اشیاء کی خرید وفرخت کے ذریعے قابو کیا جاسکے۔ انگریز قوم کی خوش قسمتی اور ہندوستان کے عوام کی بالعموم اور مغلوں کی بالخصوص بدقسمتی یہ بنی کہ زبوں حالی کے اس منتشر سماجی ماحول میں انگریز کے مقاصد تجارت سے بڑھ کر حکمرانی کے طرف ہو گئے۔ تجارت ہو یا حکمرانی، ہر دوصورتوں میں ان مقامی زبانوں کی تحصیل اور نشرواشاعت ضروری تھی جو ملک کے طول وعرض میں بولی سمجھی جا سکتی تھی۔ بعد میں آنے والے سالوں میں یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر فاتح قوم کی طرح انگریز قوم نے بھی مقامی کلچر کے سب سے توانا عنصر یعنی سرکاری زبان کو زک پہنچائی اور فارسی زبان کو یکسر ختم کر ڈالا۔

مستشرقین اور بالخصوص انگریز قوم کے سفارتکاروں، تاجروں، مشنری پادریوں اور سیاحوں نے مقامی

لسانی روایت کا بطور خاص مطالعہ شروع کر دیا۔ مقامی لوگوں میں گھلنے ملنے اور ان کو اپنے سیٹ اپ میں داخل کرنے کے لئے مغربی افراد نے زبان کا ایک ایسا ڈسکورس تیار کیا جس نے نہ صرف کمپنی کے تجارتی معاملات میں مدد دی بلکہ اس کی مدد سے عسکری ضرورتوں، تجارتی عوامل اور دفتری زبان کے طور پر بھی اس زبان نے ان کی مدد کی۔ یہ زبان انگریزوں کو ایسی راس آئی کہ ۱۹ویں صدی میں یہ زبان برصغیر میں بالعموم اور مستشرقین کے لئے بالخصوص علمی ضرورت بن گئی اور اسے اختیار کیے بنا کوئی چارہ نہ رہا۔ سب سے پہلے سنسکرت کی طرف بھرپور توجہ دی گئی۔ زبان کی عوامی اور ادبی ہر دو سطح پر مطالعہ اور تحقیق کا کام شروع کر دیا گیا۔ زبانوں کی گریمر (قواعد) اور ڈکشنری (لغت) کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ عام طور پر کیٹلر اور ولیم جانز سے اس روایت کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ کیٹلر نے ''ھندوستانی زبان'' کی پہلی گرامر لکھی۔ ولیم جونز کی اہمیت یہ ہے کہ اس نے ہندوستان آ کر سنسکرت کا دوسری آریائی زبانوں سے رشتہ دریافت کیا اور یوں یہاں 'تقابلی لسانیات' کو رواج ملنا شروع ہوا۔

ان سے قبل سولہویں اور سترہویں صدی میں فرانسیسی، جرمن اور دوسری یورپی اقوام کے افراد نے سنسکرت کو نہ صرف بطور زبان کے سیکھ لیا تھا بلکہ اس کے گریمر اور لغت کی طرف عملی کام کا آغاز کر دیا تھا۔ جان جوشوا کیٹلر نے ہندوستانی زبان کی صرف ونحو پر ایک کتاب مرتب کی جو ہندوستانی زبان کی پہلی گریمر ثابت ہوئی۔ اس کا نام Gramatica Industanica تھا۔ کیٹلر سترہویں صدی کے اواخر میں ہندوستان آیا۔ اس نے یہاں مختلف حیثیتوں سے کام کیا۔ فیکٹری ملازم سے لے کر سفیر کے عہدے تک امور سرانجام دیے۔ اس سے قبل مسٹر کورچ کی مرتب کردہ 'اوری اینٹل کیٹلاگ' کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن بوجہ عدم دستیابی کی وجہ سے پہلا معلوم نسخہ کیٹلر کا ہے جو جرمنی کا باشندہ تھا۔ کیٹلر نے یہ کتاب ۱۶۹۸ء میں لاطینی زبان میں مرتب کی تھی۔ اس کتاب کو ڈیوڈ ملز نے ۱۷۴۳ء میں انگریزی ترجمہ کر کے شائع کرایا۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ بات پتا چلتی ہے کہ اس طرح کی گریمر لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ ایک نو وارد سیاح اور سفارتی امور کی انجام دہی کے لیے جن جن امور زباندانی کی ضرورت پیش آتی ہے ان کو مدنظر رکھ کر یہ گریمر مرتب کی گئی۔

اٹھارہویں صدی میں دوسری طرف مقامی روایت دیکھی جائے جس نے لسانی منظرنامے میں دیرپا اثرات مرتب کیے تو یہ امر سامنے آتا ہے کہ مقامی زبانوں کی لغت اور قواعد نویسی کی طرف زیادہ عملی اقدامات نہیں کیے گئے۔ لغت نویسی کی ضرورت یوں بھی محسوس نہیں کی گئی کہ ابھی ہندوستانی زبان ترقی کے اس خاص معیار تک نہیں پہنچی تھی کہ اسے سرکار دربار اور نثر و شعر کی زبان بنایا جا سکے۔ ایک اہم عنصر یہ بھی تھا کہ یہ ہندوستانی زبان عوامی سطح پر بول چال کا کام انجام دے رہی تھی اس لیے یہ زبان سیکھنا اہم کام نہیں تھا۔

مغربی افراد نے چونکہ مقامی زبانوں کو نئے سرے سے غیر ملکی کے طور پر سیکھنا تھا اس لیے اس زبان اور دوسری زبانوں کی لغات اور قواعد لکھنے کی طرف خاص توجہ کی گئی۔

شروع شروع میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے ملازمین کے لیے تجارتی مقاصد کے تحت مقامی زبانوں کی تحصیل کی ضرورت محسوس کی گئی جو آئندہ دَور میں حکمرانی اور مشنری مقاصد کے لیے ضروری خیال کی گئی۔ چنانچہ اس عہد میں لسانِ عامہ اور بول چال کے بنیادی وضروری جملے سیکھنے کی طرف مغربی افراد کا رجحان ہوا۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جون جوشوا کیٹلر اور ان کے ہم عصر، بنجمن شلز کی قواعد اور بائبل کے تراجم، جارج ہیڈلے کی لسانی کاوشیں، غیر ملکیوں کو مشرقی لسانی روایت سکھانے میں معاون بنیں۔ اس عہد کے مستشرقین نے آنے والے عہد کے اردو قواعد ولغات نویسوں کے لیے رستہ ہموار کیا۔ فرگوسن کی لغت، لی بی ڈف کی قواعد اور ولیم جونز کی مشرقی زبانوں کے متون کے مطالعے کی کاوشیں اور جان گلکرسٹ کی قواعد و لغات کے معیاری نمونے دراصل مذکورہ بالا افراد کی کاوشوں کی وجہ سے معیاری بنے۔

مستشرقین اور بالخصوص انگریز قوم کے سفارت کاروں، تاجروں، مشنری پادریوں اور سیاحوں نے مقامی لسانی روایت کا بطور خاص مطالعہ شروع کر دیا۔ سب سے پہلے سنسکرت کی طرف بھر پور توجہ دی گئی۔ زبان کی عوامی اور ادبی ہر دو سطح پر مطالعہ اور تحقیق کا کام شروع کر دیا گیا۔ زبانوں کی گریمر (قواعد نویسی) اور ڈکشنری (لغت نویسی) کی طرف خاص طور پر توجہ دی گئی۔ عام طور پر کیٹلر کے مخطوطات کی دستیابی سے ہندوستانی گریمر نویسی کی اولیت کا سہرہ کیٹلر کے سر باندھا گیا ہے۔ دوسری طرف ولیم جانز نے سنسکرت اور یورپی زبانوں کے تقابل سے تقابلی لسانیات کا آغاز کیا۔ جان جوشوا کیٹلر کی گریمر اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ یہ اس عہد میں مرتب ہوئی جب اردو شاعری کی روایت دکن سے دہلی میں داخل ہو رہی تھی۔ یعنی کیٹلر کے لیے بطور سیاح اور سفارت کار جو زبان بالکل نئی تھی وہ شاعری کے طور پر شمالی ہند کے لوگوں کے لیے ادبی لحاظ سے نئی چیز تھی۔ (یہ زبان ریختہ کہلائی)۔

کیٹلر کے بعد بنجمن شُلز (Benjamin Shultze) کی کتاب Gramatica Industanica ۱۷۴۵ء میں سامنے آئی۔ شُلز جرمن باشندہ تھا اور وہ عیسائی مذہب کی تبلیغ واشاعت کا مقصد لے کر آیا۔ برصغیر میں قیام کے دوران ایک پنڈت سے ہندوستانی زبان سیکھی۔ تامل کے علاقے میں رہا اس لیے بائبل کا ترجمہ دکن میں بولی جانے والی مقامی زبان میں کیا۔ اس گریمر سے ہندوستانی زبان کی گریمر کی روایت کا تسلسل قائم ہوا۔ اس گریمر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ شلز نے ہندوستانی زبان کی معیاری یا ٹکسالی صورت کی بجائے عوامی بول چال کو معیار سمجھ کر گریمر مرتب کی۔ شلز کی گریمر اور زباندانی مذہبی تبلیغی ضروریات اور عوامی زبان کو معیار کا درجہ

دیتے ہوئے لکھی گئی۔(ٹسلز کی گریمر پر باب نمبر دو میں تفصیلی بحث شامل ہے)

جارج ہیڈلے(George Hadley) کا نام ایک حوالے کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ ہیڈلے برٹش آرمی میں کیڈٹ کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔لیفٹیننٹ اور پھر کپتان بنا۔ ہندوستانی زبان سیکھنے کے بعد ۱۷۶۵ء میں گریمر مرتب کرنا شروع کی۔ یہ کتاب

"Grammatical remarks on the practical and vulgar dialect of the Indostan Language,commonly called Moors Language..."

کے عنوان سے مرتب کی جو لندن سے ۱۷۷۲ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب سے ایک استعماری سوچ کے حامل فرد کی ضروریات کے پیشِ نظر مقامی زبان کی گریمر کے اصول لکھے گئے۔ لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ایک بدیسی فوجی کو مقامی آبادی سے کلام میں کن اصولوں کو سامنے رکھ کر زبان کا استعمال کرنا ہے۔

جون فرگوسن(John Fergusson) نام کا ایک مستشرق گزرا ہے جو اوپر کے گروپ سے ہٹ کر کام کر رہا تھا۔اس نے ڈکشنری پر کام کیا۔اس کی ڈکشنری کا عنوان A dictionary of the Hindostan Language تھا۔اس کے دو حصے تھے جو ۱۷۷۳ء میں لندن سے شائع ہوئے۔ایک حصہ انگریزی ہندوستانی جبکہ دوسرا حصہ ہندوستانی انگریزی پر مشتمل تھا۔ہندوستانی انگریزی والے حصے میں اس نے عوام وخواص کی بول چال کے جملے،محاورات اور ضرب الامثال کی کثیر تعداد شامل کی ہے جو ایک نو وارد کو ہندوستانی زبان کی تحصیل میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ڈکشنری کے شروع میں کچھ صفحات گریمر پر بھی لکھے گئے ہیں۔۔اس کتاب کے شروع میں فرگوسن نے چند جملے لکھے ہیں جو ہمیں اس عہد کے یورپی افراد کے لسانی مزاج اور زبان کی ضرورت واہمیت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ سلیم الدین قریشی لکھتے ہیں؛

> ''فرگوسن نے اپنی اس کتاب کو بادشاہ کے نام معنون کیا ہے اور لکھا ہے کہ برطانوی بحریہ اب یورپ میں سب سے زیادہ طاقتور ہے اور اس کی مدد سے ایشیائی ممالک کو آسانی سے سرنگوں کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے حصول میں ہمیں جو دشواریاں پیش آئیں گی وہ وہاں کی زبانیں ہیں۔اگر ہم نے یہ زبانیں سیکھ لیں تو ہم ان ممالک کو ہمیشہ کے لیے اپنے ماتحت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے''۔(۴۵)

کیٹلر، شلز، ہیڈ لے اور فرگوسن کی لسانی اپروچ میں قواعد ولغت کی تالیف کی ضرورت کا ہی فرق ہے لیکن یہ چار اشخاص اس عہد کے مغربی مزاج اور زبان کی مختلف ضروریات کی عکاسی کرتے ہیں۔ کیٹلر کے رویے اور عملی اقدامات ظاہر کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو فیکٹری چلانے کے لیے (تجارتی مقاصد)، مقامی مزدوروں سے بات چیت کی جو ضرورت پیش آتی تھی اس کو سہل بنانے کے لئے یہ گریمر لکھی گئی۔ دوسرا اس کو سفارتی امور انجام دینے کی لئے مغل دربار میں بھی حاضر ہونا پڑتا تھا اس تجربے کو بھی اس نے اپنی تالیف میں شامل کرلیا۔ بنجمن شلزے نے مشنری نظریات کے تحت زبان کو عیسائیت کے پھیلاؤ کے لیے معاون بنانے پر زور دیا اور اس کی کتاب اسی مقصد کے لیے لکھی گئی۔ ہیڈ لے کا تعلق چونکہ برطانیہ کے عسکری ونگ سے تھا۔ چنانچہ اس نے ایک فوجی افسر کی ضروریات کہ مقامی آبادی اور مقامی ملازموں کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے جس انداز میں زبان کی ضرورت محسوس ہوئی، اس کے تحت اس کی کتاب لکھی۔ فرگوسن کی لسانی کاوش کے لیے سلیم الدین قریشی کا مندرجہ بالا اقتباس وضاحت کرتا ہے کہ اگر فوج بالخصوص اور افراد (مغربی) بالعموم ہندوستان پر حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں یہاں کی مقامی زبانوں کی تحصیل کی طرف بھرپور توجہ دینا ہوگی۔ (ان مستشرقین کے لغت و قواعد پر کام پر تفصیلی بحث باب نمبر دو میں شامل ہے اس لیے یہاں مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے)

اردو زبان اس دور میں عوامی بول چال کی بہترین سطح پر پہنچ چکی تھی۔ یہاں تک کہ دربار میں بھی اردو / ہندوستانی زبان میں بات چیت عام تھی۔ مستشرقین نے اس زبان کو سیکھنے کے لیے آسان بنانا چاہا، اس لیے انہیں اس زبان کی گریمر اور لغات کی ضرورت پڑی۔ یہ عجیب بات تھی کہ انہیں اس مقصد کے لیے اردو میں ایسی کتابیں نہ مل سکیں۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ابھی ہندوستان کے عوام کو نہ گریمر کی کوئی خاص ضرورت محسوس کی گئی تھی اور نہ ہی یہ زبان نثر کی زبان بنی تھی البتہ شاعری میں یہ زبان راہ پا چکی تھی۔ چنانچہ گریمر اور لغت کے میدان میں پیش آمدہ وقت سے نمٹنے کے لیے مستشرقین کی کھیپ یہاں آئی جس نے اپنے افراد کی سہولت کے لیے اپنے اپنے ملکوں کی زبان میں صرف ونحو، گریمر اور لغات مرتب کرنا شروع کیں۔ اس ضمن میں پرتگالی اس جدید روایت کے بانی قرار پائے۔ صرف ونحو میں ان غیر ملکیوں نے نئی راہیں کھول دیں۔ مستشرقین اردو قواعد نویسی کی طرف اہل زبان سے پہلے متوجہ ہوئے اور ان میں سے بعض نے اپنے طور پر "صرف ونحو" کی کتب مرتب کیں۔

اس ساری روایت کا اختتام ڈاکٹر جان گلکرسٹ پر ہوتا ہے۔ اوپر کی ساری بحث جان گلکرسٹ کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ وہ ۱۷۸۲ء میں ہندوستان آئے۔ میڈیکل ڈاکٹر کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی میں بھرتی ہوئے، لیکن

سرجن کے فرائض سے نظر ہٹا کر مشرقی زبانوں کے میدان کی طرف چل نکلے۔ گل کرسٹ نے یہاں آ کر محسوس کیا کہ بہت جلد ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کے سیاہ وسفید کا مالک بن جائے گی۔ انگریز افسروں کو ایک نئی زبان کی ضرورت محسوس ہوگی جو کہ ان کے اور عوام کے درمیان تعلق کو مضبوط کرے اور حاکم کو محکوموں پر حکومت کرنے اور ان کو سمجھنے میں مدد دے۔ چنانچہ ہندوستانی زبان کی خدمت اور اس زبان میں گریمر و لغات لکھنے کا کام اپنے کندھوں پر لیا۔ گل کرسٹ نے ''ہندوستانی فلالوجی'' لکھنے آغاز کیا۔ اس سلسلے میں انگریزی ہندوستانی لغت کا پہلا حصہ ۱۷۸۷ء میں چھپا، دوسرا ۱۷۹۰ء میں اور ہندوستانی فلالوجی ۱۷۹۶ء میں سامنے آئی۔ گل کرسٹ نے ہندوستانی زبان کے دونوں رسم الخط (عربی فارسی اور دیوناگری) بطور خاص سیکھے۔ ۱۷۹۶ء میں گل کرسٹ نے 'ہندوستانی گریمر' شائع کی جس نے اردو گریمر کے میدان میں اپنے بہترین حیثیت کو منوالیا۔ جان گل کرسٹ نے اول اول ہندوستانی زبان پر کام شروع کیا تو مقامی ادیبوں کی گریمر اور لغت کے موجود نہ ہونے نے اس کو بے چین کر دیا جس سے اس نے گریمر اور لغت مرتب کرنے کا کام زور وشور سے شروع کر دیا۔

گل کرسٹ نے اپنی گریمر اور ڈکشنری میں خواص کی بجائے عوامی زبان کو معیار مان کر مواد مرتب کیا۔ گلکرسٹ نے ہند میں بولی جانے والی زبانوں عربی، فارسی، سنسکرت، ہندوستانی، پنجابی کو سیکھنے کے لئے شہر شہر سفر کیا۔ لوگوں میں گھل مل کر انکا لہجہ اور تلفظ ذہن نشین کیا اور اس کی مدد سے اپنی تالیفات کو مرتب کیا۔

اس دور میں مقامی روایت کے متوازی مغربی روایت چل رہی تھی جس میں ہندوستانی زبان کو غیر ملکی زبان کے طور پر پڑھا لکھا اور سمجھا جا رہا تھا۔ اس لیے ایسا مواد مرتب کیا جا رہا تھا کہ اس غیر ملکی زبان کی ساخت کو سمجھا جا سکے۔ ابتداء میں یہ کام سست روی سے ہوا اور زیادہ لوگ اس طرف نہیں آئے تھے لیکن اٹھارہویں صدی کے آخری ربع میں سنجیدہ مستشرقین اور توانا روایت سامنے آئی جس نے اس میدان میں تحقیقی واشاعتی سلسلے کو تیز کر دیا پہلے کاروباری اور مذہبی ضروریات کے لیے جس زبان کو سمجھنے کا کام سست روی سے جاری تھا اس عہد میں آ کر انتظامی امور کے لیے بالخصوص اور روح مشرق کو سمجھنے کے لیے لغت وقواعد کے ساتھ ساتھ ''مکالمات'' (dialogues) پر کتابیں لکھی جانا شروع ہوئیں۔

اس عہد میں مقامی روایت کا رُخ ادب اور معیاری زبان کی طرف تھا جبکہ مستشرقین کا رُخ زبان کے عوامی روپ کی طرف تھا۔ لیکن مغربی افراد کا مطمع نظر خالص لسانیاتی تھا جس میں زبان کا میکانکی وافادی پہلو اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ ان مستشرقین نے اولاً ضرورت کے لیے زبان (مقامی) کو اختیار کیا۔ ثانیاً انتظامی ضروریات زبان کی طرف دلچسپی کی وجہ بنیں۔ ثالثاً ہندوستانی زبان کی تحصیل کو مشرقی ذہن کو سمجھنے کے لیے اس زبان کو بطور Tool

استعمال کیا گیا۔ زبانوں کے سلسلے میں یہ عملی ولسانی اقدامات فورٹ ولیم کالج پر آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ زبان
ہندوستان/ہندوستانی زبان یا اردو زبان اس کو جو بھی نام دیں، فورٹ ولیم کالج میں آ کر ایک مضبوط اور توانا ادبی
روایت کی نہ صرف امین بنی، بلکہ بطور زبان بھی ترقی کے اس خاص مقام پر جا پہنچی کہ نثری ادب کے لیے اس کو افتخار
کے ساتھ پیش کیا گیا۔ چنانچہ ''باغ و بہار'' جیسا شاہکار نثری نمونہ سامنے آتا ہے جو سادہ و سلیس اسلوب اور عوامی بول
چال کی بہترین تصویر بنتا ہے۔ اب ایک اور امر پیش نظر رہے کہ یہی عوامی لب و لہجہ دلی سے دور اکبرآباد میں نظیر اکبر
آبادی کے پاس شعری تخلیقات میں موجود تھا، جسے اس عہد کے لسانی معیارات پر پورا نہ اُترنے کی صورت میں مشرقی
نقاد رد کر چکے تھے۔

باغ و بہار کے اسلوب کو فورٹ ولیم کالج میں جان گل کرسٹ نے لاگو کر کے زبان کا شاندار ادبی روپ
دریافت کیا جو آگے چل کر معیاری اردو اسلوب کی پہچان بنا۔ یہ اسلوب انگریز کی ضرورت کے تحت مروج کیا گیا
تھا۔ ابتدا میں اردو زبان یورپی افراد کی تجارتی ضرورت تھی۔ پھر سفارتی ضرورت بنی۔ ۱۷۵۷ء کے بعد یہ زبان
عسکری ضرورت بن کر سامنے آئی۔ یہی زبان ۱۹ویں صدی میں دفتری و علمی ضرورت بنتی چلی گئی۔ شروع میں
انگریزوں نے ہندوستانی زبان کو فارسی کے مقابل کھڑا کیا۔ ۱۸ویں صدی میں اصلاح زبان کے نام پر کیے گئے
اقدامات تفرقے کی بنیاد بنا چکے تھے، چنانچہ اس کا فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے ہندوستانی زبان کو اردو اور ہندی
بولیوں کے الگ الگ روپ میں لکھے اور تقسیم کیے جانے کی حوصلہ افزائی کی تو ہندوستانی کے بطن سے ''اردو اور ہندی''
کے الگ ناموں سے ایک ہی زبان کے دو روپ بنتے چلے گئے، جو آج دو الگ زبانیں سمجھے جاتے ہیں۔ ایسی الگ
زبانیں، جن کی عمارت کی بنیاد ایک گریمر پر کھڑی ہوئی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ گیان چند جین، پروفیسر، عام لسانیات، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۳، دوسرا ایڈیشن، ص ۴۴۷

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۰۲، طبع دوم، ص ۶۱۔۶۰

۳۔ ولیم جونز، سر، مشمولہ جامع القواعد (حصہ صرف) از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴، طبع دوم، ص ۱۳۹

۴۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، ص ۱۵۲

۵۔ شورسینی اپ بھرنش سے ان تین زبانوں کے ارتقاء و علیحدگی کے سلسلے کو جارج گریرسن کے لسانیاتی جائزۂ ہند سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ ان ادیبوں کی تخلیقی جہات سے اس دور میں نہ صرف یہ کہ اردو زبان کی ادبی روایت کا تسلسل ارتقاء کی طرف چلی تھی بلکہ ان کی ادبی زبان کے مطالعے سے اس عہد کی ادبی واشرافیہ کی زبان کے نمونوں کا مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے جس کے لیے ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اردو ادب کی تاریخ میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔

۷۔ رضیہ نور محمد، ڈاکٹر، مس، اردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی وادبی خدمات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، لائن آرٹ پرنٹرز، لاہور، پہلا ایڈیشن ۱۹۸۵، ص ۱۲

۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم ۲۰۰۲، ص ۵۰

☆ ڈاکٹر سلیم اختر، مختلف محققین کے اقوال کے مطابق اردو کے نام کو شاہ جہان سے منسوب کرتے ہیں لیکن ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے مائل کے اس قول کو کہ شاہجہان نے اردوئے معلّے کا نام دیا، ٹھیک نہیں ما نتے۔ مزید تفصیل کے لئے جامع القواعد، ص ۱۹ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۹۔ خلیل احمد بیگ، مرزا، ڈاکٹر، اردو کی لسانی تشکیل، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۹، طبع دوم، ص ۱۴۰

۱۰۔ ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ نے اپنے ایک مضمون 'سترھویں صدی کی اردو، چند صوتیاتی خصوصیات' میں 'محمد افضل کی بکٹ کہانی کے لسانی مطالعے اور اشعار کی مثالوں سے سترھویں صدی میں اردو کے بدلتے

روپ اور لسانی استقلال کو بڑھتے روپ کا تجزیہ پیش کیا ہے جو اہم ہے۔ یہ مضمون ان کی مرتبہ کتاب میں موجود ہے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔

۱۱۔ خلیل بیگ، مرزا، ڈاکٹر، ص ۱۵۳ ۔

۱۲۔ محی الدین قادری زور، ہندوستانی لسانیات، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۶۱ طبع سوم، ص ۴۶۔۱۴۵

۱۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب لاہور، جلد دوم، اشاعت پنجم، ۲۰۰۷ء، ص ۱۶۔۱۵

۱۴۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، ص ۲۵

۱۵۔ مسعود ہاشمی، ڈاکٹر، اردو لغت کا تنقیدی جائزہ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، پہلا ایڈیشن، ص ۵۳

۱۶۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، حسن عسکری (مترجم) مطبع منشی نول کشور، لکھنو، س۔ن۔ ص ۸۲۔۸۱

۱۷۔ عبدالواسع ہانسوی، ملا، مشمولہ: مقدمہ نوادر الالفاظ، از ڈاکٹر سید عبداللہ، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، 1951ء، ص ۴

۱۸۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، مقدمہ نوادر الالفاظ، ص ۵

۱۹۔ ایضاً۔ ص ص ۲۸۔۱۸

۲۰۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، (مرتب) دیوان زادہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، اشاعت اول، ۲۰۰۹ء، ص ۲۸۔۲۷

۲۱۔ عبدالحق، (مرتب) دیوان زادہ، نیشنل مشن فار مینسکرپٹس، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص ۵۶

۲۲۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو۔۔۔ ص ۸۵۔۸۴

۲۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۱۳ء، ایڈیشن ہشتم، ص ۲۱۱

۲۴۔ رضیہ نور محمد۔۔۔ ص ۱۴

۲۵۔ سلیم الدین قریشی، اٹھارہویں صدی کی اردو مطبوعات (توضیحی فہرست)، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص ۳۵

باب دوم:

اردوزبان کے لیے مستشرقین کی ابتدائی کاوشیں اور جان بورتھ وک گل کرسٹ کے علمی وادبی کارنامے

(فصل اول) اردوزبان کے لیے مستشرقین کی ابتدائی کاوشیں۔

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور یورپی افراد کی لسانی ضرورتیں اور مشرقی زبانوں کے مطالعے کی اہمیت

۲۔ اردو قواعد ولغت نویسی اور مستشرقین کی ابتدائی کاوشیں

۳۔ جان جوشوا کیٹلر کی قواعد نویسی

۴۔ بنجمن شلز کی قواعد نویسی

۵۔ گلستان کی مختصر ''قواعد''

۶۔ جارج ہیڈلے کی قواعد ولغت نویسی

۷۔ ولیم جونز، __ کلاسیکی مشرقی متون کا مطالعہ، تقابلی لسانیات کا آغاز

۸۔ ہراسم لی بی ڈف کی قواعد نویسی

۹۔ کیپٹن جان فرگوسن کی لغت وقواعد نویسی

(فصل دوم) جان بورتھ وک گل کرسٹ کی علمی اور ادبی کاوشوں کا تفصیلی احوال

۱۰۔ فورٹ ولیم کالج سے قبل کی علمی کاوشیں

۱۱۔ جان گل کرسٹ اور فورٹ ولیم کالج کا دور

۱۲۔ گل کرسٹ کی انگلینڈ واپسی اور تصنیف وتالیف کا دور

حواشی وحوالہ جات

باب دوم:

(فصل اول) اردو زبان کی ''قواعد ولغت نویسی'' کے لیے مستشرقین کی ابتدائی کاوشیں اور جان بورتھ وِک گل کرسٹ کی علمی وادبی کاوشوں کا تفصیلی احوال

ا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی لسانی ضرورتیں اور مشرقی زبانوں کے مطالعے کی اہمیت

ہندوستان میں مغل حکومت میں (سولھویں صدی سے) یورپی افراد و اقوام کی انفرادی و اجتماعی آمدورفت کا سراغ ملتا ہے۔ واسکوڈے گاما (۱۴۹۸ء) کی ہندوستان آمد کے بعد یورپ کی اقوام کو ہندوستان اور اس کے آسان بحری راستے سے آگاہی حاصل ہوئی تو پرتگالی قوم سب سے پہلے ہندوستان کی طرف عازم سفر ہوئی۔ پرتگالی قوم اس عہد کے یورپ میں سیاسی و معاشی طور پر اہمیت کی حامل تھی۔ ۱۵۵۰ء میں پرتگالی ہی سب سے پہلا پرنٹنگ پریس ہندوستان لائے۔ اس پرنٹنگ پریس کو ہندوستان کے جنوبی حصے میں ہی نصب کیا گیا کیونکہ اسی حصے میں پرتگالی متمکن ہوئے۔ پہلی ہندوستانی کتاب مالابار کی تامل زبان میں ۱۵۵۷ء میں یہاں شائع ہوئی۔ (۱) سولھویں صدی کے اواخر تک ہندوستان کی مقامی بولیوں اور زبانوں پر پرتگالی زبان اثر انداز ہونا شروع ہوئی۔ حتیٰ کہ دکنی زبان (اردو) میں پرتگالی الفاظ کا خاصا ذخیرہ شامل ہوگیا تھا۔ موجودہ اردو زبان میں پرتگالی الفاظ کا خاصا ذخیرہ شامل ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر رضیہ نور محمد لکھتی ہیں،

> پرتگالی [زبان] کا اثر تمام ہندوستان کی زبانوں پر پڑا۔ خصوصاً جنوبی ہند کی دراوڑی زبانوں اور مرہٹی، بنگالی، آسامی زبانوں پر پرتگالی کے اثرات نہایت گہرے ہوئے۔ اسی طرح اردو بھی پرتگالی سے متاثر ہوئی۔ بہت سے پرتگالی الفاظ آج بھی اردو میں بے تکلف بولے جاتے ہیں اور ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ وہ پرتگالی ہیں۔ (۲)

سترہویں صدی میں دیگر یورپی اقوام جن میں جرمن اور انگریز سرِ فہرست ہیں، ہندوستان میں وارد ہوئے۔ ابتدا اُن اقوام کے پیشِ نظر ہندوستان کی تجارتی منڈیوں پر اپنی مصنوعات کی دھاک بٹھا کر قبضہ کرنا تھا۔ اس عہد تک

دور دور تک ہندوستان پر حکمرانی کا خیال ان کے پیش نظر نہ تھا۔اس عہد میں تجارتی مقاصد اور عوامی سطح پر اپنی بات چیت اور مصنوعات کا تعارف پہنچانے کے لیے مقامی زبان کے استعمال اور تحصیل کی طرف ان کی توجہ مبذول ہوئی۔۱۵۹۹ء میں شاہ برطانیہ نے انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان تجارت کے لیے چارٹر جاری کیا تھا۔جس کے تحت بعد میں انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی بھی میدان میں آگئی تھی۔ ہندوستان کے شہر سورت میں انگریزوں نے پہلی تجارتی فیکٹری لگائی۔(۳)۱۶۱۵ء میں تھامس رو (انگریز) مغل دربار میں حاضر ہوا اور شہنشاہ جہانگیر سے انگلش ایسٹ انڈیا کے لیے تجارتی مراعات کا مطالبہ کیا۔اس دورے سے اس انگریز سفیر نے مقامی دلال کے کردار سے' جو کہ ترجمان کا کام دے رہا تھا اطمینان محسوس نہیں کیا۔اس واقعے سے تھامس رو کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا شائد مقامی افراد و فاداری' خلوص اور سچائی کے ساتھ ان کو خدمات نہ دے سکیں اور یہ بھی کہ ان کی بات کو بادشاہ تک جانے کس انداز میں پیش کریں۔ چنانچہ اس نے مقامی اور سرکاری زبان کی تحصیل کو کمپنی کی تجارت کے مقاصد کے لیے ضروری خیال کیا۔تھامس رو نے ایک اور حقیقت کو بھی بھانپنے میں دیر نہیں لگائی کہ فارسی زبان سے ایسٹ انڈیا کمپنی ترقی کی بجائے تباہی کی طرف جانا شروع کر دے گی۔' چنانچہ اس نے فارسی کے مقابل کسی ایسی زبان کی طرف بھی توجہ دینا شروع کی جو عوامی بول چال کی ضروریات بھی پورا کرنے کی اہل ہو اور مغل سرکاری زبان سے علیحدہ بھی۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر کے مطابق'

''۱۶۱۵ء میں طامس رو جہانگیر کے دربار میں تجارتی مراعات لے کر داخل ہوا تو اسے جو سب سے بڑا عملی مسئلہ درپیش ہوا'اس کے متعلق اس نے کمپنی کو لکھا ایک اور سخت تکلیف مجھے جو سہنی پڑی وہ ترجمان کی کمی تھی۔کیوں کہ دلال وہی کچھ کہیں گے جو انہیں پسند ہوگا، بلکہ وہ بادشاہ کے خطوط میں ترمیم کر دیں گے۔۔۔اس نے فی الفور بھانپ لیا تھا کہ فارسی سے ناواقفیت اس پورے نوآبادیاتی منصوبے کو چوپٹ کر سکتی ہے، جسے ابھی چند تجارتی مراعات کے پردے میں چھپائے رکھنا قرینِ مصلحت سمجھا گیا تھا''۔(۴)

تھامس رو دراصل مقامی دلال کی ترجمانی سے مطمئن نہیں تھا۔اس کے خیال میں دلال مغل حکمرانوں کو وہی بتائیں گے جو ان کو پسند ہوگا۔کہ وہ اتنی دلجمعی اور دلچسپی کے ساتھ مغلوں کے گوش گزار نہ کریں' جو کہ انگریزوں کا منتہا ہوگا چنانچہ اس نے وہ لوگ فارسی زبان کی ترجمانی کے لیے اپنے ساتھ رکھے جو ہندوستانی نہیں تھے۔ان کا تعلق آرمینیا، اٹلی اور یونان سے تھا۔

تا کہ اس کو کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو۔ تھامس رو کے ساتھ ساتھ ایک اور انگریز کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ جہاں گیر، مغل بادشاہ کے عہد میں (۱۶۱۶ء)Tom Coryate نامی ایک انگریز درویش کا پتہ چلتا ہے جو بقول جان فریر(John Fryer) سترہویں صدی میں ایران اور ہندوستان کی سیاحت کے لیے آیا اور مغل بادشاہ کے دربار میں 'مغل انڈوستان' بولتا تھا۔ اس کا ہندوستان میں موجود ہونا اور مقامی زبان بولنا دو طرح سے اہم ہے، ایک تو یہ کہ اس صدی میں انفرادی طور پر بھی یورپی افراد کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی دوسرے یہ کہ مغل دربار میں اردو زبان اپنی جگہ بنا چکی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں گیر بادشاہ کے عہد میں ہندوستانی زبان (اردو) باقاعدہ زبان کے طور پر نہ صرف اپنی جگہ بنا چکی تھی بلکہ یہی وہ زبان ہو گی جس کی اہمیت اور ضرورت کو تھامس رو نے تجارتی مقاصد کے لیے ضروری خیال کیا تھا۔ بقول عتیق صدیقی'

> ''جان فریر(John Fryer) جس نے سترہویں صدی کی تیسری دہائی میں ہندوستان و ایران کی سیاحت کی تھی' ایک انگریز درویش 'Tom Coryate' کا ذکر کرتا ہے جو ۱۶۱۶ء میں ہندوستان میں تھا اور ''انگلش فقیر'' کے لقب سے مشہور تھا۔ اس کو ''انڈوستان زبان'' پر پوری قدرت حاصل تھی۔ جان فریر حیرت و مسرت کے ساتھ لکھتا تھا کہ اس زبان میں مغل اعظم کے حضور میں داد خطابت دیتے ہوئے اسے قطعاً جھجک محسوس نہ ہوئی''۔(۵)

سترہویں صدی عیسوی کے شروع تک شمالی ہندوستان میں ابھی تک اردو نثر کا کوئی بڑا فن پارہ سامنے نہیں آیا تھا' جس سے یہ پتہ چل سکے کہ یہ بول چال کی زبان تحریری طور پر رائج ہو چکی تھی یا نہیں۔ چونکہ ابھی تحریری سطح پر اس نوزائیدہ زبان کو بروئے کار لایا جانا شروع نہیں ہوا تھا اس لیے مقامی طور پر اس زبان کی لغت اور قواعد کی ترتیب و تالیف کی طرف دھیان نہ دیا جانا فطری بات تھی۔ شمال اور جنوب ہر دو خطوں میں بھی ہندوستانی زبان کی طرف افراد نے توجہ نہ کی تھی۔ چنانچہ سولہویں صدی میں یورپی افراد نے اپنے طور پر ہندوستانی لغت و قواعد کی ترتیب و تالیف پر توجہ کی۔ اول اول سیاحت کے لیے آنے والے غیر ملکی مہمانوں نے ہندوستان کے نئے کلچر اور مشرقی علوم و فنون کو جاننے کے لیے مقامی زبانوں کی طرف توجہ کی۔ اس ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ حکمران طبقے اور اشرافیہ سے راہ و رسم بڑھانے کے لیے عربی فارسی اور سنسکرت زبانوں کو سیکھا جانا شروع ہو گیا۔ فارسی سیکھنے کی دوسری وجہ بھی تھی کہ یہ مقامی حکمرانوں کی مذہبی زبانوں کے طور پر بھی ایک اہمیت کی حامل تھیں۔

۱۶۳۰ء میں مسٹر گورج کی فارسی، ہندوستانی، انگریزی اور پرتگالی زبانوں کا لغت لکھا گیا جس کا تذکرہ جارج گریرسن کے ''لسانیاتی جائزہ ہند'' میں موجود ہے لیکن گریرسن اس نسخے کی کوئی کاپی نہ دیکھ سکا۔ چنانچہ یہ اہم لغت جو تاریخ میں حوالے کے طور پر تو موجود ہے۔ لیکن دستیاب نہیں ہے، کسی بھی لغت و قواعد نویسی کی روایت کا پیش رو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سترھویں صدی کے وسط تک لغت و قواعد کی کوششیں شروع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقامی انڈستانی زبان کو سیکھنا تجارتی مقاصد اور مغل دربار میں رسائی کے لیے بھی اہم سمجھا جانا شروع ہو چکا تھا۔ ۲۲ دسمبر ۱۶۷۷ء کو انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز نے مدراس کے سینٹ جارج قلعے کے افسران اور ملازمین کو ایک فرمان جاری کیا جس کو گریرسن کے الفاظ کے ترجمے کے طور پر نقل کیا جاتا ہے؛

> ''اس کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ کمپنی کے جو ملازمین فارسی سیکھیں گے ان کو دس پونڈ اور جو انڈستان زبان سیکھیں گے، ان کو بیس پونڈ بہ طور انعام دیئے جائیں گے۔ نیز یہ کہ اس زبان کی تعلیم دینے والے کسی مناسب آدمی کا تقرر بھی کیا جائے''۔(۶)

۲۔ اردو قواعد و لغت نویسی اور مستشرقین کی ابتدائی کاوشیں

سولھویں صدی سے یورپی ممالک کے پادری حضرات مشنری مقاصد کے تحت تبلیغ کے فریضے کے لیے یہاں آنا شروع ہوئے اور یہاں آ کر مقامی علاقائی بولیوں اور زبانوں کو سیکھنا شروع کیا۔ زبانوں کے سیکھنے کا مقصد اپنے مذاہب کی تبلیغ تھا چنانچہ اس مقصد کے لیے ہندوستان کے جنوبی علاقے خاص طور پر ان پادریوں کی آماجگاہ بنے۔ مقامی زبانوں کو سیکھنے کے بعد ان زبانوں میں انجیل کے تراجم نے ان مقامی زبانوں کی بدیسی افراد کے لیے اہمیت کو دو چند کر دیا۔ انجیل اور بائبل کے تراجم کے لیے عوامی بولیوں کے زیادہ معیاری زبانوں کا استعمال ناگزیر تھا۔ چنانچہ زبانوں کے معیاری روپ اختیار کرنے کے لیے مقامی زبانوں کی قواعد اور لغت کی تلاش شروع ہوئی تو ان افراد کو اس سلسلے میں کوئی لغت و قواعد موجود نہ تھی جسے بطور نمونہ سامنے رکھ کر زبان کی تحصیل کا عمل شروع کیا جا سکے یا کوئی ایسی بہتر کتاب مرتب کی جا سکے۔ چنانچہ اس دور میں آنے والے عیسائی مشنریوں نے سنسکرت، عربی، فارسی اور ہندوستانی زبانوں کی ''لغات اور قواعدی کتب'' کی تربیت و تالیف پر خاص توجہ کی۔ عام طور پر اس دور میں قواعد کے لیے علیحدہ سے کتب نہ لکھی گئیں بلکہ لغات کی کتب کے دیباچے یا مقدمے میں ہی قواعد کے اصول دے دیے جاتے تھے۔

مغل بادشاہ اکبر کے عہد میں ان مشنری مبلغوں نے ہندوستان کی اس عوامی بولی کی طرف توجہ کی جو بڑی

تیزی سے عوام وخواص کے بول چال میں آ رہی تھی اور جسے ابھی کسی ایک متفقہ نام سے نہیں بلکہ مختلف علاقوں کی نسبت سے علاقائی ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ یہ زبان ہندی' ہندوستانی' دہلوی' زبان ہندوستان اور ہندی کے ملتے جلتے ناموں سے بولی اور پہچانی جارہی تھی۔ اس زبان کا چلن جنوبی ہند کے علاقوں میں عام تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دکن کی ریاستوں نے شمالی ہند کے برعکس مقامی ''دکنی زبان'' کو سرکاری زبان کے درجے پر فائز کر رکھا تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ شمالی ہندوستان کے مرکز دہلی کے عوام میں بھی فارسی سے گریز اور اس نئی ہندوی زبان کے بارے میں انتخاب اور اپنائیت کا رویہ مقبول ہو رہا تھا' چنانچہ ان افراد نے آنے والے عہد میں تیزی سے مقبول ہوتی اس زبان کو اپنے تبلیغی مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ عہد اکبری میں ہی ایک ایسے مستشرق کا نام ملا ہے جس نے پہلی مرتبہ ہندوستانی، اردو فارسی لغت مرتب کی تھی۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے بقول'

> ''سولہویں صدی کے مصنفین میں ایک نام جیرونیموزاویر (Jeronemo Xavier) کا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں Companions of Jesus کی تنظیم سے متعلق تھا۔ اور جہانگیر کے دربار میں بھی پیش ہوا تھا۔ اس کا قیام آگرہ میں تھا جہاں وہ سن ۱۵۸۶ء اور سن ۱۶۱۵ء کے درمیان موجود تھا۔ اس نے ہندوستانی فارسی لغت کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔ یہ اُن کتابوں میں شامل ہے جو سن ۱۵۹۹ء سے قبل کی تصنیف ہیں۔ اس کا پورا نام "Vacabularium Portugalico Hindustano Persicum" ہے اور اس اعتبار سے اس کا شمار اردو کی قدیم ترین لغات اور قواعد اردو میں ہوتا ہے''۔ (۷)

اگنا سو آرکا مونے (Ignacio Arcamone) نام کا دوسرا مصنف سترہویں صدی میں سامنے آتا ہے۔ جس نے دکھنی (اردوئے قدیم) اور کونی لغت مرتب کیا تھا۔ اس مصنف نے بھی عیسائیت کے تبلیغی مشن کے مقاصد کے تحت اردوئے قدیم کے لغت پر کام کیا۔ اس لغت میں اس نے اس بات کا اہتمام کیا کہ دکھنی کے ساتھ ساتھ اس کے لاطینی مترادفات بھی ساتھ ساتھ دیئے تا کہ لاطینی زبان جاننے والے ان مترادفات کو بروئے کار لا کر مقامی زبانوں کی تحصیل میں آسانی محسوس کریں۔ اس عہد کے طریقہ کار کے عین مطابق اس نے اس لغت میں قواعد کی بحثیں اور اصول بھی مرتب کر کے پیش کیے۔ بقول ابواللیث صدیقی ''اس کے رسالے میں قواعد بھی ہے اور

لاطینی کون کی لغت کے علاوہ ایک پوری فصل دکھنی اور کون کی بولیوں کی خصوصیات پر لکھی گئی ہے''۔(۸)

۳۔ جون جوشوا کیٹلر (Joan Josua Ketelaar) کی قواعد نویسی

جون جوشوا کیٹلر (۱۷۱۸ء۔۱۶۵۹ء) کا نام اردو قواعد نویسی کی تاریخ میں اہمیت اور اولیت کا حامل ہے۔ انہوں نے "Grammatica Indostanica" کے نام سے ہندوستانی زبان کی پہلی قواعد ولغت کتاب قلمبند کی۔اس کتاب کو اردو قواعد کی پہلی معلوم کتاب کا اعزاز حاصل ہے۔یہ کتاب ۱۶۹۸ء میں جرمن (ڈچ) زبان میں تحریر ہوئی جس کے تین قلمی نسخے یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔کیٹلر جرمن سپیکنگ پولینڈ کے ایک قصبے ایل بنگ (Elbing) میں ۱۶۵۹ء کو پیدا ہوا۔اس کا باپ بہت زیادہ مالدار آدمی نہ تھا اور کتابوں کی جلد بندی سے روزی کماتا تھا چنانچہ اس نے تھوڑا بڑا ہونے پر کیٹلر کو بھی ایک جلد ساز کے پاس ملازمت دلا دی۔کیٹلر وہاں سے کوئی چیز چرانے کے الزام میں معتوب ہوا تو وہ ایک دوسرے قصبے (Danzig) میں ایک دوسرے جلد ساز کے ہاں ملازم ہو گیا۔کچھ عرصے بعد اس نے اپنے مالک کو زہر دے دیا۔خوش قسمتی سے وہ مالک زہر سے جاں بحق نہ ہوا اور بچ گیا، لیکن کیٹلر کے لیے وہاں رہنا ناممکن بنا دیا گیا۔چنانچہ یہاں سے بھی کیٹلر کو فرار کا راستہ لینا پڑا۔جرمنی کے ایک شہر سٹاک ہوم میں ان دنوں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی قافلے یورپی افراد کو معقول معاوضوں پر بھرتی کر کے ہندوستان بھیجتے تھے۔کیٹلر نے روپوشی اور نئے ملک میں قسمت آزمائی کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی ایمسٹرڈیم میں ملازمت اختیار کر لی اور اپنے نام کے ہجے جرمن تلفظ کے تحت بدل کر نئی شناخت سے اپنا کیریئر شروع کیا۔ڈاکٹر غلام عباس گوندل لکھتے ہیں،

> ''۱۶۸۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی [جرمنی] میں شپ مین کے طور پر ملازم ہو گیا۔وہ بٹاویہ (جکارتہ) کے راستے ممبئی کے شمال میں سورت کی بندرگاہ پہنچا۔یہاں وہ کمپنی کلرک ہوا اور بعد ازاں ترقی کر کے ۱۶۸۷ء میں اسسٹنٹ اور اسسٹنٹ سے کھاتہ دار (Book-Keeper) ہوا۔بعد ازاں احمد آباد میں نائب ناظم تجارت اور ۱۷۰۰ء میں آگرہ میں ناظم تجارت مقرر ہوا۔اگلے برس وہ جونیئر مرچنٹ بن گیا۔۱۷۰۵ء میں کافی کی خریداری کی غرض سے یمن کے شہر المخا (Mocha) کا تجارتی سفر کیا۔۔۔ اس نے عرب ممالک کا دوسرا سفر

۱۷۰۷ء میں کیا۔ اس بار وہ تجارتی مشن کا سربراہ تھا''۔(۹)

۱۶۸۳ء کے سال میں یورپ کے شہر میں قیام کرنے کے بعد کیٹلر پر ترقیوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔ ۱۶۹۶ء میں کیٹلر اسسٹنٹ سے ڈپٹی ہیڈ بن گیا اور احمد آباد سکونت اختیار کی۔ ۱۷۰۰ء میں جونیئر مرچنٹ بننے کے بعد ۱۷۰۶ء میں اس نے ملک عرب کا سفر کیا اور ۱۷۰۸ء میں ہندوستان واپسی پر سینئر مرچنٹ کے عہدے پر ترقی حاصل کی۔(۱۰) ۱۷۰۸ء میں کیٹلر بطور سفارت نگار مغل بادشاہ بہادر شاہ کے دربار میں پیش ہوا۔ مغل بادشاہوں کے دربار میں اس کی حاضری کی غائت ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس سفیر کی تھی جو اپنی کمپنی کو بادشاہ کی خوشنودی کے باعث تجارتی رعایات دلانے کے لیے کوششوں کی تھی جن میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہا تھا۔ بادشاہوں کی خوشنودی اور عوامی رابطے کی اہمیت کے پیش نظر اس نے مقامی زبان سیکھنے کا آغاز کیا اور اس زبان کی گریمر مرتب کی جس میں ایک حصہ لغت کا بھی شامل تھا۔ یہ زبان سیکھنا اس کو اس لیے اہم لگا کہ اس کی مدد سے وہ سورت میں مقامی ملازمین اور ہندو و مسلم آڑھتیوں سے گفت وشنید کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ کیٹلر دو مغل بادشاہوں بہادر شاہ اور جہاندار شاہ کے درباروں سے متعلق بھی رہا۔ ایران میں وہ ۱۷۱۵ء میں بطور سفیر گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اسے فارسی اور ہندوستانی دونوں زبانوں میں مہارت تھی اور اس خوبی کی بنیاد پر وہ ایران کا سفارت کار بن کر وہاں گیا۔ ۱۷۱۸ء میں بندر عباس ایران کی بندرگاہ پر فوت ہوا۔

کیٹلر فارسی اور ہندوستانی زبان میں مہارت رکھنے کی وجہ سے ہندوستانی زبان کی گریمر لکھنے کی طرف آمادہ ہوا۔ کیٹلر نے ہندوستانی زبان کی پہلی گریمر مرتب کی۔ اس گریمر کی خاص اہمیت یوں بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ کیٹلر کے سامنے اس سے قبل ہندوستانی گریمر کا کوئی نمونہ نہ تھا۔ اس طرح اس گریمر کی تاریخی اہمیت یعنی کیٹلر اردو زبان کا پہلا قواعد نویس ہے' ہمیشہ رہے گی۔ کیٹلر کی قواعد ڈچ زبان میں لکھی گئی جس کا عنوان یہ ہے'

"Instructie ofte Onderwijsinghe Der Hindoustaanse en Persianse talen naven hare declinate enconjugatie, als mede hollandse maat en gewigten mitsgaders beduigdingh vergeleykinge, der Hindoustanse med de eeniger moorse namen etc. DOOR Joan Josua Ketelaar 1698".(11)

مولوی عبدالحق کی ''قواعدِ اردو'' (۱۹۱۴ء) کے دیباچے سے اردو دنیا کیٹلر کے نام اور قواعدی کتاب سے متعارف ہوئی۔ یہ بات اہم ہے کہ مولوی عبدالحق کی فراہم کردہ معلومات اس وجہ سے تسامحات کا شکار ہوئی کہ ان کی معلومات کا ذریعہ زیادہ تر جارج گریرسن کی کتاب ''لسانیاتی جائزۂ ہند'' (A Linguistic Survey of India) تھی، جن کی معلومات اپنے دور کے حوالے سے تو اہم ہوں گی لیکن آج کی تحقیق نے کتاب کا سن تالیف بدل دیا ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنی قواعد میں لکھا تھا کہ کیٹلر پرشیا کا باشندہ تھا اور اس نے لاطینی زبان میں ہندوستانی زبان کی پہلی گریمر لکھی جس کا زمانہ تالیف ۱۷۱۵ء کے لگ بھگ ہے۔ ایک عرصے تک کیٹلر کی قواعد کی تالیف تاریخ ۱۷۱۵ء ہی صحیح تسلیم کی جاتی رہی۔ لیکن آج کی تحقیق میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کیٹلر کی قواعد ۱۶۹۸ء میں لکھی گئی تھی۔ ایک عرصے تک مشرق کے ساتھ ساتھ مغرب بھی اس قواعد کی موجودگی سے بے خبر رہا۔ یو ٹریچٹ یونی ورسٹی (Utrecht University) میں دینیات (Theology) اور مشرقی زبانوں کے ایک پروفیسر ڈیوڈ میلیس (DaVid Millius) نے ۱۷۴۳ء میں کیٹلر کے اس کتاب کا جرمن سے لاطینی ترجمہ شائع کیا اور اس ترجمے سے مغربی اور مشرقی دنیا کیٹلر کے اس کارنامے سے واقف ہوئی۔ کیٹلر کی گریمر کی اولیت کے بارے میں مولوی عبدالحق لکھتے ہیں؛

''جہاں تک تحقیق کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلا یورپین جس نے ہندوستانی زبان کے قواعد لکھے وہ جان جوشوا کیٹلر تھا۔ جو پرشیا کے شہر ایل بجن میں پیدا ہوا۔ مذہب میں یہ لوتھر کا پیرو تھا۔ یہ شخص شاہ عالم بادشاہ (سنہ

کیطلر کی قواعد

کر یہ کتاب لاطینی زبا

بلکہ ۱۶۹۸ء میں کسی

نے لاطینی ترجمے

کی ہندوستانی قو

rammar.

دی سکول آف

کی قواعد

قواعد کے

کیٹلر کی قواعد ۱۶۹۸ء میں لکھنؤ میں لکھی گئی۔ یہ غلط فہمی بھی اب ختم ہوگئی ہے کہ یہ کتاب لاطینی زبان میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب ڈچ زبان میں لکھی گئی جسے ۱۷۴۳ء میں ڈیوڈ ملیکس نے تلاش کر شائع کیا۔ ڈیوڈ ملیکس نے بعد میں اس کتاب کو ڈچ زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا اور مغرب میں کیٹلر کی اس ہندوستانی قواعد کا تعارف پہنچایا۔ ڈیوڈ ملیکس نے ۱۷۴۳ء میں ایک انتخاب شائع کیا جس کا عنوان "Dissertationes Selectae" تھا۔ (۱۴) اس میں پہلی مرتبہ کیٹلر کی قواعد کو سامنے لایا گیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سلیم الدین قریشی اپنی کتاب ''اٹھارہویں صدی کے اردو مطبوعات میں کیٹلر کی گریمر کا سال ۱۶۸۹ء لکھ گئے ہیں جو مغالطے سے لکھا گیا ہوگا۔ اور اصل میں یہ سن ۱۶۹۸ء ہے۔

مولوی عبدالحق نے گریرسن کی کتاب "A biography of Western Hindi including Hindustani" سے استفادہ کیا تھا یا نہیں اس کی تائید وتردید مشکل ہوگی۔ لیکن یہ بات اہم ہے کہ مولوی عبدالحق کی فراہم کردہ معلومات اور گریرسن کی معلومات میں حیرت انگیز طور پر مماثلتیں موجود ہیں۔ گریرسن کی یہ کتاب ۱۹۰۳ء میں بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی سے چھپ چکی تھی۔ گریرسن کی اس کتاب میں جان جوشوا کیٹلر اور اس کی گریمر کے بارے میں تعارفی نوعیت کا مواد موجود تھا۔ اب یہ کتاب لاطینی میں لکھی گئی تھی یا ڈچ زبان میں' اس بارے میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا اس ضمن میں واضح موقف اپناتے ہوئے لکھتے ہیں'

> ''مولوی [عبدالحق] صاحب اسے [کیٹلر کی گریمر کو] لاطینی زبان میں بتاتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ [بنجمن] شلزے کی قواعد کے حصہ سے قطعی طور پر واضح ہے۔ یہ لاطینی میں نہیں' ڈچ میں تھی۔ یہ درست نہیں کی پٹیوں میں ہندوستانی الفاظ بعینہ لکھے ہیں اور اس کا املا ڈچ زبان کے طریقے پر ہے۔ شلزے نے اس کا شکوہ کیا ہے کہ کاش فاضل مؤلف ان کا املا فارسی رسم الخط میں بھی لکھ دیتا تاکہ تلفظ کے بہت سے مقامات واضح ہوجاتے''۔ (۱۵)

کیٹلر پر وونگل کے مضمون کے نصف صدی بعد ۱۹۸۷ء میں ڈاکٹر تیج کرشنا بھاٹیا کی کتاب بعنوان A History of Hindi Grammatical Tradition, Hindi Hindustani Grammars, Grammarians, History and Problems. شائع ہوئی اس کے ابتدائی

صفحات میں ہندی/ ہندوستانی زبان کی روایت کے تفصیلی تحقیقی ابواب شامل ہیں۔ان میں ہندوستانی زبان کی گریمر کی روایت کو کیٹلر سے جان گل کرسٹ تک کے عہد تک کی روایت کو شامل کیا گیا ہے۔تیج کے بھاٹیا نے کیٹلر کی گریمر کو اردو کی بجائے ہندی کی گریمر تسلیم کیا ہے اور اس کتاب ہندوستانی یا ہندی زبان کی گریمر کی بنیادوں میں شمار کیا ہے۔تیج کرشنا بھاٹیا نے اپنی کتاب میں کیٹلر کے بات میں اہم معلومات اکٹھی کی ہیں اور لکھا ہے کہ ان کی تحقیق کے مطابق کیٹلر کی قواعد ۱۶۹۸ء میں لکھی گئی۔یہ بات اہمیت کی حامل ہے لیکن نئی بات نہیں۔

۲۰۱۲ء میں UTRECHT University کی ویب سائٹ پر Anna Pytlowany نامی ایک اسکالر خاتون کا ایک مضمون سامنے آیا جس میں اس نے دعویٰ کیا کہ کیٹلر کے قواعد کے واحد نسخے کی موجودگی کی بات حتمی نہیں ہے۔واضح رہے کہ پہلے کے مذکورہ تمام محققین میں نسخے کی تکمیل کے سنین میں تو اختلاف تھا لیکن اس طرف کسی نے توجہ نہیں کی تھی کہ کیٹلر کی قواعد کے اور نسخے بھی موجود تھے۔ان کے مطابق واحد قلمی نسخہ رائل آرکائیوز ہیگ جرمنی میں موجود ہے۔لیکن Anna Pytlowany نے اپنے مضمون "The Earliest Hindustani Grammar" میں دعویٰ کیا ہے کہ اس قواعد کے تین مخطوطے موجود ہیں۔اس طرح دو نئے مخطوطوں کی دریافت سے کیٹلر پر ہونے والی تحقیق میں نئی جہات سامنے آئیں گی۔(۱۶)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی پچھلے برس (۲۰۱۲ء) شائع ہونے والی کتاب ''تپشِ نامۂ تمنا'' (مضامین کا مجموعہ) میں کیٹلر کی قواعد پر ایک اہم اور معلومات افزا مضمون بعنوان: ''عہد اورنگ زیب کی نثر کے تین نمونے اور ہندوستانی یعنی اردو زبان کی پہلی گرامر'' شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے کیٹلر کی ہندوستانی گریمر کو اردو گریمر سے موسوم کیا ہے۔انکے اس گریمر کو ہندی کی بجائے اردو گریمر کہنے سے تیج کرشنا بھاٹیا کی اس گریمر کو محض ہندی گریمر کی بنیاد قرار دینے کے دعوے کا تجزیہ کیا جانا ضروری ہے۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں؛

> ''(اس) گرامر کا مصنف (Joan Josua Ketelaar) سترہویں صدی کے آخری برسوں میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا سفارتکار تھا جو سورت سے دہلی اور لکھنؤ تک سفر کیا کرتا تھا۔گویا اس زمانے میں ان سب علاقوں میں ہندوستانی زبان (یعنی اردو بطور لنگوا فرینکا رائج ہو چکی تھی) جیسے کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔یہ گرامر یورپی سفارت کاروں اور ڈچ حکام کو ہندوستانی زبان سکھانے کے لیے لکھی گئی تھی۔ Moorish سے مراد ہندوستانی نام ہیں۔

> ہندوستانی کے ساتھ جس طرح فارسی گرامر کا جزو بھی درج کیا گیا ہے' اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کیٹلر جس کو ہندوستان کی گرامر کہہ رہا ہے وہ دراصل اردو زبان کی گرامر ہے' جو یورپی لوگوں کے روزمرہ اور استعمال عام کی زبان سکھانے کے لیے تیار کی گئی تھی''۔ (۱۷)

گوپی چند نارنگ کا یہ مضمون بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مذکورہ بالا پیراگراف کافی جہات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس دور میں جان جوشوا کیٹلر سورت سے دہلی لکھنؤ کی طرف آیا تو اس کے پیش نظر تجارتی کمپنی کے مفادات کے لیے مغل دربار سے مراعات کا حصول اہم مقصد تھا۔ اس سفر نے کیٹلر کو ہندوستانی زبان کی اہمیت اور بطور رابطے کی زبان کے میڈیم کے طور پر سمجھنے میں مدد دی۔ چنانچہ لکھنؤ میں ۱۶۹۸ء سے قبل ہندوستانی زبان کی گریمر لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ ان علاقوں کے لوگوں کے اندر رہ کر زبان کا معیاری وعوامی نمونہ دیکھنا اور اس کو اپنی کتاب میں پیش کرنا۔ اس مقصد کے لیے غیر ملکی افراد کو گریمر اور لغت ہر دو کتابوں کی ضرورت پیش آئی۔ مقامی آبادی کو اس زبان کے سیکھنے کے لیے چوں کہ کوئی دقت پیش نہ تھی چنانچہ اردو زبان کی گریمر اور لغت لکھنے کی طرف مقامی افراد کا رجحان نہ ہوا۔ اس لیے کیٹلر کو ''ہندوستانی گریمر'' کی ضرورت واہمیت کا احساس زیادہ شدت سے ہوا۔

کیٹلر کی یہ گریمر ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر تیج کرشنا بھاٹیا اور ان کے جاپانی رفیق کارکازوہی کو مچیدا (Kazuhiko Machida) نے تین جلدوں میں شائع کی ہے۔ اس گریمر کی حالیہ اشاعت میں ڈاکٹر تیج کرشنا بھاٹیا نے ہندی کی بجائے (کیٹلر کی) ہندوستانی گریمر کو اردو گریمر تسلیم کر کے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر تیج کرشنا بھاٹیا اپنی پہلی کتاب "A History of Hindi Grammatical Tradition" میں اس گریمر کو ہندی گریمر لکھتے آئے تھے۔ لیکن اس کتاب کی اشاعت میں جس کا عنوان "The Oldest Grammar of Hindustani" رکھا گیا ہے۔ اس میں انھوں نے اس کو اردو گریمر لکھا ہے جو ان کی وسیع ظرفی کی دلیل ہے۔

ہندوستانی گریمر کے بارے میں عام تاثر یہی لیا جاتا ہے کہ یہ گریمر کی کتاب ہے۔ لیکن اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں ایک بڑا حصہ لغت کا ہے جو اس کی اہمیت بڑھا دیتا ہے۔ اس کتاب کو صرف گریمر نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ لغت کی روایت کا حصہ بھی بنتی ہے۔ یہ طریقہ کار اس دور کی روایت کے عین مطابق ہے' جس کے تحت لغت کے دیباچے یا مقدمے میں قواعد کے اصول شامل کر دیے جاتے اور اگر گریمر کی کتاب ہوتی تو اسی میں کچھ حصہ لغت کے طور پر شامل کر دیا جاتا تھا۔ کیٹلر کی گریمر بھی لغت کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کی طرف ایک اہم قدم

تھا۔ڈاکٹر معین الدین عقیل اپنے ایک مضمون میں اس بارے میں لکھتے ہیں'

> ''اپنی نوعیت اور اس میں شامل الفاظ کی فہرست کے اعتبار سے یہ قواعد ایک لغت بھی کہی جاسکتی ہے۔لیکن یہ چاہے ایک لغت کہی جائے یا ایک قواعد'اس نے بہر حال مقامی زبانوں کی ایک روایت کا آغاز ضرور کیا، جو اگر چہ کسی علمی یا درسی مقصد سے وجود میں نہیں آئی لیکن اس نے مقامی زبانوں کے قواعد نویسی کی اور اس وقت کی ایک عام اور مروج صورت کو پیش کیا اس نے ہندوستانی قواعد نویسی کے مؤرخین کے لیے ایک ابتدائی نمونہ ضرور فراہم کر دیا، جسے تاریخ میں ایک اہم اور بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔یہ اس زمانے میں واقعتاً بڑا کام تھا جس نے اردو کے ابتدائی ذخیرۂ الفاظ کو مرتب شکل میں یکجا کر دیا ہے۔(۱۸)

یہ کتاب ترپن ابواب پر مشتمل ہے۔ان ابواب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ کیٹلر نے اس کتاب کو مقامی زبان و معاشرت سے متعلق ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا ہے جو اس کو سورت میں موجود کمپنی کی تجارتی فیکٹری کی انتظامی ضروریات' سفارتکاری کے جملہ امور'اور تجارتی مراسلت کے لیے پیش آتے تھے۔موضوعاتی سطح پر اس کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ شروع کے پچاس اندراجات ذخیرۂ الفاظ اور لغت کے حصے کے طور پر شامل نہیں۔یہ صفحات لغت کا ابتدائی سا تصور تو پیش کرتے ہیں لیکن ان کو آج کی لغت کے معیارات پر پرکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی معیاری لغت کے نمونے کے طور پر سامنے نہیں رکھے جاسکتے۔لغت کے اس حصے میں دکھائی یہ دیتا ہے کہ کیٹلر صرف ذخیرہ الفاظ کی فہرست دیے جانے تک ہی محدود رہا۔اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لغت کی تیاری یا نمونہ اس کا منصوبہ بھی نہیں تھا۔کتاب میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد'ان کے عہدوں'ضرورت کی بول چال کے جملوں'مقامی اشیاء کے نام'اور زبان سے متعلق ان ضروری چیزوں کا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔جس کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو ضرورت تھی یا پیش آسکتی تھی۔کیٹلر کی گریمر کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ کیٹلر کو مقامی افراد سے بات چیت' ملازموں سے کام لینے کے لیے مقامی زبان کی تحصیل کی ضرورت پیش آئی تھی اور دوسری جگہ اس کو یہ بات بھی اہم لگی تھی کہ سرکار دربار میں بھی اس زبان کا چلن ہے اس لیے بجائے فارسی زبان میں گریمر مرتب کرنے کے' کیٹلر نے عوامی رابطے کی زبان کو منتخب کیا اور اس طرح اردو کی پہلی گریمر کا تاج ان کے سر پر سجایا گیا۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں،

''قواعد میں بطور مثال ایسے الفاظ اور جملے بھی بکثرت ہیں جو عبادات اور ان کے ادا کرنے سے متعلق ہیں یا پھر آقا اور محکوم یا نوکر اور مالک کے درمیان بات چیت کے موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس قواعد کے متن اور الفاظ اور جملوں سے اس کے لکھنے کا مقصد اس طور پر نمایاں ہوتا ہے کہ جیسے کیٹلر نے ہندوستانی معاشرت اور زندگی کی بیشتر سطحوں پر تو یہ حاصل کیا تھا اور متعدد زبانوں سے بھی واقفیت حاصل کر لی تھی اس لیے اس کی قواعد اور اس میں شامل الفاظ کی فہرست میں ''لنگوا فرینکا'' ہندوستانی کے الفاظ کے ساتھ ساتھ فارسی' عربی' پنجابی اور گجراتی کے الفاظ بھی ملتے ہیں اور یہ اپنی سطح کے مطابق نچلی بازاری زبان کی نمائندگی بھی کرتے ہیں اور فصیح و بلیغ معرب و مفرس ہندوستانی کا آمیزہ بھی ہیں''۔ (۱۹)

۴۔ بنجمن شلز (Benjamin Schultze 1689-1760) کی قواعد نویسی

یورپی اقوام کا تجارت کے مقاصد کے تحت ہندوستان کا رخ کرنا' واحد زاویہ نہ تھا بلکہ اس کے علاوہ بھی کچھ محرکات موجود تھے جن کی وجہ سے ان اقوام کو ہندوستان کے سفر اور یہاں سکونت میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں عیسائی مشن کی تبلیغ کا کام ہندوستان میں یورپی پادریوں کی دلچسپی کا محرک بنا۔ اس سلسلے میں جرمن' ڈنمارک اور انگلستان کے افراد کی کاوشوں کا ذکر تاریخ میں زیادہ ملتا ہے۔ شاہ فریڈرک چہارم نے ہندوستان کے علاقے ٹرانکوبار میں تبلیغ مشن کے لیے خطیر فنڈز مختص کر دیے تھے۔ یہ علاقہ جنوبی ہند میں مدراس سے ۱۵۰ کلومیٹر دور تھا۔ ٹرانکوبار کے علاقے میں چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنیوں کے نمائندوں کی ایک بڑی تعداد موجود رہتی تھی' چنانچہ یہاں پر آ کر سکونت اور اپنے مشن کی انجام وہی کے لیے پادریوں کو تحفظ کا احساس بھی رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جرمن باشندوں کے لیے ٹرانکوبار کا علاقہ خاصہ اہم بن گیا۔ جولائی ۱۷۰۶ء میں اسی مشنری جذبے کے تحت زیگن بالگ (Bartholomous Zeigenbalg) اور Herry Pluestschau نامی مشنری ٹرانکوبار کے علاقے میں عیسائی مشن کی تبلیغ مقصد کے لئے آئے۔ زیگن بالگ کا نام عیسائی مشن کی تاریخ اور روایت میں خاص

اہمیت کا حامل ہے۔اس کے مشن کی قیادت عیسائیت کی تبلیغ کا نئے دور کا آغاز ہوا۔زیگن بالگ کو اس دور کا ایک اہم عہدہ Provost دیا گیا۔وہ ایک نوجوان عیسائی مبلغ تھا لیکن بدقسمتی سے وہ جوانی کے عالم میں ایک جان لیوا بیماری سے فروری ۱۹ ۱۷ء میں اس وقت فوت ہو گیا جب وہ ابھی ۳۶ سال کا جوان تھا۔اس کے بعد مشن کی قیادت J. E. Gruendler نے سنبھالی۔وہ بھی مارچ ۲۰ ۱۷ء میں فوت ہو گیا۔

اسی زمانے میں Benjamin Schultze نام کا عیسائی مشنری ٹرانکوبار پہنچ چکا تھا۔۱۹ ۱۷ء میں شلز جرمن شہر ہالے "Halle" کے ڈینش مشن کے تحت جنوبی ہندوستان آیا۔اور ۲۰ ۱۷ء میں ٹرانکوبار مشن کی قیادت سنبھال لی۔شلز نے ہندوستانی زبان کی قواعد کے سلسلے میں ایک کتاب "Grammatica Hindustanica" ۱۷۴۱ء میں مرتب کی جو بعد از اں ۴۵ ۱۷ء میں ''ہالے'' جرمنی سے شائع ہوئی۔(۲۰) بنجمن شلز' جرمنی کے شہر Brardenberg میں پیدا ہوا (جس کا موجودہ نام Sonnenburg ہے)۔''ہالے'' شہر کی ایک یونیورسٹی سے اس نے دینیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور دو ساتھیوں کے ساتھ ٹرانکوبار سکونت اختیار کی۔جب وہ ٹرانکوبار میں داخل ہوا تو اس وقت زیگن بالگ کی وفات کو سات ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔بنجمن شلز جلد ہی ٹرانکوبار تبلیغی مشن میں مرکزی اور قائدانہ حیثیت اختیار کر گیا۔اس دور میں وہاں پر موجود جرمن مقتدر افراد اور ساتھی مزدوروں میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے اور ماحول میں ایک تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔اس نے کچھ عرصہ یہاں گزارا لیکن جلد ہی وہ اس حقیقت کو بھانپ گیا کہ ٹرانکوبار میں تصنیف و تالیف کے منصوبوں کو جاری رکھنا مشکل ہو گا۔چنانچہ ۲۶ ۱۷ء میں شلز نے مدراس ہجرت کی اور انگلینڈ کی ایک سوسائٹی 'سوسائٹی فار پروموٹنگ کرسچین نالج' (SPCK) کے ساتھ معاہدے کے تحت مدارس میں عیسائی مشن میں شمولیت اختیار کر لی۔(۲۱) یہ سوسائٹی مدراس میں عیسائی مشن کی تعلیمات کے فروغ اور ترقی کے لیے سرگرم تھی۔اس سوسائٹی نے شلز کے کام کی حوصلہ افزائی اور معقول مشاہرے پر اس کی خدمات حاصل کر لیں۔بنجمن شلز نے تصنیف و تالیف کے لیے اپنے کام کا آغاز بائبل کے مقامی زبانوں میں تراجم سے کیا۔شلز کے ہندی زبان میں بائبل کے ترجمے کی اہمیت یہ ہے کہ یہ کسی مقامی زبان میں اپنی نوعیت کا پہلا ترجمہ ہے۔Gerald H. Anderson کے بقول:

"The first translation of Part of the Bible in Hindi, Genesis was made in manuscript by Bengamin Schultze (1689-1760), a German

Missionary who arrived in India in 1719 and relocated to Madras established an English mission in 1726 and worked on completing Bartholomous Zeigenbalg's Bible Translations into Tamil and then Bible translations in Telugu".(22)

ہندوستانی زبانوں میں بائبل کے تراجم سے مقامی زبانوں کی تحصیل کی طرف یورپی افراد کی دلچسپی کا یہ رجحان مقامی زبانوں کی ترویج وفروغ کا باعث بنا۔ ان افراد کے پیش نظر یہ زاویہ موجود تھا کہ عیسائیت کی تبلیغ کو پر اثر بنانے کے لیے مذہبی لٹریچر کو مقامی زبانوں میں ڈھالنا زیادہ سود مند ثابت ہوسکتا تھا۔ شلز کے ترجمہ کاری کے منصوبہ کو جنوبی ہند کی تاریخ میں اہم مقام ومرتبہ حاصل ہوا۔ فرگوسن نے اپنی ڈکشنری (A short dictionary of English and Hindoostan) کے ابتدایئے میں شلز کے اس کام کی اہمیت کا ذکر کیا تھا کہ اس کی بائبل ٹرانسلیشن ہندی زبان میں پہلی ٹرانسلیشن کے طور پر لکھی گئی۔ مدراس میں قیام کے طویل دورانیے میں شلز نے زیگن بالگ کے ادھورے منصوبوں کی تکمیل کا ذمہ بھی اپنے سر لے لیا تھا۔ تیلگو زبان میں ترجمہ کرنا اسی اشاعتی منصوبے کا حصہ تھا۔ ۱۷۲۶ء میں شلز نے زیگن بالگ کی تیار کردہ ''عہد نامۂ جدید'' کا تامل زبان میں ترجمہ کر کے اس منصوبے کو مکمل کیا۔ سلیم الدین قریشی لکھتے ہیں؛

''[شلز نے] زیگن بالگ کے کام کو جاری رکھتے ہوئے سب سے پہلے اس کے تیار کردہ نئے عہد نامے کے تامل ترجمے کو مکمل کر کے ۱۷۲۶ء میں ٹرانکو بار سے شائع کیا۔ شلز نے اس کے بعد ۱۷۲۷ء میں عہد نامہ جدید اور ۱۷۳۲ء میں عہد نامہ قدیم کا تیلگو زبان میں ترجمہ مکمل کرنے کے علاوہ عیسائی مذہب کی مشہور دعا لارڈز پریر (Lords Prayer) کا گجراتی زبان میں ترجمہ کیا، لیکن بعض وجوہ کی بنیاد پر یہ تینوں کتابیں شائع نہ ہوسکیں''۔ (۲۳)

ان کتب کی شائع نہ ہونے کی وجوہات یہ تھیں کہ ان کے تراجم پر دوسرے پادریوں کو کچھ تحفظات تھے جن

کی وجہ سے یہ تراجم نزاعی مباحث کی زد میں آ گئے اور شائع نہ ہو سکے۔ تامل، تیلگو اور گجراتی زبان کے تراجم سے شلز نے جنوبی ہند کی مقامی زبانوں میں البتہ کافی دستگاہ حاصل کر لی تھی۔ ۱۷۲۸ء میں شلز نے تیلگو زبان کی گریمر مرتب کی جو اس عہد میں تو نہ چھپ سکی اور دنیا کی نظروں سے اوجھل رہی لیکن ۱۹۸۴ء میں اس کی اشاعت سے شلز کے اس کام کا یورپی دنیا کو علم ہوا۔ یہ کتاب ۱۹۸۴ء میں ہالے جرمنی سے شائع ہوئی۔ شلز کی ایک اہمیت اور بھی ہے کہ مدراس میں عیسائیوں کا تبلیغی مشن شلز نے ہی شروع کیا تھا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں؛

> ''شلزے کے متعلق ہماری اطلاعات کا واحد ماخذ خود یہ کتاب (ہندوستانی گرائمر) ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدراس میں عیسائیوں کا پہلا تبلیغی مشن شلزے نے ہی شروع کیا۔۔۔ مسٹر زیگن بالگ نے ٹرانکوبار کے قیام کے دوران بائبل کا مکمل ملاباری ترجمہ شروع کیا تھا، جسے سنہ ۱۷۲۵ء میں شلزے نے ہی تمام کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسٹر شلزے کو برصغیر کی زبانوں سے دلچسپی تھی۔۔۔ ملاباری میں انجیل کے ترجمے کی تکمیل کے علاوہ تیلگو سے بھی واقفیت بہم پہنچائی اور ۱۷۲۹ء میں اس کے مبادیات پر ایک رسالہ لکھا اور اس کے بعد ہی وہ ہندوستانی قواعد کی تالیف کی طرف متوجہ ہوئے''۔ (۲۴)

مذکورہ بالا اقتباس اور تفصیلات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ شلز نے جنوبی ہندوستان کی مقامی زبانوں کی تحصیل کی طرف دلچسپی کے ساتھ توجہ کی تھی۔ تیلگو، ملاباری اور دکنی (اردو) زبانوں کو سیکھنا اور ان میں بائبل کے تراجم اور قواعد کی کتب مرتب کرنا اس کی مقامی زبانوں کی تحصیل کا واضح ثبوت ہے۔ نیز ان زبانوں کے سیکھنے کے بعد ان میں قواعد کی کتب لکھنا دراصل زبان سیکھنے کی ضروریات کے لیے مواد فراہم کرنا تھا جو کہ یورپی افراد کی ضرورت تھیں۔

شلز کو مقامی زبانیں سیکھنے کے لیے مشکلات کا سامنا رہا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شلز کا پہلا استاد تامل زبان بولنے والا تھا جو کہ تامل زبان بھی پوری طرح نہ جانتا تھا۔ (۲۵) اب اگر شلز اسی معلم کا دست نگر رہتا تو زبانوں کی تحصیل میں سقم رہ جاتا چنانچہ اس معلم سے چھٹکارا حاصل کر لینے کے بعد شلز ہندوستانی گریمر کی تالیف کی طرف متوجہ ہوا۔ اردو دنیا میں شلز کا اہم کام 'ہندوستانی زبان کی قواعد' کی کتاب تالیف ہے۔ ہندوستانی گریمر کے علاوہ بھی اس نے مقامی زبانوں کے سلسلے میں تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا جس پر نظر ڈالتے ہیں۔ عیسائیت کی تبلیغ کے مشن

کے مقاصد کے لیے شلز کی پہلی کتاب 1743ء میں سامنے آئی جس کا عنوان یوں ہے۔ اللہ کھی سودس فرمودی اچّ۔

Sammuala Doctorinae christianae in lingvam Indoinstanicam. Translata a viro plur Reverendo Bengj. Schulzio, evengalico in India Missionario. Eidit D. Jo Henry Callenberg. Halae in Tupographia Institu Judaci, 1743

تبلیغی مشن کے سلسلے میں دوسری ٹرانسلیشن کا عنوان یوں ہے۔

اللہ کے لائق ہے سوایمان کی تعلیم کی کتاب اچّ۔

Translata a viro Plur- Reverendo Benj. Schulzio, Evangelico in India Missionario, Edidit D. JO Henry Callenberg. Halae in Typographia Instituti Judaici 1744.(26)

''ہندوستانی گریمر'' کا مسودہ شلز نے ۱۷۴۱ء میں تیار کر لیا تھا۔ اس کا ثبوت شلز کی ''گریمیکا ہندوستانیکا'' ‘Grammatica Hindustanica کا مقدمہ ہے جس پر ۳۰ جون ۱۷۴۱ء کی تحریر کردہ تاریخ موجود ہے۔ اردو قواعد کی ایک اہم کتاب ہے۔ یہ کتاب ۱۷۴۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب اشاعت سے اردو قواعد کی تاریخ میں شلز کا نام خاص اہمیت کا حامل بن گیا۔ یہ کتاب گو فوری طور پر چھپ نہیں سکی لیکن اس عہد تک اردو قواعد کی تاریخ میں کیٹلر کی گریمر کے سوا کوئی بڑا نام اور کام سامنے نہیں آ سکا۔ کیٹلر کی گریمر یورپ میں کافی عرصہ معروف نہ ہو سکی۔ وجہ یہ تھی کہ ابھی تک ان کتب کو یورپ کی دوسری قابل ذکر زبانوں میں ترجمہ نہیں کیا گیا تھا، اس لیے یورپ ان کتب سے ابھی متعارف بھی نہیں تھا۔ بنجمن شلز کے لیے اس عہد میں مدراس میں حالات سازگار نہیں رہے تھے۔ مدراس میں اپنے ساتھیوں سے چپقلش کے نتیجے میں شلز نے واپسی کا فیصلہ کیا اور ۱۷۴۳ء میں Halle (جرمنی) واپس لوٹ گیا۔ ہالے پہنچنے پر اس نے ہندوستان میں اپنے طویل قیام کے دوران مکمل کیے گئے اشاعتی منصوبوں کو منتخب کیا اور ان کی نشر و اشاعت کا کام تیزی سے شروع کر دیا۔ ۱۷۴۴ء میں اس نے زیگن بالگ کے بائبل کے نامکمل ترجمے کو مکمل کر کے شائع کیا۔ یہ کتاب اس سے قبل (۱۷۲۸ء) میں نامکمل چھپی تھی۔ Genesis کے حصوں کا دکنی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ Genesis کے کچھ حصے ترجمہ کر کے ۱۷۴۵ء میں عربی خط میں ہالے سے شائع کیے۔ شلز کے اشاعتی منصوبوں کے بارے میں Gerald H. Anderson لکھتے ہیں،

"He was responsible for translating part of Genesis in to a southern form of Hindustani, called Dakhini, printed at Halle in Arabic characters in 1745, followed by Psalms, Gospels and Episties. He also compiled a grammar of the Telugu Language (1728, not printed until 1984 at Halle). As well as a grammar of Hindustani (first printed at Halle in 1745 and reprinted in 1964)".(27)

شلز کی Grammatica Hindustanica ' اردو گریمر کی روایت میں دوسرا بڑا اضافہ بن کر سامنے آئی۔ یہ کتاب اصلاً لاطینی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کی تصنیف ۱۷۴۱ء میں عمل میں آئی البتہ اس کی اشاعت کے سن میں اردو کے محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں بھی گریرسن کا ''لسانیاتی جائزہ ہند'' اولین معلومات کا ذریعہ بنا۔ اس کے بعد مولوی عبدالحق کی کتاب ''قواعدِ اردو'' کے دیباچے میں شلز کی گریمر کا سن ۱۷۴۴ء لکھا گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عتیق صدیقی کی کتاب ''گل کرسٹ اور اس کا عہد'' میں یہ معلومات ملتی ہیں کہ یہ کتاب ۱۷۴۵ء میں شائع ہوئی۔ عتیق صدیقی اور رضیہ نور محمد کو کتاب کے عنوان میں باقی احباب سے اختلاف ہے۔ ان دونوں نے کتاب کا عنوان (ترجمہ Grammatica Industanica) لکھا ہے جبکہ بعض کے ہاں Hindustanica کا لفظ ملتا ہے۔ عتیق صدیقی لکھتے ہیں'

''کیٹلر کے بعد دوسرا یورپین جس نے ہندوستانی زبان کے قواعد مرتب کرنے کی کوشش کی وہ مشہور عیسائی مبلغ 'بن جے من شولز تھا۔ اس نے گرامے ٹی کا ان ڈوس تانی کا (Grammatica Industanica) کے نام سے لاطینی زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جو ۱۷۴۵ء میں شائع ہوا۔۔۔ شولز کی تالیف کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اس میں ''ہندوستانی الفاظ فارسی عربی رسم خط'' میں

بھی لکھے گئے تھے اور" دیوناگری رسم الخط کی وضاحت" بھی کی گئی تھی"۔(۲۸)

شلز کی گریمر کو ۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر ابولیث صدیقی نے ترجمہ کیا اور معلوماتی مقدمے سمیت شائع کر دیا، جس سے گو شلز کے اپنے حالات زندگی اور شخصیت پر تو زیادہ مواد موجود نہیں ہو سکا لیکن کتاب کو سمجھنے اور شلز کے عہد کی قواعدی ضروریات کو سامنے رکھنے کے لیے ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ ابواللیث صدیقی نے شلز کو" شلزے" کے نام سے متعارف کرایا۔ ان کے مطابق یہ کتاب" گرے مے تکا ہندوستانی کا" ۱۷۴۱ء میں قلمبند کی گئی تھی۔ یہ تاریخ کتاب کے دیباچے میں شلز کی اپنی تحریر کردہ ہے۔ جبکہ یہ کتاب شلز کے جرمنی واپس جانے کے بعد شائع ہوئی۔ اس کی اشاعت کا سال ۱۷۴۵ء ہے۔ البتہ ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد کا خیال مختلف ہے۔ ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

"مولوی [عبدالحق] صاحب نے کیٹلر کی قواعد کے بعد شلزے کی قواعد کا ذکر کیا ہے جو ان کے بقول سنہ ۱۷۴۴ء میں شائع ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ۳۰ جون ۱۷۴۱ء کو مدراس میں مکمل ہوئی اور سنہ ۱۷۴۵ء میں [ہالے] سکسینی سے شائع ہوئی"۔(۲۹)

شلز نے جنوبی ہندوستان کی مقامی زبانوں مثلاً تیلگو، ملیالم کے ساتھ ساتھ دکنی اور ہندوستانی زبانوں میں بڑی حد تک استعداد حاصل کر لی تھی۔ ہندوستانی زبان کی اس عہد میں یہ اہمیت واضح ہونا شروع ہو گئی تھی کہ باقی جنوبی خطے کی زبانوں سے قطع نظر، ہندوستانی زبان میں رابطے کی زبان "Lingua Franka" بننے کی صلاحیت بخوبی موجود تھی۔ چنانچہ شلز ہندوستانی زبان کی قواعد لکھنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس زبان کا سفارتی پہلو بھی اس کے پیش نظر تھا کہ یہ زبان مغل دربار میں رسائی پا چکی تھی۔ کیونکہ اس سے قبل جون جوشوا کیٹلر بھی اسی زبان میں قواعد کی کتاب مرتب کر چکا تھا، جو اس وقت تک کے مغربی افراد کی رہنمائی کے لیے موجود تھی لیکن ناکافی تھی۔(اردو) ہندوستانی زبان کی طرف شلز کا رجحان ابولیث صدیقی کے ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔

"اس ہندوستانی زبان کے قواعد لکھنے کے محرکات کا ذکر کرتے ہوئے شلزے نے ۱۷۴۱ء میں اس زبان کی حیثیت اور اہمیت کا اظہار کیا ہے کہ مغل اعظم کی وسیع

سلطنت میں یہ عام اور مشترک زبان کی حیثیت سے ہر جگہ عام ہے۔ برصغیر کی اکثریت غیر عیسائی آبادی پر مشتمل تھی اور شلزے کے عقیدے کے مطابق ان کی روحانی نجات کا واحد ذریعہ عیسائیت کی تعلیم تھی' اس لیے اس ہمہ گیر زبان کو ہی تبلیغ و اشاعت مذہب کا ذریعہ بنانا چاہئے۔۔۔ مختلف عیسائی مشنریوں نے سترہویں صدی عیسوی سے ہی اس زبان کی تحصیل اس مقصد کے لیے شروع کر دی تھی۔ شلزے اپنا مقصد یہ بتاتا تھا کہ وہ اس زبان کو مشنری مبلغین کے لیے سہل الحصول بنانے کے لیے اس کی قواعد مرتب کر رہا تھا''۔(۳۰)

شلز کی ''ہندوستانی گرائمر'' سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف/مولف ہندوستانی زبان کا عالم تھا۔ اس کی گریمر چونکہ نقش ثانی تھی اور کیٹلر کا نقش اول وہ دیکھ چکا تھا اس لیے بھی اس کی گریمر میں غلطیاں کم ہونے کے امکانات تھے۔ اس گریمر کو اس نے مختصر کر کے لکھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کوئی بندہ اس اختصار سے کسی الجھاؤ کا شکار بھی ہو جائے' تب بھی یہ زبان اتنی مشکل نہیں ہے۔ تھوڑی سی محنت کر کے یہ بولنے والے کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ زبان کی چھوٹی موٹی غلطیوں اور تبدیلیوں کا امتیاز کر سکے۔ ڈاکٹر رضیہ نور محمد لکھتی ہیں،

''اس میں [ہندوستانی گریمر] مطالع کو عربی قواعد کی روشنی میں نہیں پیش کیا گیا بلکہ غیر ملکیوں کی ضروریات کے پیش نظر حروف تہجی کے بیان کے بعد ابتدائی مشقیں درج ہیں، جن سے روزمرہ کی بول چال کے جملے ذہن نشین کرائے گئے ہیں۔ دوسرے حصے میں اسم صفت' موصوف اور ان کے محل استعمال کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس حصے میں ایک سے سو تک کی گنتی' چیدہ چیدہ الفاظ کی فہرست اور بعض دوسری ہدایات درج ہیں''۔(۳۱)

شلز کی گریمر کل چھ ابواب میں منقسم ہے۔ قواعد کا یہ ماڈل کسی نئی منہاج کی نشان دہی نہیں کرتا بلکہ یہ لاطینی زبان کی قواعد کے ماڈل کے مطابق کی گئی تقسیم ہے۔ پہلا باب حروف تہجی کے مباحث پر ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے شلز نے دیوناگری حروف تہجی کا چارٹ دیا ہے۔ ان حروف کی صوتی علامتوں کو رومن تلفظ سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حروف تہجی کے اس سیکشن میں ہجا' حرف علت اور حرف سے متعلق مباحث کا ذکر ملتا ہے جو خاصا

معلوماتی ہے۔ اس حصے میں بنگلہ زبان اور گورمکھی رسم الخط کے بارے میں بھی معلومات دی گئی ہے جو مصنف کی کثیر جہتی کی طرف اشارہ ہے۔ مزید یہ کہ ہندوستانی تاجروں کی مخصوص بولی' کوڈ ورڈز کو غیر ملکی باشندوں کی رہنمائی کے لیے کتاب میں شامل کیا گیا ہے جو اہم ہے۔ ان کے بعد اردو (ہندوستانی) حروفِ تہجی کی لسٹ موجود ہے جسے رومن حروف سے بھی واضح کیا گیا ہے۔ ضروریات زندگی کے متعلق استعمال کی اشیاء کے نام' رشتوں کے نام دیے گئے ہیں جو نو وارد افراد کی رہنمائی کے لیے لازمی تھے۔

دوسرا سیکشن اسم کی گردان (Declension of Noun) کے عنوان کے تحت ہے۔ اس میں اسم معروف' نکرہ' جمع' واحد بنانے کے قدیم طریقے' مہینوں اور دنوں کے نام موجود ہیں۔ ہفتوں اور دنوں کے نام اردو' فارسی اور ہندوستانی زبان کے مطابق الگ الگ خانوں میں دیے گئے ہیں۔ پوری گنتی کے ساتھ ساتھ سابقے اور لاحقے بھی دیے گئے ہیں جن کے استعمال سے ان کو سمجھنا زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ اس باب میں اسم اور صفت کی جملہ تعریفیں اور ان کے استعمال اور گردانوں کا سلسلہ موجود ہے۔

تیسرا سیکشن ضمیر (Pronoun) کے عنوان کے تحت ہے۔ ضمیر کی تمام شاخوں پر تفصیلی گردانیں موجود ہیں جس سے اردو زبان کو سمجھنا زیادہ آسان بنا دیا گیا تھا۔ ضمیر کے باب میں دی گئی تفصیلات بہت جامع ہیں جن کی اہمیت سے آج کی جدید گریمر بھی بہرہ ور ہوتی ہے۔ چوتھا سیکشن فعل اور متعلقاتِ فعل کے مباحث سے بحث کرتا ہے۔ واحد جمع' مذکر مونث اور فعل کی تبدیل شدہ صورتوں اور ان کے استعمال سے یہ باب زیادہ معلوماتی حیثیت کا حامل ہے۔ ماضی' حال اور مستقبل کے صیغوں اور فعل کی شکل وصوت میں ہونے والی تبدیلیوں پر سیر حاصل معلومات کتاب کا خاصا ہے۔ اس سیکشن میں امدادی افعال' مفرد اور مرکب افعال پر بھی معلومات ملتی ہیں۔ پانچویں سیکشن میں حروف کی ممکنہ شکلوں جن میں استفہامیہ' فجائیہ' حرف ربط وغیرہ کا ذکر ہے۔ چھٹا سیکشن نحو کے مباحث پر تفصیل دیتا ہے۔ اس حصے میں چھوٹے چھوٹے جملے' مرکب جملے' محاورات' مرکب الفاظ اور ضرب الامثال کا ضروری ذخیرہ شامل ہے۔ اس گریمر کے مطالعہ سے اٹھارہویں صدی میں مشنری مقاصد کے لیے اردو زبان آسانی سے سیکھی جا سکتی تھی۔ آخر میں لارڈ پریر اور کچھ دوسری عیسائی مذہبی دعاؤں کا ترجمہ اور اصل متن دیا گیا ہے۔ یہ کتاب کیٹلر کی قواعد کے بعد دوسری اہم کتاب بن کر سامنے آئی۔ لیکن اس سلسلے میں یہ امر واضح رہے کہ یہ کتاب (قواعد) بھی مکمل نہیں ہے۔ کتاب کو گریمر کے مشمولات پر پرکھیں تو بہت سے پہلو تشنہ ہیں۔ لیکن اس قواعد کی یہ خوبی بھی ہے کہ اس میں ہندوستانی الفاظ عربی فارسی رسم الخط کے ساتھ ساتھ دیوناگری خط میں بھی دیے گئے ہیں۔ یہ ایک اہم اضافہ تھا جو شلزو نے اپنی قواعد میں پیش کیا۔

شُلز نے اپنے دیباچے میں اردو زبان کے آغاز کے بارے میں بھی قیاسات کے سہارے ایک نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ شُلز کی رائے کے مطابق اردو زبان کو مغربی افراد نے "Moors" زبان کا نام دیا تھا، لیکن اس کا حقیقی نام ''ہندوستانی'' ہی ہے۔ ڈاکٹر رضیہ نور محمد نے البتہ شلز کی تحقیق اور رائے کو نہ صرف غلط بلکہ گمراہ کن کہا ہے۔ شُلز کے مطابق؛

> "The Language, whose rudiments I am about to explain, is usually known to the Europeans by the name of Moors Language,but its proper and original name is Hindoostanee.. The original living language of Hindustanee is termed ہندی Hindee or ناگری Nagaree,the mixed language, constituted of the Hindee and the persian, since the conquest of India by Taimur, is called Hindostanee and by us Moors after the portugees who named it Morvico".(32)

اس طویل اقتباس میں چند نکات غور طلب ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ اس کو مورس زبان کا نام یورپی افراد نے دیا تھا اور سب سے پہلے پرتگالی قوم نے اسے Morvico نام دیا تھا۔ رضیہ نور محمد نے اس نام کو شُلز کی گمراہی اور غلط فہمی سے محمول کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ امیر تیمور کے حملوں کے بعد یہ زبان ہندوستانی کا نام اختیار کر گئی، اس سے قبل یہ ہندی یا ناگری زبان کہلاتی تھی۔ جہاں تک ناگری لفظ کا تعلق ہے، یہ رسم الخط کا نام تھا جو شُلز کو سمجھ نہیں آیا البتہ ہندی/ ہندوی نام تو اس زبان کو دیا جاتا رہا۔ اس کی مزید بحث ہمارے موضوع سے لگا نہیں کھاتی۔ اردو زبان کے بارے میں شلز کی بحث کو رضیہ نور محمد نے غیر معیاری کہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شُلز کی اردو زبان کے مختلف ناموں اور آغاز و ارتقاء کے بارے میں بحث گمراہ کن ہے اور آج کی تحقیق کی روشنی میں غلط اور لسانی اعتبار سے ناقص ہے۔(۳۳)

آخر میں شُلز کے بارے میں ایک اہم بات یہ سامنے آئی ہے کہ شُلز نے اس سے قبل لکھی گئی جون جوشوا

کیٹلر کی گریمر کا نہ صرف مطالعہ کیا تھا بلکہ اس سے رہنمائی لی تھی۔اس کی اہمیت کا اعتراف اپنی گریمر کے دیباچے میں کیا تھا جو ۱۷۴۱ء میں لکھا گیا تھا۔۱۷۴۴ء میں ڈیوڈ ملیس (David Millius) نے جب اپنا انتخاب(Ddissertation Selectae) چھاپا تو اس میں کیٹلر اور شلز کی قواعدی کتب کا ذکر بھی کیا۔اس انتخاب میں ان دونوں کی گریمر کے کچھ حصے شائع بھی کیے۔اس سے یہ گریمر یورپی دنیا میں متعارف ہوئی اور شلز کو اوراس کے کام کو بین الاقوامی سطح پر جانا گیا۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں؛

''لاطینی یا کسی بھی زبان میں اردو کی قدیم ترین قواعد جان جوشوا کیٹلر کی قواعد ہے۔۔۔شلزے اعتراف کرتا ہے کہ مستشرقین سے اس زبان کا تعارف کرانے اوراس کی اہمیت واضح کرنے میں اولیت کا فخر کیٹلر کو حاصل ہے اور اسی نے راہ ہموار کی جس پر شلزے خود گامزن ہوا۔وہ اپنی اس قواعد کو کیٹلر کی قواعد کی توضیح اور اضافہ قرار دیتا ہے۔اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ جان جوشوا کیٹلر کی اردو کی اولین قواعد کے مندرجات شلزے کے پیش نظر رہے اوراس نے برصغیر میں اپنے قیام کے دوران اس زبان کو مختلف ذرائع سے سیکھا اور اس کی قواعد مرتب کی''۔(۳۴)

الغرض شلز کی مذہبی ذمہ داریاں جو بھی تھیں،اس کے مقامی زبانوں میں بائبل کے تراجم ٹھیک تھے یا متنازعہ تھے اس کے ساتھ اس کے ساتھی افراد کا اس سے کیا سلوک یا چپقلشیں رہیں،ان سے قطع نظر یہ بات اہم ہے کہ کیٹلر کی اولین قواعد کے بعد اس نقش اول کی توضیح وتوسیع کی صورت میں شلز کی ہندوستانی گرائمر سامنے آئی۔اس کتاب کی تاریخی اورلسانی اہمیت ہمیشہ رہے گی۔آج کی جدید قواعد کے اصول بھی شلز کی قواعد نویسی اوراس کے مشمولات کی ترتیب سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ کیٹلر سے جان گل گرسٹ تک کی قواعد کی روایت میں شلز کی گریمر ایک اہم مقام کی حامل ہے اوراس عبوری دور میں یہ اضافہ قواعد کے سفر کو آگے بڑھانے میں ممدومعاون ثابت ہوا۔اس کی اہمیت آج تک مسلمہ ہے۔

۵۔ گلسٹن (Gulston) کی مختصر''قواعد''

۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی نے انگریزوں کا باضابطہ طور پر بنگال کے خطے کا مالک بنا دیا۔اسی جنگ میں فتح سے

انگریز قوم کے حوصلے بلند ہو گئے اور اس طرح ان کے اقتدار کے منصوبے کے سلسلے میں پہلی مرتبہ ایک بڑی فتح ان کا نصیب بنی۔ بنگال کے سیاہ و سفید کے مالک بن جانے کے ناطے ان پر حکمرانی کے لیے ان کو اس خطے کی معاشرت، ثقافت اور زبان کا سیکھا جانا ضروری خیال کیا گیا۔ چنانچہ انگریز مستشرقین کی توجہ کا مرکز ہندوستانی زبان بالخصوص اور بنگالی زبان بالعموم بنی۔ اس عہد میں سب سے پہلے جس انگریز کی قواعد کا تذکرہ تواریخ میں محفوظ ہے، اس کا نام مسٹر گلسٹن (Gulston) ہے۔ گلسٹن ایسٹ انڈیا کمپنی کی سول ملازمت میں تعینات تھا۔ اس عہد میں گو گلسٹن نے کوئی بڑی قواعد مرتب نہیں کہ لیکن اس نے قواعد کے سلسلے میں پہل کی جو آنے والے عہد کے بڑے قواعد نویسوں کے لیے رستہ متعین کرنے کی پہلی سنجیدہ کوشش تھی۔ گلسٹن نے ہندوستانی زبان کی قواعد پر ایک سیر حاصل مقالہ تحریر کیا تھا جو اس کی بے وقت موت کے باعث تاریخ کا حصہ بن گیا اور شائع نہ ہو سکا۔

گلسٹن بنگال کے گورنر ونسی ٹارٹ (Vansittart) کا ملازم تھا۔ وہ گورنر کے لیے فارسی ترجمان کے فرائض انجام دیتا تھا۔ قواعد ہندوستانی کی زبان کی روایت اور تاریخ میں گلسٹن کی اہمیت یہ بنتی ہے کہ وہ پہلا انگریز نوجوان تھا جس نے اس زبان کی قواعد پر پہلی مرتبہ ایک مبسوط مقالہ تحریر کیا تھا۔ برا یہ ہوا کہ وہ اس مقالے کو کہیں شائع نہ کرا سکا اور اس کی بے وقت موت کی وجہ سے یہ منصوبہ اس کے ساتھ ہی دم توڑ گیا۔ آنے والے دور میں جارج ہیڈلے کی قسمت میں یہ اولیت آئی کہ وہ پہلا انگریز تھا جس نے گریمر شائع کی۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے کہ اس کام کا بیڑا گلسٹن بہت پہلے ہی اٹھا چکا تھا۔ کسی دوسرے انگریز جس کا نام Mr. Chatfield تھا، اس کے ہاتھ جب اس مقالے کی کاپی لگی تو اس نے جان گل کرسٹ کے حوالے یہ کاپی کر دی تھی۔ گل کرسٹ نے اس کو پسند کیا تھا اور اس کا تذکرہ اپنی کتاب ''ضمیمے (Appendix)'' کے دیباچے میں کیا تھا۔ عتیق صدیقی کے مطابق،

> ''ہندوستانی زبان کی قواعد پر اس نے [گلسٹن] انگریزی میں ایک مبسوط مقالہ لکھا تھا۔ گلسٹن ایک فساد میں کام آیا، اور اس کی بے وقت موت کی وجہ سے اس کی یہ علمی کاوش منظر عام پر نہ آ سکی۔ گل کرسٹ کی قواعد کا ابتدائی حصہ جب چھپ چکا تو چیٹ فیلڈ (Chatfild) نامی ایک صاحب نے گلسٹن کے مقالے کی ایک نقل گل کرسٹ کو بھیجی۔ اس نے قواعد لغت کے ضمیمے کی جلد میں گلسٹن کے اس مقالے کی بے حد تعریف کی ہے''۔ (۳۵)

۶۔ جارج ہیڈلے (George Hadley) کی اردو قواعد ولغت نویسی

بنگال کی فتح (۱۷۵۷ء) نے انگریزوں کے سیاسی مقاصد کو واضح کر دیا تھا اور ان میں مزید فتوحات کا حوصلہ بڑھا۔ اس خطے میں حکومتی امور کو چلانے کے لیے انگریز فوجی بنگال میں تعینات کیے جانے شروع ہوئے۔ ان انگریز افسران میں جارج ہیڈلے نامی ایک فوجی کیڈٹ ۱۷۶۳ء میں بنگال آیا۔ اسی سال ۱۹ جون کو اس کو فوج میں کمیشن ملا۔ لیفٹیننٹ کیپٹن بنا اور ۴ دسمبر ۱۷۷۱ء میں ریٹائرڈ ہوا۔ (۳۶) بنگال آرمی میں موجود مقامی ہندوستانی سپاہیوں سے گفت وشنید کے لیے جارج ہیڈلے نے مقامی ہندوستانی زبان کی تحصیل کا منصوبہ بنایا۔ اس کو یہ امر واضح ہو گیا تھا کہ جب تک مقامی افراد کی زبان نہ سیکھی جائے' ان کو سمجھنا' اور ان سے احکامات کے مطابق کام لینا مشکل امر ہوگا۔ اس کام کے لئے اس کو مقامی زبان کی قواعد ولغت کی ضرورت پڑی تو کوئی تسلی بخش معاون کتاب نہ ملی۔ چنانچہ اس نے ہندوستانی اور فارسی زبانوں کی گریمر لکھنے کی طرف توجہ کی۔ ہیڈلے نے زبانوں کی تحصیل کے لیے کسی لمبے چوڑے منصوبے کی بجائے صرف گریمر کے اصولوں تک ہی خود کو محدود رکھا۔ ۱۷۶۵ء میں اس نے ہندوستانی گریمر لکھی۔ اس گریمر کا ایک نسخہ لندن کے کسی پبلشر کے ہاتھ لگا تو اس نے ۱۷۷۰ء میں بلا اجازت وہ نسخہ چھاپ کر فروخت کرنا شروع کیا۔ یہ نسخہ چونکہ مصنف کی مرضی سے نہیں چھپا تھا معیاری و مستند نہیں تھا۔ چنانچہ ہیڈلے نے اپنی گریمر کا معیاری نسخہ ۱۷۷۲ء میں شائع کیا۔ اس گریمر کا عنوان یہ تھا۔

Grammatical Remarks on the Pratical and Vulgar Dialect of the Indostan Language, commonly called Moors, with a vacoublary English and Persian, (London 1772).(37)

اس کتاب میں قواعد کے ساتھ ساتھ ہندوستانی' انگریزی اور فارسی زبانوں کے مترادفات کو شامل کر کے لغت کے حصے کے طور پر کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ یہ رجحان اس عہد میں عام تھا کہ الگ سے لغت لکھنے کے بجائے مستشرقین قواعدی مشمولات کے ساتھ ساتھ اہم اور ضروری ذخیرہ الفاظ کی فہرست یا صفحات ساتھ ہی شامل کر دیئے ہیڈلے کی لغت کے حصے کو اس مقالے کے باب نمبر ۳ میں اس پر بحث کی جائے گی۔ یہ کتاب ہندوستان اور انگلستان میں بہت مقبول ہوئی۔ اس کے متعدد ایڈیشن ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع ہوتے رہے۔ یہ قواعد کی ترتیب و اشاعت کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ابولیث صدیقی لکھتے ہیں،

''مولوی عبدالحق صاحب کا بیان ہے کہ ہیڈلے کی گریمر ۱۷۷۲ء میں شائع ہوئی۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ ہیڈلے سنہ ۱۷۶۳ء میں بنگال آرمی میں داخل ہوا اور اس سلسلے میں اسے ہندوستانیوں کی ایک کمپنی کی سربراہی سپرد ہوئی۔۔۔ اس نے سنہ ۱۷۶۵ء میں بقول خود اپنے سپاہیوں کے لیے اس زبان کے قواعد مرتب کیے' جسے لندن کے ایک تاجر نے سنہ ۱۷۷۰ء میں شائع کیا۔ یہ گویا ہیڈلے کی قواعد کا پہلا ایڈیشن تھا اور کم وبیش اسی زبان سے تعلق رکھتا تھا جب شلزے کی قواعد کی اصل لاطینی متن کا انگریزی ترجمہ ہوا تھا۔ اس کے بعد ہیڈلے نے اس پر نظر ثانی کی اور اپنی انگریزی میں اس کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۷۷۲ء میں شائع کیا۔ مولوی صاحب نے غالباً اسی دوسرے ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے''۔ (۳۸)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مذکورہ بالا اقتباس سے تین باتیں واضح ہو کر سامنے آتی ہیں۔ اول یہ کہ ۱۷۷۲ء والا ایڈیشن پہلا نہیں تھا بلکہ دوسرا ایڈیشن تھا جو مصنف و مرتب کی ذاتی دلچسپی سے چھپا تھا۔ دوم یہ کہ لندن کے تاجر والا ایڈیشن ناپختہ نقش تھا۔ جبکہ دوسرا ایڈیشن ہیڈلے کی اپنی املا یعنی ''اپنی انگریزی زبان'' میں چھپا تھا۔ سوم یہ کہ یہ کتاب غیر ملکی افراد یا انگریزوں کے لیے نہیں چھپا تھا بلکہ اس کی اشاعت کا مقصد بنگالی سپاہیوں کی زبان کی اصلاح کرنا تھا ،جن کی ہندوستانی یعنی اردو زبان معیاری نہیں تھی۔ اس عہد میں جب کہ ابھی ہندوستانی بنگال کی سرزمین پر اتنی گہرائی میں نہیں گئی تھی تو بنگالی سپاہیوں کا اس زبان میں ماہر نہ ہونا فطری سی بات ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ ہندوستانی زبان میں معیاری لب و لہجے سے بولنے پر قادر نہیں تھے تو کیا وہ انگریزی زبان میں اتنے ماہر تھے کہ اردو گریمر کے اصول انگریزی میں نہ صرف پڑھ سکیں بلکہ ان کو سمجھ بھی لیں۔ مستقبل کا محقق اس سوال کا جواب تلاش کرے گا کہ انگریزی زبان میں لکھے گئے اردو قواعدی اصول بنگال سپاہیوں کو اردو سکھانے میں کس درجہ تک معاون ہوئے۔

جارج ہیڈلے کی قواعد ایکدم اہمیت و شہرت کی حامل بن گئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ کسی بھی انگریز کی یہ پہلی قواعد تھی جو کہ شائع ہوئی۔ جس بہتر انداز میں ایک انگریز مصنف انگریزی سے مثالیں مترادفات اور ترجمہ کر کے غیر ملکی زبان سمجھا سکتا ہے' اتنی کامیابی سے کیٹلر شلزے کی قواعد یہ کام انجام نہ دے سکی تھی۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۷۷۴ء میں پھر ۱۷۷۹' پھر ۱۷۹۴' ۱۷۹۶' ۱۸۰۲' اور ۱۸۰۹ء میں شائع ہوتے تقریباً آٹھ ایڈیشن چھپے۔ یہ بار بار کی اشاعت اس کتاب کی اہمیت اور مقبولیت کا ثبوت ہے۔ اس کتاب کا جو ایڈیشن ۱۸۰۲ میں شائع ہوا' اس میں کتاب کے عنوان میں بھی تبدیلی کر دی گئی۔ مرزا محمد فطرت لکھنوی نے یہ قواعد ہیڈلے کی وفات کے بعد ترمیم' اصلاح اور اضافے کے

ساتھ شائع کی۔ ۱۷۹۶ء والے ایڈیشن میں خود ہیڈ لے بھی خاصی تبدیلیاں کر چکا تھا۔ لیکن ۱۸۰۲ء والا ایڈیشن زیادہ تبدیلیوں کے ساتھ شائع ہوا۔ سلیم الدین قریشی کی کتاب میں دیے گئے قواعد اس کتاب کے عنوانات کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے عنوانات میں بھی فرق ہے۔ پہلا ایڈیشن جو انگریز پبلشر نے اس کی اجازت کے بغیر چھاپ دیا تھا اس کا عنوان یہ تھا۔

A Grammar and the Vocuablary of the Moors Language (London 1770)

جبکہ ۱۷۷۲ء والے دوسرے ایڈیشن کا عنوان کچھ اس طرح دیا گیا ہے۔

"Grammatical Remarks on the practical and vulgar dialect of Indostan Language, commonly called Moors, with a vocabulary, English and Moors, the spelling according to persian orthography, wherein are references between words resembling each other in sound and difference in their signification, with literal translations and explanations for the compounded words and circumlocutory expressions for the more easy attaining the idiom of the language. The whole claculated for the common practice in Bengal by capt. George Hadley, London, printed for T. Cadell in the strand, 1772".(39)

۱۰ ستمبر ۱۷۹۸ء کو جارج ہیڈ لے کی وفات ہوئی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی گریمر کا ایک ایڈیشن ۱۸۰۲ء میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن میں مرزا محمد فطرت نے نظر ثانی کے بعد ترمیم و اضافے کر کے اس ایڈیشن کو خاصا مستند بنا دیا۔ اس ایڈیشن میں اس قوعد کے عنوان میں بھی تبدیلی کر دی گئی۔ یہ کتاب اس نام سے شائع ہوئی تھی،

"A compendious grammar of the current corrupt dielct of the Jargon of Hindostan,(commonly called Moors),with a vocabulary English and Moors,Moors and English,with reference between words resembling each other in sound and different in signification and literal translation of the compunded words and the circumlocatory expressions and

Manners of Bengal, for the use of Bengal and Bombay establishments. at Arabic and Persian press 1802".(40)

''گریمیٹیکل ریمارکس'' ہندوستان کی اس اہم زبان کی قواعد ہے جو اس دور میں ہندوستان کے عوام و خواص کی بول چال میں زیر استعمال تھی۔ اس کتاب کے مصنف نے اس زبان کو Jargon زبان کہا ہے۔ جارگن انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی بازاری زبان' پھوہڑ زبان' اصطلاح پیشہ وراں' کسی خاص طبقے کی زبان' مخلوط زبان' بے تمیز اور پھوہڑ زبان وغیرہ کے ہیں۔ لفظ جاگن کے استعمال سے پتہ چلتا ہے کہ غیر ملکی افراد فارسی کے مقابلے میں ہندوستانی کو غیر واضح روپ کی بولی خیال کرتے تھے، جس کے لب و لہجے اور الفاظ و مرکبات میں علاقائی نسبت سے اختلاف پایا جاتا تھا۔ یہ گریمر دراصل اسی بول کی قواعد تھی جسے غیر ملکی اس دور میں Moors زبان یعنی غیر واضح زبان کہا کرتے تھے۔ دوسرا زاویہ اس زبان کو کمتر سمجھنے کا یوں بھی تھا کہ یہ زبان/ بولی عوام سے جڑی ہوئی تھی اور طبقہ اشرافیہ سے نہ جڑے ہونے کے باعث اسے زیادہ مقام نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن اس کی افادیت اور اہمیت کو انگریز لوگ بخوبی سمجھ رہے تھے۔

ہیڈلے کی گریمر میں بول چال کے جملے اور گریمر کے قوانین کو دراصل بنگال اور بمبئی کی پریزی ڈنسیوں میں کام کرنے والے اسٹیبلشمنٹ کے اہل کاروں کی سہولت کے لیے مرتب کیا گیا تھا۔ جیسا کہ اس کتاب کے ٹائٹل سے واضح ہوتا ہے۔ اس کتاب کا انتساب وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings) کے نام ہے جو اس عہد میں بنگال کے گورنر جنرل تھے اور فورٹ ولیم قلعے میں سکونت پذیر تھے۔ ڈاکٹر جان بورتھ وک گل کرسٹ جب ہندوستان آئے تو اس وقت ہیڈلے کی گریمر خاصی معروف ہو چکی تھی اور اسے نو وارد مغربی افراد کے لیے رہنما کتاب کی اہمیت حاصل تھی۔ جان گل کرسٹ نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا' لیکن یہ بات بھی اہم ہے کہ گل کرسٹ' ہیڈلے کے کام سے مطمئن اور معترف نہیں تھا۔

جان گل کرسٹ کی لغت کی اشاعت (۱۷۸۶ء) کے بعد ہیڈلے نے اپنی کتاب کا نظر ثانی شدہ اور ترمیم و اضافے کے ساتھ واضح ایڈیشن شائع کیا۔ اس وقت عجیب صورتحال پیدا ہوئی جب جان گل کرسٹ نے ہیڈلے پر الزام لگایا کہ اس نے بغیر پوچھے اور حوالہ دیے گل کرسٹ کی لغت سے بہت سے الفاظ اپنی کتاب میں شامل کیے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں گل کرسٹ نے دو ایک جگہ ہیڈلے کی گوشمالی بھی کی تھی۔ گل کرسٹ کے اس سخت رویے سے ان کی علم دوستی پر سوالیہ نشان اٹھتا ہے۔ گل کرسٹ کا الزام یہ تھا کہ ہیڈلے نے اپنے ۱۷۹۰ء والے ایڈیشن میں

اس کی ۱۷۹۰ء والی جلد دوم سے بہت سے الفاظ بنا پوچھے اپنی لغت میں شامل کیے تھے۔ مزید یہ کہ گل کرسٹ نے اسے دو کوڑی کی کتاب کہا تھا جو تکلیف دہ بات ہے۔ (۴۱) لیکن یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے کہ ہیڈلے کی کتاب گل کرسٹ سے پہلے بھی موجود تھی۔ اس لیے یہ الزام مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

۱۸۰۲ء میں مرزا محمد فطرت لکھنوی نے ہیڈلے کی گریمر کو توسیع و اصلاح کے عمل سے گزار کر زیادہ مستند ایڈیشن چھاپا۔ یہ اس گریمر کا چھٹا ایڈیشن تھا اور اور ہیڈلے کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ مرزا محمد فطرت کے بارے میں زیادہ معلومات تو تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ لکھنو کا رہنے والا تھا۔ وہ چار سال کے لیے (۱۸۰۱ء۔ ۱۷۹۸ء) انگلینڈ رہا تھا۔ وہاں وہ مختلف اداروں میں عربی' فارسی اور ہندوستانی زبان کی تدریس کرتا رہا۔ اس عہد میں ہیڈلے کی گریمر کا کسی دیسی باشندے کے قلم و ذہن سے مطالعہ کرنا اور اصلاح کرنا' اس ایڈیشن کی اہمیت میں اضافے کا سبب بنا۔ یہ مرزا فطرت ۱۸۰۳ء کے قریب قریب کلکتہ میں موجود تھا۔ جان گل کرسٹ نے اس کی سفارش کر کے اسے فورٹ ولیم کالج میں اسی روپے ماہوار پر ملازم کرایا تھا۔ (۴۲)

ہیڈلے کی گریمر کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اس کے تیسرے ایڈیشن سے' جو کہ ۱۷۸۴ء میں شائع ہوا تھا' مکالمات (Dialogues) کو گریمر میں شامل کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ غالباً یہ مکالمات آنے والے انگریزوں کی مقامی زبان سے عملی تربیت کا ہی ایک حصہ تھے تا کہ اگر وہ فوری طور پر یہ زبان سیکھ نہ بھی سکیں تو کم از کم روزمرہ زندگی کے امور چلانے کے لیے بنے بنائے جملے سیکھ کر اس سے کام چلا سکیں۔ Dialogues لکھ کر زبان سکھنے کا یہ تجربہ کامیاب رہا یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر جان گل کرسٹ نے بھی مکالمات کے عنوان کے تحت ہر کتب میں گوشے ہی نہیں بنائے بلکہ اس کی اہمیت کے پیش نظر کتاب لکھی تھی (جس کا آگے چل کر تذکرہ کیا جائے گا) Richerd Steadman Jone لکھتا ہے۔

> "Dialogues and Familiar Phrases first became available to learners of Hindustani when the third edition of Hadley's Grammatical Remarks was published in 1784. Hadley presents the material under three different

headings. First there is a collection of 'familari phrases' or useful expressions in Hindustani with literal English translations organised under12 functional Headings: to consult for example, or, 'to assent and dissent'."(43)

جارج ہیڈلے کی گریمر میں اگرچہ نحو کا حصہ نہیں تھا لیکن پھر بھی مکالمات کا یہ سلسلہ، چھوٹے چھوٹے جملے (Imperatives) شامل کرنا ان کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرتا ہے۔ آگے چل کر جان گل کرسٹ نے اس روایت کو مزید آگے بڑھایا تھا۔ اس نے اپنی کتاب کے آخری حصے میں تقریباً ایک سو اسی صفحات پر مختلف مواقع کی مناسبت سے کارآمد مکالمات (Dialogues) درج کیے ہیں۔ یہ مکالمات بہت زیادہ واضح نہیں ہیں بلکہ تلفظ کے معاملے میں بھی ان کی صحت درست نہیں ہے۔ مزید یہ کہ اس کی اہمیت اس دور میں اس لیے تسلیم کی گئی کہ کسی انگریز کی لکھی گئی پہلی کتاب تھی البتہ گل کرسٹ کی تحریر مکالمات قواعد اور لغت کے مقابلے میں یہ کتاب کسی طور پر معیاری ثابت نہیں ہوتی۔ مکالمات کی ذیل میں ہیڈلے نے ایک باب میں عورتوں کے گھریلو استعمال کے مکالمات بھی درج کیے ہیں۔ ان مکالمات میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ انگریز عورتوں کو گھریلو کام کاج کرانے کے لیے نوکروں اور نوکرانیوں کو کس انداز سے مخاطب کرنا ہے۔ اس حصے میں حفظ مراتب کے حساب سے بتایا گیا ہے کہ عورت نے نوکرانی سے کس انداز سے بات کرنی ہے اور مرد حضرات کو مقامی مردوں سے کس طرح کی گفتگو کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

ہیڈلے کی گریمر چونکہ بنگال آرمی میں اس کی تعیناتی اور دیسی مقامی سپاہیوں سے بول چال کے مقصد کے تحت بھی لکھی گئی تھی اس لیے اس میں (Military Dialogues) کے عنوان سے مکالمات موجود ہیں۔ یہ مکالمات فوجی افسر کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھے گئے ہیں کہ سپاہیوں کو جنگ پر کس طرح بھیجنا ہے، کسی مسئلے میں ان کو احکامات کس طرح دینے ہیں۔ فتح کا جشن کس طرح منانا ہے وغیرہ۔ ہیڈلے کے ان مکالمات سے دو زبانوں میں روزمرہ گفتگو کی ہیئت اور ترجمے کے نظام کو بخوبی سمجھایا جاسکتا ہے۔ غرض یہ کہ ہیڈلے کی گریمر کی منہاج اور موضوعات کو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ جان گل کرسٹ نے جاری رکھا تھا۔

۷۔ ولیم جونز: کلاسیکی مشرقی متون کا مطالعہ اور تقابلی لسانیات کا آغاز

ولیم جونز (۱۷۹۴ء۔۱۷۴۶ء) کا تقرر ہندوستان میں ہائی کورٹ (بنگال) کے ایک جج کے طور پر ہوا تھا۔ لیکن قانون کے شعبے کے ساتھ ساتھ ان کی دلچسپی کے میدانوں میں فلالوجی، مشرقی علوم وزبان اور تقابلی لسانیات نمایاں رہے تھے۔ ہندوستان آ کر وہ ہندوستانیات (Indology) کے طالب علم بنے۔ یہاں پر آ کر انہوں نے سنسکرت سیکھی تو اس بڑی کلاسیکی زبان کا نظام، ذخیرۂ الفاظ اور ادبیات دیکھ کر حیران ہوئے۔ مقامی زبان کے مطالعے نے ان کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ یہ زبان یورپ کی کچھ زبانوں کے ساتھ مماثلت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس پر تحقیق شروع کی اور یورپ کو سنسکرت کی اہمیت اور یورپی کلاسیکی زبانوں کے مماثلتوں کے بارے میں آگاہ کیا۔ ہندوستان میں انہوں نے اس طرح تقابلی لسانیات کی بنیاد ڈالی۔ اس کے اعزاز میں یہ بات بھی شامل ہے کہ یہاں انہوں نے ۱۷۸۴ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے نام سے ایک ادارہ بنایا جس نے ہندوستانی زبان وادب کی ترویج واشاعت کے لیے ایک بڑا پلیٹ فارم لکھنے والوں کو مہیا کیا۔

ولیم جونز ۲۸ ستمبر ۱۷۴۶ء کو انگلینڈ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ولیم میری نکس جونز ایک ریاضی دان تھے اور اس سے زیادہ بڑی بات یہ کہ مشہور سائنسدان نیوٹن کے دوست تھے۔ ولیم جونز کی عمر تین سال ہی تھی کہ باپ کا سایہ دنیا سے اٹھ گیا۔ انہوں نے انگلینڈ کے مشہور سکول Harrow میں داخلہ لیا اور وہاں پر ''کلاسیکی سکالرشپ'' کا میدان منتخب کیا۔ ان کو مختلف زبانوں کے ساتھ اتنی دلچسپی پیدا ہوئی کہ مغربی زبانوں کے ساتھ ساتھ مشرقی زبانوں کی تحصیل بھی شروع کر دی۔ وہ تقریباً ۲۸ زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ ۱۷۶۴ء میں آکسفورڈ کے یونیورسٹی کالج میں داخلہ لیا۔ یہاں پر ان کی دلچسپی کے شعبوں میں مشرق وسطیٰ کا خصوصی مطالعہ شامل تھا۔ عربی زبان وادب کے ساتھ فلسفہ، مشرقی ادب، یونانی وعبرانی، ہسپانوی، پرتگالی اور چینی زبان میں مہارت حاصل کی۔ اب تک کی اپنی کارکردگی کی بدولت وہ ایک مستشرق کے طور پر اپنی پہچان بنا چکے تھے۔

۱۷۷۰ء میں ڈنمارک کے بادشاہ کرسچین ہفتم کی ایما پر نادر شاہی تاریخ کو فارسی سے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ یہ کتاب Historie de Nadir Chah کے عنوان سے ترجمہ کی۔ اس ترجمے سے ان کو فارسی زبان سیکھنے اور برتنے کا بھی موقع ملا۔ مزید اس کتاب کے مطالعے سے فارسی ادب بھی ان کے مطالعے میں شامل ہو گیا اور یوں طبعی میلان کی طرف میں چل نکلا۔ ۱۷۷۱ء میں اس ترجمے کے بعد ان کی مشہور کتاب "A Grammar of Persian Language" سامنے آئی تو اس سے ان کی شہرت انگلینڈ میں مزید پھیل

گئی۔ ولیم جونز کو اس کاوش کے بعد وہاں پرشین جونز' اور ینٹل جونز اور لنگوئسٹ' جونز کے نیک نام (عرفیت) سے پکارا جانے لگا۔ ۱۷۷۳ء میں ایم۔ اے کی ڈگری آکسفورڈ یونی ورسٹی سے حاصل کی۔ معاشی مسائل اور کیریئر کے لیے ان کو شعبہ قانون میں بھی داخلہ لینا پڑا۔ قانون کے مطالعے کے بعد وہ ہندوستان میں ہائی کورٹ کے جج کے طور پر تعینات ہوئے۔ (۴۴)

ہندوستان آنے کے بعد ولیم جونز نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے نام سے ایک ادبی لسانی تحقیق کے پلیٹ فارم کی بنیاد ڈالی۔ اس پلیٹ فارم پر صاحب علم وفن اصحاب لیکچر دیتے تھے اور ان پر بحث ومباحثہ ہوتا تھا۔ وہ خود بھی سوسائٹی میں لیکچر دیتے تھے۔ سنسکرت زبان پڑھتے ہوئے ولیم جونز اس زبان کی یورپ کی دوسری بڑی زبانوں' یونانی' لاطینی وغیرہ کے ساتھ لسانی مماثلتوں کو بھانپ گئے۔ مزید تحقیق سے ان نے یہ بات ثابت کی کہ دراصل سنسکرت اور یونانی لاطینی زبانوں کا لفظ آغاز کسی ایک مشترک سلسلے سے جا ملتا ہے۔ ۱۷۸۶ء میں انہوں نے سنسکرت زبان کے بارے میں ایک لیکچر دیا تھا جس سے یورپ کو اس زبان سے آگاہی ہوئی۔ اس کا سنسکرت سے متعلق لیکچر جو بڑا مشہور ہوا' اس کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے'

> "سنسکرت زبان' اس کی قدامت خواہ کچھ بھی ہو' ساخت کے اعتبار سے ایک عجیب زبان ہے' یونانی سے زیادہ مکمل' لاطینی سے زیادہ وسیع اور ان دونوں سے کہیں زیادہ شستہ ورفتہ' باایں ہمہ ان دونوں سے اس کا قریبی رشتہ معلوم ہوتا ہے' جو افعال کے مادوں اور دوسری صرفی ونحوی شکلوں میں موجود ہے' جو یقیناً صرف کسی اتفاق یا حادثے کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ یہ رشتہ ایسا مضبوط ہے کہ کوئی ماہر لسانیات جو ان تینوں کا مطالعہ کرے' یہ یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان سب کا ماخذ ایک ہے جواب موجود نہیں ہے"۔ (۴۵)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گو ان زبانوں میں فاصلہ پیدا ہوگیا تھا لیکن یہ مماثلتیں آج بھی بغور دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس تحقیق نے ہندوستان کے لسانی ورثے کو آریائی خاندان میں شامل کر دینے میں بڑی معاونت کی۔ اس کے بعد یہ نقطہ نظر بھی پختہ ہوگیا کہ یہ تمام زبانیں ہندیورپی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مشرقی زبانوں پر اس انداز سے تحقیق اور دلچسپی کے پیچھے وہ کون سے مقاصد اور پس منظر تھا جس کے تحت ولیم جونز کو ان کی طرف

متوجہ ہونا پڑا۔ دراصل ان کے کلاسیکی فنون کے مطالعے کے منصوبے کا مقصد یہ تھا کہ اگر مشرق کو سمجھنا ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ سب سے پہلے وہاں کے علمی وادبی وسرکاری زبان کا علم حاصل ہو۔ اس علم کی بدولت کلاسیکی متون کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے شرق شناسی کا کام زیادہ بہتر انداز سے انجام دیا جا سکتا ہے۔ زبانوں کا نظام ٗ ذخیرۂ الفاظ ٗ عوامی وادبی بول چال کی زبان کے شعبوں میں ان کی خاص دلچسپی رہی جسے کرگل کرسٹ ٗ ٹی بی ڈف اور باقی مستشرقین نے آگے بڑھایا۔ Garland Cannon لکھتا ہے ٗ

> "When Linguists think of Jones, they usually recall his dramitic expression of simmilarities among languages on the basis of their derivation from some earlier language in common, giving rise to the development of comparative linguistics, modern attitude towards language study, and, in short, the beginning of serious linguistics not basedmythological explanations".(46)

ولیم جونز کی فارسی گریمر نے اسے صرف مشرقی زبانوں کا شعور ہی نہیں دیا تھا بلکہ یہ کام اس کے بے مثال منصوبے رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی بنیاد کا شاخسانہ ثابت ہوا۔ یہ گریمر خاص مقصد کے لیے لکھی گئی ابتدائی گریمر تھی جس نے جدید زبانوں کے بارے میں مستشرقین کے نظریات کو سمجھنے میں بھی خاصی مدد دی۔ ۱۷۸۴ء میں کلکتہ میں قائم کی گئی ایشیاٹک سوسائٹی آئندہ آنے والی سوسائٹیوں کی بنیاد ثابت ہوئی۔ اس سوسائٹی کے پلیٹ فارم سے فارسی اور سنسکرت زبان پر کیے گئے تحقیقی ولسانی کام نے اس سوسائٹی کو یادگار بنا دیا۔ اس ایشیاٹک سوسائٹی کا رسالہ ''سوسائٹی جنرل'' کے نام سے کئی سال تک شائع ہوتا رہا۔ ولیم جونز کے اعزاز میں ایک اور اضافہ یہ ہوا کہ انھوں نے نو آبادیاتی دور میں تقابلی اور اطلاقی لسانیات (Comparative and Applied Linguistics) بنیاد ڈالی۔ ولیم جونز کا فارسی پڑھنا ان کے عربی مطالعے کی توسیع تھی۔ فارسی کی طرف ان کا میلان یوں بھی ہوا کہ یہ زبان بنگال میں موجود برطانوی افسروں کا حصہ تھی کی تربیت کا حصہ تھی۔ یہ وہ افسران تھے

جنہوں نے ہندوستان میں رہ کر معاملاتِ سرکار سرانجام دینے تھے۔

ولیم جونز کا یہ نقطہ نظر کہ اگر مشرق کو سمجھنا ہے تو ان کے کلاسیکی ادب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ ان کے لسانی منصوبوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ فارسی ادبی روایت کے مطالعے نے ان کو یورپی کلاسیکی ادبی روایت کو نئے سرے سے سمجھنے میں معاونت کی۔ اس گریمر کے پیش لفظ میں وہ بتاتے ہیں کہ فارسی زبان نوآبادیاتی ہندوستان میں بڑا اہم اور ناگزیر کردار ادا کرسکتی ہے۔ ولیم جونز کو آبادیاتی اقوام کی دولت کمانے کی ہوس کا بھی علم تھا۔ چنانچہ وہ بتاتے ہیں کہ فارسی زبان کی مدد سے اس خطے سے دولت کا حصول زیادہ آسان ہو جائے گا۔ ان کے اس اشارے کی وجہ سے بھی ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے افسروں کو فارسی زبان کے مطالعے کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ دراصل فارسی زبان سیکھنے کے باعث انگریزوں کو اردو زبان سیکھنا سہل اور مفید ثابت ہوا تھا۔

ولیم جونز نے اگرچہ اردو زبان وادب کے لیے براہِ راست کام نہیں کیا لیکن ان کی کاوشوں سے اردو زبان کی خدمت ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنی فارسی گریمر کو جن اصول وقواعد کے مطابق مرتب کیا' اس ماڈل کو سامنے رکھ کر دیگر مستشرقین نے اردو لغات وقواعد کو مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ جونز کے اس ماڈل کے مشرقی زبانوں کے مطالعے کے میدان میں یہ اثرات مرتب ہوئے کہ ان کی مدد سے زبان کو صحت کے ساتھ سیکھنا عملی طور پر ممکن ہو گیا تھا۔ اس کے اطلاقی لسانیاتی اصولوں کی مدد سے انگریز طالب علم ایک سال میں اس قابل ہو جاتا تھا کہ فارسی ترجمہ کرسکتا تھا اور ہندوستانی سرکاری خط وکتابت پڑھنے اور جواب دینے پر قادر ہو جاتا۔ گریمر کے دیباچے میں انہوں نے تدریس اور رہنمائی کے اصول بھی بتائے ہیں کہ منشی سے زبان کس طرح سیکھنی ہے۔ منشی (زبان سکھانے والا) کے لیے بھی رہنمائی کے اشارے موجود ہیں جن کی مدد سے وہ آسانی سے نو وارد انگریزوں کو مقامی زبان سکھا سکتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس گریمر کی اہمیت کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ ۱۸۲۸ء تک اس گریمر کے تقریباً ۱۲۸ ایڈیشن شائع ہو کر بک چکے تھے۔ ڈاکٹر رضیہ نور لکھتی ہیں'

> ''مشرقی علوم کی تحقیق کا دائرہ پہلے صرف عربی فارسی تک محدود تھا اب اور وسیع ہوا۔ ولیم جونز نے اسے 'ایشیائی مطالعہ' کا نام دے کر اس کی حدود میں سنسکرت اور دوسری ایشیائی زبانوں کو بھی شامل کر دیا۔ اس رشتے سے زبانوں کے تقابلی مطالعے اور ان کی موروثی وحدت کے اصول کی شناخت ہوئی جس سے ہند آریائی زبانوں کی لسانی تاریخ ترتیب پانے لگی۔ اردو زبان وادب کے بارے

میں ایشیاٹک سوسائٹی نے کچھ نہیں کیا لیکن بالواسطہ طور پر اس کا تعلق اردو زبان کے ساتھ بھی ہے کیونکہ زبانوں کی گروہ بندی اور صرف ونحو کے اصول وقواعد اور قدیم ذخیرۂ الفاظ کے مختلف منابع کی چھان بین میں ہند آریائی زبانوں کے ارتقاء کی تاریخ کے ساتھ اردو بھی وابستہ ہے''۔(۴۷)

ولیم جونز سے قبل خان آرزو ہندوستان میں فارسی اور سنسکرت زبان کا تقابلی مطالعہ شروع کر چکے تھے۔ یہ کسی مقامی ادیب کی پہلی کاوش تھی جس کی کامیابی وناکامی کے بارے میں فیصلہ سازی کرنے سے زیادہ بہتر ہے کہ اس کی اہمیت کو محسوس کیا جائے کہ ہندوستان میں انہوں نے اپنے طور پر جو تقابلی کام کیا تھا اسے تقابلی لسانیات کے سلسلے میں پہلی سیڑھی کہا جاسکتا ہے۔(اس سے متعلق بحث باب نمبر ا یک میں موجود ہے)ولیم جونز سے خان آرزو کی لسانی کاوشوں کا تقابل یوں بھی کیا جانا درست نہیں کہ ولیم جونز لسانیات کا عملی اور جدید شعور رکھتے تھے اور دنیا کی بڑی بڑی زبانیں جانتے تھے۔ حاصل کلام کے طور پر رضیہ نور محمد کے ان الفاظ سے ولیم جونز کی اہمیت واضح ہونے کا مزید اندازہ کیا جاسکتا ہے،

''ادبیات شناسی پر ولیم جونز کے تین بڑے احسانات شمار کیے جاتے ہیں۔ اول سنسکرت لاطینی اور یونانی میں مشابہت قریبہ کی نشان دہی، دوم۔ قدیم ہندی فرماں رواؤں کے عہود کا تعین، سوم۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے قدیم فقہی قوانین کی شیرازہ بندی''۔(۴۸)

۸۔ ہراسم لی بی ڈف(Geracim Lebedev) کی قواعد نویسی

لی بی ڈف(۱۸۱۷ء۔۱۷۴۹) کا پورا نام Geracim Steppanovich Lebedev تھا۔ یہ نام اپنے روسی تلفظ کے تحت Heracim Lebedeff کی املا میں بھی لکھا جاتا ہے۔ ان کا تعلق روس سے تھا۔ وہ کثیر الجہات شخص تھے۔ وہ ایک سیاح، ماہر لسانیات' موسیقار' ادیب اور ترجمہ کار کے طور پر بنگال میں مشہور ہوئے۔ ان کا تعلق فنون لطیفہ سے تھا۔ بنگالی تھیٹر کے بنیاد گزاروں میں ان کا نام ہمیشہ شامل رہے گا۔ مزید یہ کہ اس نے ہندوستان آ کر ۱۷۹۵ء میں ہندو تھیٹر کے قیام و ترویج کے لیے بھی کام کیا تھا۔ اسے روس میں ہندوستانیات (Indology) کا معتبر حوالہ سمجھا جاسکتا ہے۔ لی بی ڈف روس کے علاقے Yaroslavi میں پیدا ہوا۔ اس کا

خاندان چرچ سے جڑا ہوا خاندان تھا۔ وہ انگریزی' جرمن اور فرانسیسی زبانوں کا ماہر تھا۔ میوزک میں اس کا شوق وائلن نوازی تھا اور وائلن بجانے اور سنانے کے لیے اس نے سفارتی سطح پر پورے یورپ ممالک کے دورے کیے۔ اسی دور میں اسے انگریزی فوج کے بینڈ ماسٹر کے طور پر ہندوستان جانے کی پیشکش ہوئی جسے اس نے بخوشی قبول کرلیا اور یوں انگریز فوجی بن کر بنگال آ گیا۔(۴۹)

بنگال کے دارالحکومت کلکتہ میں اس نے دس سال قیام کیا۔ یہاں پر گو اس کی ڈیوٹی بینڈ ماسٹر کے طور پر تھی لیکن زبانوں سے دلچسپی کی وجہ سے وہ مقامی زبانوں کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوا۔ گمان غالب ہے کہ اس نے ولیم جونز کے کارناموں کو دیکھا' سنا یا پڑھا ہوگا' چنانچہ فارسی کی بجائے اس نے سب سے پہلے سنسکرت زبان کی طرف توجہ کی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی دلچسپی میں ہندی اور بنگالی زبان بھی شامل ہوگئی۔ وہاں کے کسی سکول ماسٹر سے لی بی ڈف نے مذکورہ تینوں زبانوں کا علم حاصل کیا۔ میوزک کے حوالے سے اس کا ایک اور کام ہمیشہ یادگار رہے گا کہ اس نے پہلی مرتبہ ہندوستانی گیتوں کی دھنوں کو وائلن اور یورپی سازوں پر بجایا اور خوب داد سمیٹی۔ گریرسن نے اپنے لسانیاتی جائزہ ہند میں صرف اتنی معلومات دیں کہ یہ شخص ۱۷۸۵ء میں مدراس آیا تھا اور ۱۷۸۷ء میں کلکتہ چلا گیا تھا۔ اس ضمن میں غور طلب بات یہ ہے کہ قریب قریب اسی عرصے میں (۱۷۸۴ء) ولیم جونز نے ایشیاٹک سوسائٹی بنائی تھی، جس کے ساتھ لازماً لی بی ڈف نے علم وآگہی کا رشتہ استوار کیا ہوگا۔ ۱۷۸۴ء میں جان گل کرسٹ کی لغت بھی اس کے مطالعے میں رہی ہوگی جس نے اس کو مہمیز دی کہ وہ ہندوستان زبان پر کام کر سکے۔ گریرسن کے حوالے سے ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں؛

''اس نے کم وبیش بیس سال اس ملک میں گزارے اور پھر واپس انگلستان چلا گیا۔ وہاں اس نے اردو قواعد پر ایک رسالہ شائع کیا لیکن گریرسن کا بیان ہے کہ ممکن ہے کہ یہ شخص سنسکرت یا بنگالی جانتا ہو۔ لیکن اس کا ہندوستانی کا علم قطعاً ناقص ہے کیونکہ اس نے اپنے رسالے میں ہندوستانی الفاظ کا تلفظ بھی غلط لکھا ہے اور قواعد کے بیان کرنے میں بھی بہت سی غلطیاں ہیں۔ اگر یہ بیان درست ہے کہ اس نے ہندوستانی زبان بنگال ہندو پنڈت سے سیکھی تھی تو ان غلطیوں کے امکان کا سبب سمجھ میں آ جاتا ہے''۔(۵۰)

لی بی ڈف نے بنگالی تھیٹر میں پیش کرنے کے لیے انگریزی اور غیر ملکی ڈراموں کو بنگالی زبان میں ترجمہ کیا تو اسے مقامی زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ گریمر اور لغت کی اہمیت وضرورت کا احساس ہوا۔اس نے ایک چھوٹی سی بنگالی لغت بھی مرتب کی تھی۔(۵۱)انگریز فوج سے معاملات ختم کر کے وہ واپس انگلینڈ گیا تو روس جانے سے قبل کچھ عرصہ وہاں رک کر ہندوستانی زبانوں پر کیے گئے کام کو چھپوانے کی طرف متوجہ ہوا۔۱۸۰۱ء میں اس کی قواعد کی کتاب "A grammar of the pure and mixed East Indian Dialects,: with dialogues afffixed... arranged in clacutta,... according to Brahmenian system, of the Shamscrit language. اس کتاب کا عنوان اس دور کی روایت کی طرح خاصا طویل ہے۔اس عنوان میں غور طلب لفظ Shamscrit ہے۔یہ لفظ سنسکرت کا انگریزی تلفظ ہے جو اس سے قبل کسی اور مستشرق کے ہاں نظر نہیں آتا۔یہ لفظ سر ولیم جونز نے اپنے خطبے میں استعمال کیا تھا جو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے تحت ایشیاٹک ریسرچز میں شامل ہے گل کرسٹ نے بھی ایک دو جگہ لفظ استعمال کیا ہے۔لی بی ڈف نے اپنے دیباچے میں اس کا حوالہ دیا ہے۔وہ لکھتے ہیں،

> "In the first volume of the Asiatic Researches, on the orthography of Asiatic words, page13, Sir villiam Jones begins the Shamskrit alphabet thus., "O" the name of Shamscrit character." (52)

لی بی ڈف گریمر کے پہلے صفحے پر عنوان کے حصے میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ کتاب یورپیوں کی ضروریات کو مد نظر رکھ کر لکھی گئی ہے اور اس کتاب میں اس بات کا اہتمام موجود ہے کہ اس سے قبل کے قواعد نویسوں نے اپنی کتب میں مورس یا مورش نام کی ملی جلی بولی کی ذیل میں گریمر اور مکالمات کی جو غلطیاں کی ہیں ان پر لی بی ڈف کے ریمارکس موجود ہیں۔ولیم جونز اور اس کی سوسائٹی سے چھپنے والی مشرقی شاعری کے نمونوں پر بھی لی بی ڈف نے بات کی ہے۔کتاب کے سرورق پر لی بی ڈف کے ہجے Lebedeff کے طور پر چھپے ہوئے ہیں۔کتاب کا انتساب کسی انفرادی شخصیت کی بجائے معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام ہے جو اس عہد کی روایت سے ہٹ کر ہے۔کتاب کا

پہلا حصہ Introduction کے نام سے موجود ہے۔اس حصے میں شروع میں خدا کی حمد وثناء کے بعد لی بی ڈف کا اپنا سوانحی خاکہ اور ہندوستان آمد اور یہاں کے گزرے دنوں کی یادداشتیں موجود ہیں۔سنسکرت،پراکرت اور بھاشا زبانوں کے بارے میں اس کی معلومات اور مشاہدات کا ذکر ہے۔اس باب میں لی بی ڈف اپنے قواعدی کام کی غرض وغایت بتاتے ہیں۔

کتاب کے دیباچے میں ہندوستانی زبان جسے انہوں نے عرف عام میں مورس بولی کہا ہے اس کے بارے میں، بنگالی، سنسکرت اور پراکرت کے دخیل الفاظ، اصوات اور ان کی قواعدی مماثلتوں کے بارے میں لی بی ڈف نے تفصیل سے بات کی ہے۔ جہاں جہاں انہوں نے ولیم جونز، اس کی ایشیاٹک سوسائٹی کی ریسرچز سے اخذ واستفادہ کیا ہے، ان کا بھی تفصیلی بیان ہے۔دیباچے میں ان کے قیام ہندوستان کے تلخ واقعات اور جن لوگوں سے شکایات تھیں ان کے بارے میں بھی انہوں نے باتیں کی تھیں۔اس طرح کسی ایک شخص کے نام کتاب کا انتساب نہ کرنا بھی اس کی بیجنوفی کی دلیل ہے۔لیکن اس بارے میں یہ امر بھی واضح ہے کہ باقی ادیبوں نے اپنی کتب دوران ملازمت اپنے افسران کی ہمدردی سے شائع کرائی ہیں جن کے وہ احسان مند رہے ہوں گے، لی بی ڈف نے تن تنہا سے کام کیا تھا اس لیے اس کا انتساب اس نے کمپنی کے نام کیا جو ان کا ایسٹ انڈیا کمپنی سے عقیدت کا مظاہرہ بھی ہے۔

کتاب کے عنوانات کی تفصیل دیکھیں تو وہ کچھ یوں ہے۔ پہلا باب Articles and post position کے عنوان کے تحت ہے۔اس عنوان سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے اپنی گریمر کی ترتیب دیگر یا دوسرے انگریز قواعد نویسوں بالخصوص جارج ہیڈلے اور جان گل کرسٹ سے مختلف رکھی ہے۔گل کرسٹ کی گریمر کا آغاز Elements کے عنوان کے تحت ہوتا ہے جو دونوں کی قواعد نویسی کے طریقہ کار کے مختلف رجحان کو سامنے لاتا ہے۔اس ترتیب سے یہ بات سمجھنے میں آسانی رہتی ہے کہ انہوں نے گریمر کے مشمولات کے انتخاب میں اپنے طریقہ کار کو اپنانا زیادہ مناسب خیال کیا تھا۔

۹۔ کیپٹن جان فرگوسن (J. Ferguson) کی ہندوستانی لغت وقواعد نویسی

جارج ہیڈلے کی ہندوستانی گریمر ۱۷۷۲ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب کے آنے سے مناسب حد تک قواعد کتاب کی کمی تو پوری ہوگئی تھی لیکن ہندوستانی زبان کی جامع لغت کی کمی البتہ ابھی تک موجود تھی۔۱۷۷۳ء میں جان فرگوسن نے دو زبانی لغت شائع کی۔A Short Dictionary of Hindostan Language کے

عنوان سے شائع ہونے والی اس لغت کی خاص بات یہ تھی کہ یہ دو حصوں پر مشتمل تھی۔ پہلا حصہ انگلش ہندوستانی اور دوسرحصہ ہندوستانی انگلش الفاظ پر مشتمل تھا۔ اس لغت میں ہندوستانی زبان کے قواعد پر طویل دیباچہ شامل تھا۔ اگر چہ فرگوسن کا ارادہ قواعدی بحثوں کا نہیں تھا لیکن یہ دیباچہ خاصا طویل تھا۔ اس کی ضخامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی ضخامت جارج ہیڈ لے کی قواعد سے تقریباً دو گنا تھی۔ قواعدی مقالے میں فرگوسن کے ہاں کہیں کہیں اغلاط موجود تھیں جن کا اس کو ادراک تھا۔ چنانچہ تیج کرشنا بھاٹیا نے اس مقالے کو با قاعدہ گریمر کا درجہ دیا ہے۔ (۵۳) دراصل اس کی لغت انگلینڈ میں شائع ہوئی تھی اور اسے اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ ایک غیر ملکی کے لیے کسی دوسری زبان میں قواعدی کتاب لکھنا اتنا مستند نہیں ہوسکتا جتنا کسی مقامی کا ہوسکتا ہے۔

قواعد کو لغات کے دیباچے کے طور پر پیش کردینا اسی روایت کا اعادہ تھا جس کے تحت دونوں ضروریات کے لیے ایک ہی کتاب لکھنا کافی سمجھی جاتی تھی۔ فرگوسن کی کتاب کی البتہ انفرادیت یہ تھی کہ اس سے قبل لغت کے حصے کو قواعد کا حصہ بنادیا جاتا تھا لیکن اس نے اس کے برعکس قواعدی بحثوں کو لغت میں شامل کردیا ہے۔ بنجمن شلز اور جارج ہیڈ لے کی قواعدی کتب اسی طریقے کار کے تحت مرتب ہوئی تھیں۔ لغت کی ضرورت کے پیش نظر ہیڈ لے کی قواعد کی اشاعت (۱۷۷۲ء) کے اگلے سال ہی (۱۷۷۳ء میں) فرگوسن کی لغت شائع ہوئی۔ اس لغت کو دو زبانی لغت بنانے سے صرف غیر ملکی افراد کے لیے ہندوستانی زبان کو جاننا سیکھنا ہی ممکن نہ ہوا بلکہ مقامی افراد کے لیے انگریزی زبان سیکھنا سمجھنا آسان ہوگیا۔ فرگوسن کی لغت کے طریقہ کار جان گل کرسٹ نے آگے بڑھایا تھا اور اسی منہاج پر اپنی لغت ''اے ڈکشنری انگلش اینڈ ہندوستانی'' کو ترتیب دیا تھا۔ جان گل کرسٹ کا ارادہ بھی انگریزی ہندوستانی لغت کے بعد ہندوستانی انگریزی لغت شائع کرنے کا تھا لیکن بعد میں کچھ ایسے حالات بنے کہ اس دوسرے حصے کی اشاعت عمل میں نہ آسکی۔ اس سے فرگوسن کی لغت کی اہمیت واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ ڈاکٹر عتیق صدیقی نے اپنی کتاب ''گل کرسٹ اور اس کا عہد'' اور ابو سلمان شاہجہان پوری نے فرگوسن کی صرف ڈکشنری کا حوالہ دیا ہے اس کے ساتھ قواعدی حصے کو محض مقالے کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر تیج کرشنا بھاٹیا اس گریمر پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "Ferguson fisrt presents a sociolinguistic profile of Hindi [Hindoostanee]. For the first time, a definition of 'grammar' and its classification are presented in a Hindi grammar. His definition of grammar is similar to that of a prescriptive grammarian. Ferguson says that there are two types of

grammar_ universal and particular_ and then explains that his work explains that his work represents the latter type. Ferguson may have been first grammarian to exhibit a strong and systematic background ian the area of grammar studies.(54)

فرگوسن نے اپنی کتاب میں رومن رسم الخط استعمال کر کے مقامی زبان کو غیر ملکیوں کے لیے سمجھانے کی بہتر کوشش کی تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستانی حروف تہجی کے مختلف اندراجات' علامتوں کی پہچان اور استعمالات پر مباحث کو شامل کیا ہے۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ فرگوسن نے اس زبان کے مسموں کی تعداد چھتیس اور مصوتوں (Vowels) کی تعداد بیس بتائی ہے جو اس دور کے حساب سے ایک منفرد بات تھی۔ آج کی اردو گریمر میں بھی چھ سے زیادہ واولز کی تعداد نہیں بتائی جاتی لیکن فرگوسن اس دور میں یہ اہم بات اپنی کتاب میں لکھ گیا تھا۔ فرگوسن نے اپنی گریمر میں اجزائے کلام کو نو (۹) مختلف شعبوں میں تقسیم کیا تھا۔ تیج کرشنا بھاٹیا لکھتے ہیں'

"Ferguson classifies Hindi [hindoostanee] parts of speech into nine groups: article, noun, pronoun, adjective, verb, adverb, conjunction, interjection and case. His treatment of noun, pronouns, adjectives and verb has some striking similarities with those of his predecessors".(55)

فرگوسن کے قواعدی ڈھانچے کی مماثلتیں بنجمن شلز اور ہیڈ لے کی قواعد سے ملا کر ایک تقابلی مطالعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ تیج کرشنا بھاٹیا کے خیال کے مطابق فرگوسن نے شلز اور ہیڈ لے کے قواعدی کام سے جو چیزیں اخذ کی ہیں ان کو سرقے کی ذیل میں نہیں رکھا جا سکتا کیونکہ ان مستشرقین کے لیے ایک ہی ملک' ماحول اور زبان سے متعلقات زندگی کی مثالوں میں مماثلتوں کا پایا جانا فطری سی بات ہے۔ اس پر فرگوسن کو کسی تعریض کا شکار کر دینا مناسب نہیں۔ جان فرگوسن کو قواعد و لغت نویسی کی روایت میں جائز مقام نہیں ملا۔ مستقبل کا محقق و مورخ اس پر کام کرے گا تو اس کی قواعد کو کسی طور پر بھی ہیڈ لے اور ہمعصروں سے کم تر نہیں پائے گا۔ مستشرقین نے قواعد و لغت نویسی کے میدان میں جتنا کام مجموعی طور پر اردو زبان کے لیے کیا اس سے کہیں زیادہ لسانی کام جان گل کرسٹ تن تنہا سرانجام دے گئے۔ ذیل کے صفحات میں جان گل کرسٹ کی علمی و ادبی کاوشوں پر تفصیلاً روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(فصل دوم):

جان بورتھ وک گل کرسٹ کی علمی اور ادبی کاوشوں کا تفصیلی احوال

۱۰۔ فورٹ ولیم کالج سے قبل کی علمی کاوشیں

جان بورتھ وک گل کرسٹ (John Borthwick Gilchrist) اردو زبان و ادب کی تاریخ میں نمایاں مقام کے حامل اسکالر اور ماہر لسانیات تھے۔ وہ غیر ملکی افراد کی اس کھیپ میں ایک اہم اضافہ بن کر سامنے آئے جن کی بدولت ''ہندوستان اور ہندوستانیات (Indology) '' کے میدان میں حیرت انگیز اور نا قابل یقین کارنامے سامنے آئے۔ جان گل کرسٹ سر ولیم جونز کے ہم عصر تھے۔ جان گل کرسٹ کی ذات میں ایک محقق، ماہر لسانیات، نقاد، شاعر، مہم جو کی صفات یکجا تھیں جن کی بدولت اردو اور ہندی زبان و ادب کی ذیل میں بہترین ادبی و لسانی کام کا اضافہ ہوا۔ ان کی سب سے بڑی عطا یہ تھی کہ انہوں نے ہندوستان آ کر نہ صرف اس کی ثقافتی، لسانی اور تعلیمی ورثے کو نئے سرے سے دریافت کیا بلکہ اسے مالا مال بھی کیا۔ اس نے اردو اور ہندی ادب کے اس جدید نثری اسلوب کا آغاز کیا جس پر چلتے چلتے یہ زبان آج ترقی کی شاہراہ رواں دواں ہے۔ اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو ممکن ہے کہ یہ زبان آج اتنی ترقی یافتہ بن کر سامنے نہ آتی۔

جان گل کرسٹ سے قبل مستشرقین کی روایت کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے قبل، اردو (ہندوستانی) زبان کی گریمر اور لغت نویسی کا آغاز ہو چکا تھا اور ان میں کچھ کتب خاص اہمیت کی حامل بھی قرار پائیں لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ پر اہم ہے کہ وہ پہلے انگریز مصنف تھے، جنہوں نے پوری سنجیدگی، صداقت اور محنت کے ساتھ اردو قواعد اور لغت نویسی کے میدان میں خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں؛

> ''گل کرسٹ بلا شبہ پہلے انگریز مصنف ہیں جنہوں نے اردو زبان، اس کی لغت اور قواعد اور اس کی ادبی تاریخ پر پوری سنجیدگی سے توجہ کی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس زبان کے لسانی پہلوؤں کی تحقیق اور تنقید کے لیے راہ ہموار کی۔ یہ بات بظاہر بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ گل کرسٹ جو ہمارے سامنے ایک ماہر لسانیات اور زبان دان کی حیثیت سے آتے

ہیں' اصلاً طب کے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں اور انہوں نے اپنی تعلیم ایڈنبرا میں حاصل کی تھی''۔(۵۶)

جان بورتھ گل کرسٹ اسکاٹ لینڈ کے اہم شہر ایڈن برگ (Edinburg) میں ۱۹ جون ۱۷۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ والدین کی طرف سے ان کا اصل نام ''جان ہے'' (John Hay) تھا جو ان کی پیدائش کے تین دن بعد درج کرا دیا گیا۔ بعد میں جان گل کرسٹ نے "Hay" کا حصہ گل کرسٹ سے تبدیل کر لیا تھا جو ان کے خاندان کا نام (Family Name) تھا۔(۵۷) ان کے والد کا نام Walter اور ماں کا نام Henrietta تھا۔ گل کرسٹ کے والدین کی شادی ۸ اگست ۱۷۵۶ء کو ہوئی۔ گل کرسٹ کی بڑی بہن Helen ۱۸' اکتوبر ۱۷۵۷ء کو پیدا ہوئی۔ ۱۹ جون ۱۷۵۹ء کی جان گل کرسٹ پیدا ہوئے۔ یہ دونوں بچے بدقسمتی سے شروع سے ہی والدین کی علیحدگی اور غربت کے ماحول میں پیدا ہونے کے باعث مشکلات کا شکار رہے۔ جان گل کرسٹ کی پیدائش کے فوراً بعد ان کے والد بیوی بچوں کو چھوڑ کر امریکا چلے گئے۔ جب جان کی عمر ۱۰ سال ہوئی تو ان کی ماں بھی شمالی امریکہ ان کے والد صاحب کی تلاش میں چلی گئی اور پھر وہاں شوہر کی تلاش میں کامیاب نہ ہونے کے باعث ایک شخص John Mcgrath سے شادی کر کے وہیں مقیم ہو گئی اور دونوں بہن بھائیوں کو خدا کے آسرے پر چھوڑ دیا۔ گل کرسٹ کے بارے میں اردو دنیا میں یہ معلومات اس سے قبل کسی کتاب یا مضمون کا حصہ نہیں بنیں۔ یہ معلومات گل کرسٹ کی رچرڈ سٹیڈ مین جونز کے مقالے کا حصہ ہے اور یہی کتاب ہماری ان معلومات کا ماخذ ہے۔ گل کرسٹ کی بہن بھی اس کا ساتھ چھوڑ کر شادی کر کے اٹلانٹک چلی گئی۔(۵۸) اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہ عظیم نابغہ روزگار اسکالر بچپن سے ہی شدید محرومیوں اور تکالیف میں گھر گیا۔ جان گل کرسٹ اپنے والد کی تلاش میں بڑا عرصہ سفر میں رہے اور حتیٰ کہ اخبار میں اشتہارات بھی دیے لیکن باپ سے رابطہ کبھی نہیں ہوا۔ غالباً ہندوستان آمد سے قبل ان کا ویسٹ انڈیز جانا باپ کی تلاش کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے متعلق مواد نہیں ملتا۔

ان کے حالات زندگی اور دیگر سوانحی حالات و کوائف مفقود ہیں۔ عام طور پر تواریخ ادب و لسانیات میں ان کے ہندوستان سفر کے بعد کے حالات بھی دستیاب نہیں لیکن ان کے سوانحی حالات بکھری صورت میں میں ان کی کتب کے دیباچوں سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں ان پر انگلستان میں ایک کتاب چھپی تھی جسے پروفیسر رچرڈ سٹیڈ مین جونز (Richard Steadman Jones) نے Colonialism and Grammatical Representation: John Gilchrist and the Analys's of the Hindustani

.Language کے عنوان سے لکھا۔اس کتاب کے ابتدائی تعارفی حصے میں پروفیسر جونز نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کی سوانح پر ایک کتاب بعنوان "A Succinct Narrative of Dr. Gilchrist's Services (from 1782 to 1821) ان کے انڈیا سے انگلستان واپس جانے کے تقریباً چالیس سال بعد شائع ہوئی تھی۔مصنف کا خیال ہے کہ یہ کتاب گو بظاہر کسی Third Person کی تحریر ہے لیکن درحقیقت یہ کتاب بھی گل کرسٹ نے اس صیغے میں خود لکھی ہے یا ان کا اس کے لکھنے میں ہاتھ ہے۔وہ لکھتے ہیں'

> "Some 40 years later, long after Gilchrist had returned from India and at a time when his relations with the Honourable company had somewhat soured, a biographical work appeared under the title of "A Succinct Narrative of Dr. Gilchrist's services from 1782 to 1821. Despite the fact that it is written in the third person, the defensive tone of the work makes it clear that the man himself had at least a hand in its composition and the entire text constitutes a self-justificatory account of his actions over the previous four dacades".(59)

گل کرسٹ نے ۱۴ سال کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد طب کے شعبے میں جانا پسند کیا۔انہوں نے ۱۷۷۴ء میں جارج ہیریٹ سے سکول کی تعلیم مکمل کی تھی اور پھر میڈیکل کے شعبے میں اپرنٹس شپ کی تھی۔وہ یونیورسٹی سطح کے تعلیم یافتہ نہیں تھے جسے ڈاکٹر کہا جائے بلکہ وہ محض طب کے شعبے میں ڈپلومہ ہولڈر تھے نہ کہ مکمل ڈاکٹر۔(ڈاکٹر کی اعزازی ڈگری ان کو ۱۸۰۴ء میں ملی تھی)۔انہوں نے جارج ہیریٹ ہسپتال میں ایک سرجن ڈاکٹر فال کرک (Falkirk) کے ساتھ بطور اسسٹنٹ کے طب کی تعلیم حاصل کی۔چند سالوں کی میڈیکل پریکٹس کرنے کے بعد وہ اس میدان میں اتنے ماہر ہو گئے تھے کہ رائل نیوی میں سرجن ڈاکٹر کے مددگار کے طور پر نوکری کرتے رہے۔ان کی

مہارت اور خدمات کو تسلیم کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنگال پریذی ڈنسی میں ان کو ہندوستان میں اسسٹنٹ سرجن کی نوکری مل گئی''۔(۶۰)

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۷۵۷ء کے بعد بنگال پر حکمرانی شروع کی تو اس کے بعد اس کے استعماری و حکمرانی کے منصوبے سے انگلستان کے نوجوانوں میں خاص طور پر ہندوستان کے خطے سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ بہت سے نوجوانوں نے اپنا کیریئر اسی سے شروع کرنے کی کوششیں کیں جن میں گل کرسٹ بھی شامل تھے۔ وہ ہندوستان آنے سے قبل ویسٹ انڈیز گئے تھے تاکہ وہاں سے نیل کی کاشت کے طریقے سیکھ سکیں۔ ویسٹ انڈیز کے سفر سے ان کو نیل کی کاشت کا تجربہ حاصل ہوا جس کا عملی مظاہرہ انہوں نے ہندوستان کے شہر غازی پور میں کیا تھا۔ نیل کی کاشت ان کو زیادہ راس نہ آئی تھی لیکن نیل کی کاشت کا ان کے سفر ویسٹ انڈیز سے ایک تعلق بنتا ہے۔ ویسٹ انڈیز کے بعد انہوں نے ہندوستان کی طرف قسمت آزمائی کا ارادہ کیا اور ۱۷۸۲ء میں بمبئی آ گئے۔ ۱۳ اپریل ۱۷۸۳ء کو بنگال اسٹیبلشمنٹ کے بمبئی تعینات دستے میں اسسٹنٹ سرجن کے عہدے پر تعینات کیا گیا۔ بنگال آرمی کے اس دستے کی کمان کرنل مارگن کر رہے تھے۔ ان کی سفارش پر گل کرسٹ کا تقرر کیا گیا تھا۔ چونکہ یہ دستہ ان دنوں بمبئی میں تعینات تھا۔ اس لیے Bombay Detachment کہلایا۔ اس دستے کا تبادلہ ۱۷۸۳ء میں سورت کے مقام سے فتح گڑھ کر دیا گیا جو کہ اُتر پردیش کا ایک شہر تھا۔ اس علاقے کی عسکری اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے انگریزوں نے اس شہر کو ایک بڑی چھاؤنی میں تبدیل کر دیا تھا۔ یوپی کے علاقے میں گل کرسٹ کا آنا اس کو ایک نئے راستے پر ڈال گیا۔ اس شہر میں سکونت سے ان کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ ہندوستانی زبان دکن سے لے کر شمال تک کے مرکزی علاقوں میں بولی سمجھی جارہی تھی۔ یہ زبان رابطے کی زبان 'Lingua Franka' کے طور پر کامیابی سے بروئے کار لائی جارہی تھی۔ لیکن ان کی نگہِ دوررس نے مستقبل میں اس زبان کی اہمیت کو محسوس کر لیا چنانچہ اس کو سیکھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوسرے اہم وجہ اس کے پیشے کے لیے مقامی زبان کی اہمیت بھی تھی۔

ہندوستان آنے کے بعد گل کرسٹ کو میڈیکل شعبے سے متعلق ہونے پر بعض اوقات مقامی افراد اور مریضوں سے سابقہ پڑتا تھا۔ ایک مقامی مریض کے مرض اور اس کی کیفیات کو کسی ڈاکٹر کے لیے اس وقت سمجھنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جبکہ وہ اس کی زبان سے واقفیت نہ رکھتا ہو۔ اس وقت گل کرسٹ کو یہ احساس ہوا کہ اگر اس ملک میں رہنا ہے تو اس کی زبان سے واقف ہوئے بغیر کسی بھی میدان میں ترقی نہ کی جا سکے گی۔ یہ بات بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ گو اس عہد میں سرکاری زبان کا درجہ فارسی کے پاس تھا لیکن دکن اور بنگال کے علاقوں میں اس کے ساتھ ساتھ ہندوستانی زبان بھی کثرت سے بولی جاتی تھی۔ گل کرسٹ نے محسوس کیا کہ فارسی سے قطع نظر ہندوستانی زبان

پورے ہندوستان میں رابطے کی زبان کے طور پر اپنی جگہ بنا چکی ہے۔ چنانچہ انھوں نے پہلی فرصت میں ہندوستان کی مقامی زبان سیکھنے کا ارادہ بنایا۔ دراصل ان کا ارادہ ۱۷۸۲ء میں ہی ہندوستانی زبان سیکھنے کا بن گیا تھا تا کہ اس کی مدد سے وہ نہ صرف اپنی ملازمت میں مقامی زبان سے عدم واقفیت سے آنے والی پیچیدگیوں سے بچ سکیں۔ چنانچہ وہ اس دور میں Moors کہلانے والی اردو زبان سیکھنے کے لے جم کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم لکھتی ہیں'

''ہندوستان آنے کے فوراً بعد ہی گل کرسٹ نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ یہاں کی مقامی زبان (Moors) سے واقفیت ناگزیر ہے۔ ورنہ وہ نہ تو یہاں کی زندگی سے لطف اندوز ہو سکیں گے' نہ یہاں کی طرز معاشرت سے واقف ہو سکیں گے اور نہ ہی مقامی باشندوں کے قریب آ سکیں گے۔ اس کے علاوہ برٹش حکومت کے استحکام میں بھی اپنی ذات سے معاون نہیں ہو سکتے۔ اس خیال کے ساتھ ہی انہوں نے ہندوستانی سیکھنے کے لیے کوششیں تیز کر دیں اس راہ میں انہیں سودا کے کلیات سے بہت مدد ملی۔ اس دور میں انہوں نے ہندوستانی زبان کی لغت اور قواعد مرتب کرنے کا ارادہ کیا''۔ (۶۱)

اس زبان کی زیادہ اہمیت کا اندازہ ان کو مختلف شہروں کے سفر کے بعد بھی بخوبی ہوا۔ چنانچہ جس دور میں گل کرسٹ ہندوستانی زبان کو سیکھنے کے مراحل میں تھے' اسی عہد میں انہوں نے زبان کی لغت اور قواعد لکھنے کا ارادہ بنا لیا تھا۔ اس دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی اس بات سے کافی مطمئن تھی کہ اس کے ملازمین ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی کا ضروری علم رکھتے تھے لیکن گل کرسٹ اس علم کو ناکافی سمجھ کر دراصل دور کی سوچ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ لوگوں کے ساتھ موثر رابطے کے لیے دراصل اس زبان کو سیکھنا انگریزوں کے لیے ناگزیر ہو جائے گا۔ جو گلی کوچوں کی زبان ہے۔ اس عہد میں اس زبان کو Moors کا نام بھی دے دیا گیا تھا جو گل کرسٹ نے پسند نہیں کیا۔

گل کرسٹ کا ذہنی رجحان لکھنے لکھانے کی طرف کیوں تھا اس کا جائزہ آج تک کسی اردو کتاب میں نہیں لیا گیا۔ کہ یہ دیکھا جائے کہ طب کا میدان چھوڑ کر زبان و ادب کی طرف ان کی ذہنی مناسبت کیوں تھی۔ یہ امر پیش نظر رکھا جانا ضروری ہے کہ وہ انگریزی نظم کے شاعر کے طور پر بھی ادبی منظرنامے کا حصہ بنے تھے۔ انہوں نے ہندوستان آنے سے قبل خوبصورت انگریزی نظمیں تحریر کی تھیں جو لندن یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ رہ گئی تھیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے ۱۹۷۷ء میں ان کو تلاش کر کے مرتب کیا تھا۔ اور یہ کتاب Poems of John

Gilchrist کے نام سے لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ نظموں کے مطالعے سے بطور شاعر ان کی نئی حیثیت سامنے آتی ہے۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زبان وادب سے دلچسپی ہونا محض نوآبادیاتی لسانی منصوبے کی تشکیل اور خدمت ہی محرک نہ تھا بلکہ گل کرسٹ بطور شاعر ادب سے ایک تعلق کے حامل تھے۔مختلف موضوعات پر چودہ نظمیں اس کتاب کا حصہ ہیں۔تعارفی حصے میں ان نظموں کے تحریر ہونے کی تاریخ ۲۳ اگست ۱۷۸۰ء درج ہے جو ہندوستان آنے سے قبل کا دور ہے۔ پہلی نظم گل کرسٹ نے اپنے کسی دوست کی وفات پر لکھی تھی۔جس کا عنوان ہے "The Death of a Friend" یہ نظم ۲۰ دسمبر ۱۷۷۸ء کو گریناڈا کے جزیرے پر لکھی گئی تھی۔نظم میں انسان دوستی اور فنا وبقا کے موضوع پر شاعر کے جذبات کا خوبصورت اظہار ملتا ہے۔نظم کا آہنگ ملاحظہ ہو:

Poor William who lately set sail,

And bade you farewell on the

shore,

came here with a prosperous gale,

But ah you will see him no more.

With diamonds, our rocks are not

crown'd,

Nor with gold are the sads cover'd

o'er,

But fatal diseases abound,

Diseases you know before.(62)

گل کرسٹ کی دیگر نظموں میں سفر وحضر کی کیفیات میں لکھی جانے والی نظمیں موجود ہیں۔موت سے متعلق ایک اور نظم Death of Humming Bired موجود ہے۔اپنے شہر ایڈن برگ سے ایک دوست کی رخصتی پر نظم کتاب کا حصہ ہے۔ایک نظم ویسٹ انڈیز سے انگلینڈ کے شہر Liverpool سے واپسی کے سفر سے متعلق جذبات وتاثرات کی حامل ہے۔ گنتی کی ان چند نظموں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گل کرسٹ کی اوائل عمری کی اس شاعری میں ایک بڑا انگریزی شاعر بول رہا تھا۔اگر گل کرسٹ کو موقع ملتا تو وہ بڑے شاعر کے طور

پر سامنے آسکتے تھے۔ ان کی یہ نظمیں ان کو ایک ادیب کے طور پر متعارف کرانے میں کامیاب ہیں۔ ہندوستان آنے کے بعد جان گل کرسٹ کو گو شاعری کا موقع نہ ملا لیکن اپنی کتب ''ہندوستانی گریمر'' اور ''ہندی۔ مورل پری سیپٹر'' میں انہوں نے جس شاعرانہ خوبیوں سے مزین اسلوب کے ساتھ سودا اور شیخ سعدی کے شعری تراجم انگریزی زبان میں پیش کیے ہیں وہ گل کرسٹ کے اندر چھپے ہوئے ادیب کی ہلکی سی جھلک ضرور دکھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گل کرسٹ سودا' مسکین' ولی اور کئی شعراء کی شاعری کی طرف متوجہ رہے تھے۔

اس زمانے میں جارج ہیڈلے کی قواعد اردو زبان کے سیکھنے لیے بہترین خیال کی جاتی تھی اور نو وارد انگریزوں کے مطالعے میں رہتی تھی۔ اس کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر ہی اس کتاب کے زیادہ ایڈیشن شائع ہوئے تھے۔ گل کرسٹ کو بھی اس کتاب سے مدد لینا پڑی لیکن یہ کتاب ان کو زیادہ متاثر نہ کر سکی۔ چنانچہ اس کام کے لیے انہوں نے کسی مقامی منشی کی خدمات مستعار لیں۔ منشی نے ہیڈلے کی کتاب سے استفادہ کو ناکافی قرار دے کر ان کو اس سے باز رہنے کا مشورہ دیا جس کا ذکر ان کے ضمیمے کے دیباچے میں موجود ہے۔ منشی سے زبان کے سیکھنے کا کام بھی اتنی تیزی سے جاری نہ تھا کہ ان کو ان کے ایک کیپٹن دوست نے اٹھارہویں صدی کے ایک بڑے استاد کلاسیکی شاعر مرزا رفیع سودا کے کلام سے استفادہ کا مشورہ دیا۔ اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے سودا کی شاعری کا مطالعہ کیا تو اس سے ان کو اس زبان کی عوامی جہات کے ساتھ ساتھ ادبی جہات کا بھی علم ہوا اور اس تجربے نے ان کو لطف و انبساط کی وادی میں دھکیل دیا۔ مرزا رفیع سودا سے موانست کا رشتہ تا حیات برقرار رہا اور ان کی تحریروں میں سودا کی شاعری رواج پا گئی تھی۔

جان گل کرسٹ نے مقامی منشیوں' ساتھی انگریزوں اور سودا کی شاعری سے کافی حد تک اردو زبان کا علم حاصل کیا۔ دوسرے مرحلے میں انہوں نے اس زبان کی تحصیل شروع کی جو کتابوں سے باہر عوامی بول چال کی صورت میں شمالی ہندوستان میں موجود تھی۔ عوامی اجتماعات سے لے کر گلی کوچوں میں موجود زبان کا عوامی لب ولہجہ' الفاظ' سلینگ (Slang) الفاظ' اشرافیہ و عوامی لب و لہجے کی نزاکتیں' تلفظ کا تبدیل ہوتا ڈھانچہ' ان تمام امتیازات کے لیے گل کرسٹ کو ہندوستان کے گلی کوچوں کی خاک چھاننا پڑی۔ چنانچہ اپنی ملازمت کے تقریباً دو سال بعد ۲ جنوری ۱۷۸۵ء میں انہوں نے اپنی ملازمت سے ایک سال کی رخصت کی درخواست دی۔ اس درخواست میں استدعا کی گئی تھی کہ اس کام کے لیے رخصت کے دوران ان کی تنخواہ اور دیگر الاؤنسز بحال رکھے جائیں۔ رخصت منظور ہونے سے قبل ہی وہ زبانوں کی تحصیل اور اپنے اشاعتی منصوبوں کے لیے مواد تلاش کے لیے لکھنؤ' فیض آباد' الہ آباد' جون پور' بنارس اور اتر پردیش کے باقی شہروں میں لغت و قواعد کے لیے مواد کی تلاش میں عازمِ سفر ہوئے اور پھر کبھی

میڈیکل کے شعبے کی ملازمت پر واپس نہ آئے۔(۶۳)

گل کرسٹ نے اردو زبان کی تحصیل کے دوران موجود دشواریوں کا سامنا کرنے کے بعد ان کے حل کے لیے کام کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اس کے منصوبے کا نام ہندوستانی فلالوجی (Hindoostanee Philology) تھا۔ اس منصوبے کے تحت انہوں نے اس زبان کی قواعد و لغت لکھنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لیے مواد کی فراہمی ایک مشکل امر تھا اس وجہ سے رخصت لی اور اس مقصد کے لیے شمالی ہند کے باقی شہروں کا سفر اختیار کیا۔ فیض آباد شہر میں طویل عرصے تک سکونت سے فلالوجی کے سلسلے کی پہلی کتاب A Dictionary, English and Hindoostanee... کی پہلی جلد اور اس کی طباعت کے لیے کلکتہ عازم سفر ہوئے۔ ۱۷۸۶ء میں ان کی پہلی کتاب انگریزی ہندوستانی لغت شائع ہوئی۔ اس لغت کی اشاعت سے ان کے فلالوجی کے منصوبے کے سلسلے کا پہلا شاہکار سامنے آیا اور اپنی اہمیت منوانے میں کامیاب رہا۔ عام طور پر گل کرسٹ پر تعارفی نوعیت کی کتابوں میں لغت کا سن اشاعت ۱۷۸۷ء دیکھا جاتا ہے لیکن راقم کے پاس اس کتاب کا نسخہ موجود ہے جس پر سن اشاعت اگست ۱۷۸۶ء درج ہے۔

دوسرے مرحلے میں فیض آباد سے غازی پور کو ہجرت کی اور یہاں پر (۱۷۸۷ء سے لے کر ۱۷۹۵ء تک تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گزارا۔ غازی پور میں لسانی اشاعتی منصوبوں پر کام کے ساتھ ساتھ نیل کی کاشت بھی سرکار کی اجازت سے جاری رکھی۔ یہ تجربہ اتنا سودمند ثابت نہ ہو سکا۔ انگریزی ہندوستانی لغت کی پہلی جلد اشاعت کے بعد سے گل کرسٹ کو شہرت و ناموری تو مل گئی تھی لیکن ان کے معاشی حالات اس طور پر بہتر نہ ہو سکے تھے جس قدر ان کو امید تھی۔ چنانچہ دوسری لغت کی اشاعت سے قبل کا دور ان کے لئے سخت معاشی حالات کا دور ثابت ہوا۔ اس عہد میں صحت کی خرابی سرمائے کی کمی جیسے مسائل نے ان کو بے چین کیے رکھا۔ نیل کی کاشت کا تجربہ ابتلا کے دور کی سختیاں کم کرنے کی ہی ایک سعی تھی لیکن زیادہ سودمند نہ رہا۔ اس دور میں ان کے انگریز دوستوں نے اور افسران نے ان پر کمال مہربانی کی ان کی تنخواہ سمیت رخصت بڑھا دی۔ ان افراد میں سرجان شور، لارڈ ولزلی اور میجر کرک پیٹرک کے نام شامل ہیں۔ اس عنایت سے گل کرسٹ کو ایک طرف سے تو سکون ملا لیکن دوسری لغت کی اشاعت جبھی ممکن ہو سکی کہ ان کو اس کے حقوق گروی رکھ کر قرض لینا پڑا۔ صدیق الرحمٰن قدوائی لکھتے ہیں؛

"Thanks to some of his sympatuisers like sir John Shore, lord Wellesley and Major

Kirkpatrick, Gilchrist get patronage which helped him through grant of further leave, allowances and grants for preparation and publication of his work. But even after this he had to mortgage to his printers all his rights in the Hindoostanee Grammar and Dictionary and in 1791, had to apply for company's help to clear his debt of Rs.12.000".(64)

۱۷۹۰ء میں انگریزی ہندوستانی لغت (A Dictionary, English and Hindoostanee) کی دوسری جلد کی اشاعت عمل میں آئی۔ جلد اول میں انگریزی حرف 'K' تک کے الفاظ کو شامل کیا گیا تھا۔ دوسری جلد میں 'L' سے لے کر 'Z' تک کے الفاظ کے متعلقات کو شامل کر کے ہندوستان فلالوجی کے سلسلے کی دوسری کتاب شائع کر دی گئی۔ گل کرسٹ کا ارادہ تھا کہ 'ہندوستانی گریمر' بھی لغت کے ساتھ ہی شائع ہوتی لیکن شدید مالی مشکلات اور دوسرے دوست مسٹر چارٹر کے صحت کے مسائل اور یورپ واپسی کی وجہ سے گریمر کی اشاعت کا منصوبہ ملتوی کرنا پڑا۔ یہ وہی ساتھی تھے جو ان کے بزنس پارٹنر تھے اور انہوں نے ان کو مالی مشکلات سے نکالنے کے لیے نیل کی کاشت کے کاروبار میں سخت محنت کی تھی لیکن ان کی صحت بھی خراب رہنے لگ گئی تھی۔ وہ تو کاروبار ختم کر کے یورپ واپس چلے گئے لیکن گل کرسٹ نے ہمت نہیں ہاری اور کلکتہ مراجعت کی۔ ۱۷۹۵ء میں وہ "گریمر" کی طرف متوجہ ہوئے اور اس ادھورے کام کو ۱۷۹۶ء میں اشاعت کے مرحلے تک پہنچا دیا۔

۱۷۹۶ء میں گل کرسٹ نے ہندوستانی فلالوجی کے منصوبے کے تحت تیسری کتاب A Grammar of Hindoostanee Language شائع کی۔ یہ کتاب کرانیکل پریس کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی لغت و قواعد کے سلسلے کا یہ منصوبہ اصلاً مکمل ہو گیا تھا۔ (قواعد پر باب نمبر چار میں تفصیلی بحث کی جائے گی)۔ لغت و قواعد پر ایک ضمیمہ جس کا نام "Appendix" تھا ۱۷۹۸ء میں شائع کر کے فلالوجی کے تین حصے مکمل کیے۔ دراصل گل کرسٹ نے ہندوستانی فلالوجی کے سلسلے میں چار کتب کی اشاعت کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبے کے تحت پہلی انگریزی ہندوستانی ڈکشنری دو حصوں میں شائع ہو گئی تھی۔ دوسری کتاب ہندوستانی انگریزی لغت لکھنے کا ارادہ تھا جو بوجوہ پورا نہ ہو سکا۔ (۶۵) اس لیے اس کو چھوڑ کر انہوں نے یہ منصوبہ تین کتابوں کی اشاعت

تک محدود کر دیا تھا۔ جو لغت' قواعد اور Appendix کی صورت میں چار جلدوں میں شائع ہوا تھا۔ ان کتب کا مواد انہوں نے اپنے قیام غازی پور کے دوران ہی اکٹھا کر کے اس کا مسودہ تیار کر لیا تھا۔ قیام یہ عرصہ ۱۷۸۷ء سے لے کر ۱۷۹۴ء تک کے عہد پر مشتمل تھا۔ ان مسودوں میں گریمر کی اشاعت تو ۱۷۹۶ء میں عمل میں آ گئی تھی لیکن Appendix (ضمیمہ) کی اشاعت کے لیے دو سال صبر کرنا پڑا تب کہیں جا کر یہ حصہ شائع ہوا۔ عتیق صدیقی لکھتے ہیں؛

> ''سولہ سال ۱۷۸۲ء سے ۱۷۹۸ء تک' راہ کی دشواریوں کا' جو بے حساب تھیں اور ہمت شکن حلات کا' جن کی گرد و پیش فروانی تھی' وہ مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا۔ بالآخرِ آخرکار اس کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی۔ گل کرسٹ سات سال (۱۷۸۷ء سے ۱۷۹۴ء) تک اتر پردیش کے شہر غازی میں مقیم رہا۔ اس دوران میں اس کی پہلی کتاب انگریزی ہندوستانی لغت چھپ کر منظر عام پر آئی اور یہیں بیٹھ کر اس نے ہندوستانی زبان کے قواعد کا اور لغت و قواعد کے ''ضمیمہ'' کا مسودہ تیار کیا''۔ (۶۶)

۱۷۹۸ء میں جان گل کرسٹ نے ہندوستانی فلالوجی کے سلسلے کی چوتھی کتاب "Appendix to the English and Hindoostanee Dictionary" شائع کی۔ یہ کتاب ترتیب کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر شائع ہوئی تھی لیکن ان کی کوشش تھی کہ لغت کے بعد جلدی سے ہندوستانی گریمر کی اشاعت عمل میں آ جائے جو اس کے ذاتی و معاشی مسائل کی وجہ سے التواء کا شکار ہو کر ۱۷۹۶ء سے پہلے شائع نہ ہو سکی تھی۔ Appendix کے دیباچے میں ان کے سوانحی حالات و کوائف کے بارے میں مختصر سی جھلک ملتی ہے۔ اس کی مدد سے ان کی ہندوستان آمد' ملازمت' مشرقی زبانوں کی تحصیل و تدریس اور فلالوجی کے منصوبوں کی اشاعت کو واضح انداز سے سمجھا جا سکتا ہے۔

Appendix کے بارے میں مزید معلومات میں یہ بات شامل ہے کہ اس میں الفاظ کے معنی رومن رسم الخط میں پیش کیے گئے ہیں۔ (پاکستان میں یہ کتاب نایاب ہے۔ تلاش بسیار کے باوجود گوگل اور انٹرنیٹ سے یہ کتاب دریافت نہیں ہو سکی۔ البتہ انڈیا کی نیشنل لائبریری کلکتہ میں اس کتاب کا نسخہ موجود ہے جہاں تک رسائی ممکن

نہ ہو سکی۔ اس لیے ضمیمے کے مشمولات اور مواد کے بارے میں مزید معلومات کا فقدان ہے)۔ عتیق صدیقی کی فراہم کردہ معلومات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب کے شروع میں کتاب کے بکنے کی اطلاع اور قیمت کی تبدیلی کی اطلاع خریداروں کو دی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گل کرسٹ نے اپنی لغت کو دو حصوں میں کیوں تقسیم کر دیا تھا۔ لغت کی اگلی اشاعت میں Appendix کو ہر جلد (اول و دوم) کے آخر میں شامل کر دیا گیا تھا جو دستیاب ہے۔

۱۷۹۸ء میں گل کرسٹ کی پانچویں کتاب Oriental Linguist شائع ہوئی۔ اس کا پورا نام یوں ہے۔

"Oriental Linguist an easy and Familiar Introduction to the Hindoostanee or Grand popular Language of Hindoostan. (Vulgarly but improperly called Moors) by the Author of the English and Hindoostanee Dictionary." (J.B. Gilchrist)

کتاب کا دوسرا ایڈیشن ترمیم و اضافوں کے ساتھ ۱۸۰۲ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب Perris-Post Press کلکتہ سے شائع ہوئی۔ کتاب کے سرورق میں اور چوتھے (یعنی پہلے مصرعے) کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ گمان ہے کہ یہ مصرعہ اس وقت ان کے ذہن سے محو ہو گیا ہوگا۔ یہ تین مصرعے رومن خط میں لکھے گئے ہیں جو یوں ہیں۔

"__________ سوتوں کی نیند میں کرنے کو خلل جاؤں گا"۔

"نطق کہتا ہے میرا آج یہ ہر ناطق سے آن کر ہونٹھ ابھی طوطی کے مل جاؤں گا"۔ (۶۷) "سودا"

طوطے کی طرح رٹے رٹائے الفاظ و مفاہیم کی جگالی کرنے والوں پر سودا کا طنز تو کسی اور پس منظر کا غماز ہوگا لیکن گل کرسٹ نے اس شعر کا انتخاب اور اس کو کتاب کے سرورق پر لکھنا ان کی شخصیت کی نفسیاتی برتری کے ساتھ ساتھ اپنی کتاب میں دیے گئے کام کی اہمیت کو بھی واضح کرنے کا کام بخوبی سرانجام دے رہا ہے۔ یہ کتاب اپنے مشمولات کے حوالے سے کوئی بہت مختلف اور منفرد کتاب نہیں ہے۔ کتاب کے شروع میں تعارفی باب Introduction کے عنوان سے موجود ہے۔ جو خاصا طویل ہے اور اس کے صفحات کو رومن گنتی سے لکھے

سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ اضافی معلومات ہیں، جو کتاب کا حصہ نہیں ہیں لیکن چونکہ کتاب کے مشمولات سے ملتی جلتی ہیں اس لیے ان کو اس کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔اس حصے میں ہندوستانی زبان‘ ہندی زبان میں فرق کو واضح کیا گیا ہے۔ اس میں گل کرسٹ نے انگریزی زبان میں فرنچ اور لاطینی الفاظ کی موجودگی کی مثال کو عربی فارسی سے تطبیق دے کر ہندوستانی زبان اور اس کی ساخت میں شامل مختلف زبانوں کا کردار واضح کیا ہے۔یعنی جس طرح لاطینی‘ اور فرنچ زبانوں کے سیکسن زبان میں مشمولیت سے نئی زبان انگریزی کے نام سے سامنے آئی اس طرح ہندوی زبان میں عربی اور فارسی شامل ہو کر ہندوستانی زبان میں تبدیلی ہوگئیں تھی۔گل کرسٹ کی اس مثال سے ایک اہم بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ہندوی اور ہندوستانی دو الگ مزاج کی بولیاں تھیں اور یہ کہ جو نشانی وہ بتاتے ہیں اس سے ہندوستانی زبان بلاشبہ اردو زبان ہی ہے۔

کتاب کا پہلا حصہ ’’قواعد‘‘ کے مباحث پر مشتمل ہے۔ان میں حروف علم ہجا‘ زبان کی بنیادی آوازیں‘ اسم‘ آرٹیکل‘ ضمیریں‘ فعل اور متعلقات فعل کے مباحث شامل ہیں۔ یہ تمام اجزاء اسی طرح دوسرے حصے میں مشرقی لسانیات میں استعمال ہونے والی تکنیکی اصطلاحات‘ اردو زبان میں گنتی کے طریقے‘ ہفتے مہینے سال انگریزی‘ اردو‘ مقامی بول چال کے مطابق درج کیے گئے ہیں۔آخر میں انگریزی ہندوستانی اور ہندوستانی انگریزی الفاظ کی ایک مختصر سی لغت دی گئی ہے۔اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ غیر ملکی افراد کو مختصراً ایک ہی کتاب میں ضروری معلومات اور بول چال کے استعمالات پر مشتمل کتاب مہیا کی جائے۔ جو مختصر وقت میں ان کو مقامی زبان کے ضروری استعمالات کے قابل بنا دے۔اوری اینٹل لنگوئسٹ کے بارے میں عتیق صدیقی لکھتے ہیں‘

> ’’مشرقی زبان دان [Oriental Linguist] میں ہندوستانی رسم خط سرے سے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔اس کے پہلے دو باب۔قواعد ۱۶ صفحات اور انگریزی ہندوستانی لغت (۵۴ صفحات) میں اس کی پہلی تین کتابوں کا خلاصہ تھا۔لیکن اس تیسرا باب جو ہندوستانی۔انگریزی لغت پر مشتمل ہے‘ یقیناً نیا اور قابل قدر اضافہ تھا۔اس نئے اضافے شدہ حصے کو بھی گل کرسٹ کتاب شکل میں شایع کرنا چاہتا تھا۔لیکن بعض دشواریوں کی وجہ سے یہ کام وہ پورا نہ کر سکا‘‘۔(۶۸)

اس کتاب کے چوتھے باب میں انہوں نے ہندوستانی زبان کی چند کہانیوں کو شامل کیا۔یہ کہانیاں نہ صرف ہندوستانی افراد اور ادب کو سمجھنے کی ایک کاوش تھی دوسرا یہ ان کے ہندوستانی نثر میں دلچسپی کی غمازی بھی کر رہا تھا۔اہم

بات یہ ہوئی کہ ایک انگریزی کہانی اور دو ہندوستانی کہانیوں میں عورتوں کے مختلف کردار اور ان کے نفسیاتی و کرداری پہلوؤں کو واضح کر کے دراصل انگریز عورت کو ہندوستانی عورت سے برتر دکھانے کی کاوش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں Articles of war کے نام سے موجود باب فوجی ضروریات کے لیے مقامی زبان کے مترادفات' بول چال کے جملے دیے گئے ہیں جو اس کے انگریز ساتھیوں کی عسکری ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے شامل کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی آخری اہم خصوصیت عتیق صدیقی کے لفظوں میں یہ ہے۔ گل کرسٹ نے اردو اور فارسی زبان کی کچھ غزلوں کی دھنیں ترتیب دینے کے بعد انگریزی دھنوں کے انداز سے مرتب کر کے موسیقی کے اندراجات کی صورت میں لکھی گئی ہیں۔ ان اشاروں کی مدد سے موسیقار آسانی دھن پر ساز بجا سکتے تھے۔ یہ ایک اضافی خوبی تھی جو کتاب کا حصہ بنی۔

۱۷۹۸ء میں جان گل کرسٹ کا ایک طویل' حالات کے سرد و گرم کا شاید ہنگامہ خیز اور قیمتی دور ختم ہوا۔ اس طویل قیام کے بعد انہوں نے اپنے وطن واپسی کا باقاعدہ ارادہ کر لیا۔ انہوں نے انگلستان روانگی کو کلکتہ گزٹ میں باقاعدہ مشتہر بھی کر دیا تھا۔ لیکن غازی پور میں ان کی جائیداد کی خرید و فروخت اور اورینٹل گزٹ کی وجہ سے جنوری ۱۷۹۷ء کی دی گئی تاریخ کو واپس جانا ممکن نہ ہوا۔ اس تاخیر کی وجہ سے ہی ان کو ہندوستان کی تاریخ کے ایک اور غیر معمولی فیز سے ہمکنار ہونا پڑا جس نے انہیں ہندوستانیات' اردو ادب' ہندی زبان و ادب اور ہندوستانی زبان و ادب کی مختلف جہات اور ان میں سرانجام دی گئی خدمات سے ناقابلِ تسخیر گل کرسٹ بنا کر امر کر دیا۔

۱۷۹۸ء کے بعد گل کرسٹ کا ہندوستان میں زندگی کا دوسرا اہم دور شروع ہوتا ہے۔ جو ان کے استعفیٰ دے کر لندن واپس جانے کے سال ۱۸۰۴ء تک امور پر مشتمل ہے۔ اس دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو لارڈ ولزلی جیسے مدبر اور علم دوست گورنر جنرل کی خدمات ملیں۔ جس نے جان گل کرسٹ کی لسانی و تدریسی خدمات حاصل کرنے کے لیے فورٹ ولیم قلعے کے ایک کمرے میں Oriental Seminary کے نام سے ایک چھوٹا سا پلیٹ فارم بنانے کا حکم جاری کیا اور ان کو ہندوستانی اور فارسی زبان سکھانے کا مشن سونپا۔ نو وارد انگریزوں کو دونوں زبانوں کی اہمیت کے پیش نظر پابند کیا گیا کہ وہ لوگ گل کرسٹ کی رہنمائی میں دونوں زبانیں سیکھیں۔ اس کا دوسرا مقصد گل کرسٹ کی خدمات کا امتحان بھی تھا جس میں وہ عمدہ انداز سے کامیاب رہے۔ یہ سیمنری بعد میں گل کرسٹ سیمنری یا گل کرسٹ کا مدرسہ بھی کہلائی'

"Under a resolution of the board dated 21

december 1798, the knowledge of Hindoostanee, Persian and Bengali was made essential for all the officers of judicial, revenue and commercial departments. In February, 1799, he started teaching at the oriental Seminary. Later on called Gilchrist's Seminary as the institution was founded by him. This institution was meant for elementary teaching and Gilchrist was the only teacher and suprintendent of the Seminary".(69)

اورینٹل سیمینری میں مسلسل محنت نے نہ صرف گل کرسٹ کی قابلیت کا بہتر ثبوت فراہم کیا بلکہ طالب علموں کے امتحان کے لیے قائم کی گئی۔ کمیٹی نے گورنر جنرل کو جان گل کرسٹ کی محنت، لگن اور قابلیت کی بہت تعریف کی۔ کمیٹی کی رپورٹ میں گل کرسٹ کی تعریف سے متاثر ہو کر گورنر جنرل نے اگست ۱۸۰۰ء میں طالب علموں کو اعزازات اور انعامات کے ساتھ اور ان کو شاندار خراج تحسین پیش کیا۔ (ان کا ذکر جان گل کرسٹ کے خطوط میں ملتا ہے۔ جو عتیق صدیقی نے مرتب کر کے شائع کیے)۔ اس کمیٹی کے ان الفاظ میں طالب علم انگریزوں کی کارکردگی اور گل کرسٹ کی تدریسی کاوشوں کا ذکر کیا'

"... all the gentlemen in this class, without exception, manifested a knowledge of the Hindoostanee Language, which greatly surpassed our expectation, both with respect to grammar and Pronunciation... for the last eighteen months... he has been employed with most unremitting assiduity in the prosecution of the duty which your lordship

assigned to him. The great progress in the Hindoostanee Language, made by the gentleman, who have availed themselves of the benefit of his instructions in the short period during which he has held his present change, affords the strongest testimony of Mr. Gilchrist's knowledge of that language and of his zeal for the diffusion of that knowledge..."(70)

گل کرسٹ کی اورینٹل سیمینری کے تجربے کی کامیابی نے لارڈ ولزلی کو ایک ایسا بڑا ادارہ بنانے کی تحریک دی جس میں بڑے پیمانے پر زبان کی تحصیل وتدریس کے علاوہ متنوع موضوعات پر تعلیمی کام شروع کیا جائے۔ اس عہد میں کلاسیکی زبانوں یعنی عربی، فارسی، سنسکرت کے ساتھ ساتھ ورینکلر زبانوں جن میں ہندوستانی (اردو) ہندی، بنگالی اور دوسری اہم مقامی کی اہمیت کو سمجھ کر فورٹ ولیم قلعے میں کالج کا قیام عمل میں لایا جس کو فورٹ ولیم کالج کا نام دیا گیا۔ اس کالج کے بننے سے جان گل کرسٹ کی زندگی میں ایک اہم موڑ آیا۔ ان تمام اشاعتی لسانی منصوبوں جن کے لیے وہ بحیثیت ایک فرد کے ایک عرصے سے کام کر رہے تھے، سرکاری پلیٹ فارم میسر آیا جس سے گل کرسٹ جیسے علم دوست اسکالر نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس کالج کا پرنسپل ایک انگریزی پادری ڈیوڈ براؤن کو تعینات کیا گیا۔ گل کرسٹ کو ہندوستانی زبانوں کے شعبے کا صدر نشین، پروفیسر آف ہندوستانی تعینات کیا گیا۔ بعض تواریخ ادب میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جان گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل تھے لیکن یہ بات درست نہیں۔ گل کرسٹ کالج کے پہلے پرنسپل تھے اور نہ ہی پرنسپل بنے۔ وہ پروفیسر آف ہندوستانی (زبان) تھے اور استعفے تک انہوں نے کالج میں اسی حیثیت سے کام کیا۔

۱۱۔ جان گل کرسٹ اور فورٹ ولیم کالج کا دور

فورٹ ولیم کالج ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں موجود ایک قلعے میں قائم کیا گیا لیکن اس کالج کی داغ بیل کو ۴ مئی کی تاریخ دے کر تاریخی حیثیت دی گئی۔ ۴ مئی ۱۸۰۰ء میں ٹیپو سلطان کی شکست کو ایک سال بیت گیا تھا جس کی

وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال کے علاقوں پر کھل کھیلنے کا آسان موقع میسر آیا تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے ٹیپو کی موت کے ایک سال بعد کی تاریخ سے اپنے ریکارڈ کے مطابق کالج کی عملی بنیاد رکھی۔ اس کالج کا خواب لارڈ ولزلی (Lord Wellesley) کی عظیم سوچ کا مظہر تھا جو انہوں نے اس لیے بھی قائم کیا تھا کہ اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تو مستقبل میں یہ ادارہ یونی ورسٹی میں تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ گورنر جنرل لارڈ ولزلی اس منصوبے کی اہمیت سے واقف تھے لیکن انہوں نے بوجوہ اس کالج کی منظوری ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز سے لینا مناسب نہ سمجھی۔ کالج بننے کے ایک مہینے بعد اٹھارہ اگست ۱۸۰۰ء میں ایک مختصر خط میں ڈائریکٹرز کو کالج کے قیام سے صرف مطلع کیا جانا مناسب سمجھا گیا جس کی وجہ سے کورٹ آف ڈائریکٹرز نے اس منصوبے کو دل سے قبول نہ کیا۔ ان افراد کو ایک تو اس وجہ سے کالج کا منصوبہ پسند نہ آیا تھا کہ ان سے پیشگی اجازت طلب نہیں کی گئی تھی دوسرا اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ لوگ کمپنی کو تجارتی منافع دینے والا عامل سمجھتے تھے اور اس طرح کے تعلیمی منصوبوں پر خرچ کرنا ان کو گوارا نہیں تھا چنانچہ اپنے قیام کے ساتھ ہی یہ کالج گورنر جنرل اور کمپنی کے کرتا دھرتاؤں کے درمیان تنازعات کا شکار ہونا شروع ہوا۔ یہ کشمکش اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ لارڈ ولزلی نے استعفیٰ دے کر انگلستان واپسی اختیار نہ کی۔ (۱۷)

لارڈ ولزلی کے فورٹ ولیم کالج کے منصوبے سے انگریزوں کے اس لسانی تصور کی طرف بڑھنے کا عملی ثبوت ملتا ہے کہ اب اردو زبان سیکھنا محض نوکروں سے بات چیت یا عام لوگوں کو سمجھنا ہی نہیں رہا تھا بلکہ اب اس زبان کو اور بنگالی ہندوستانی اور دیگر باثر مقامی زبانوں کو نوآبادیاتی وحکمرانی کے مقاصد کے تحت بروئے کار لانا ضروری تھا۔ اس لیے جان گل کرسٹ کو محض لغت وقواعد سے کام لینا ناکافی لگا چنانچہ فورٹ ولیم کالج میں ان کے دوسرے اشاعتی منصوبے کا آغاز ہوا جس کے تحت مقامی کلاسیکی اور عوامی ادب کو پڑھ کر لوگوں کی زبان، معاشرت، رسم ورواج تک رسائی حاصل کرنا اہم خیال کیا۔ اس مقصد کے لیے اردو زبان میں موجود کلاسیکی کتب کی تلاش وتحقیق ہوئی تو پتہ چلا کہ شاعری کے میدان میں تو بڑے استاد شعراء کا کلام موجود ہے لیکن ابھی اردو زبان کی نثری کتب کی روایت کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہیں دی گئی۔ اردو نثر کی روایت میں چند ایک نثری کتب موجود تھیں جن میں سب رس، عجائب القصص، نوطرز مرصع شامل ہیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کوئی عالم تو ان کتب سے استفادہ کر سکتا ہے لیکن نووارد غیر ملکی انگریزوں کے لیے یہ کتب سودمند نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے کالج میں مقامی منشیوں، عربی، فارسی اور مختلف مقامی بولیوں زبانوں کے ماہر اساتذہ کا تقرر کیا اور ان کو کلاسیکی نوعیت کے حامل عربی، فارسی، سنسکرتی کتب اور دیگر کاموں کو اردو زبان میں ترجمہ کرانے کے کام پر لگا دیا۔ (فورٹ ولیم کالج میں ترجمے کے اس مشن نے نہ صرف نئی اردو نثر کی روایت کو وسعت سے ہمکنار کرنا شروع کیا بلکہ یہ زبان ایک نئے جدید اسلوب سے آشنا ہوئی جو اس سے قبل اس کو

نصیب نہ ہوا تھا۔ (اس موضوع پر باب نمبر ۵ میں روشنی ڈالی جائے گی)۔ اگر دیکھا جائے تو گل کرسٹ کا یہ اقدام ہمیں رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کرتا دھرتا سر ولیم جونز کے اس مشرقی تصورِ لسان وادب کی طرف لے جاتا ہے جس کے تحت انہوں نے مستشرقین وانگریزوں کی اس جانب توجہ مبذول کرائی تھی کہ اگر روحِ مشرق کو سمجھنا ہے تو اس کے کلاسیکی ادب (شعرونثر) کو دریافت کر کے اس کو پڑھا جائے۔ یعنی کلاسیکی متن سے مشرق بطورِ خاص ہندوستان کو سمجھا جانا ضروری ہے۔ جان گل کرٹ نے عوامی بول چال اور کلاسیکی ادب کے مطالعے سے ہندوستانیات کو ازسرِ نو زندہ کیا اور اپنی کتب میں پیش کیا تھا۔ گل کرسٹ نے کالج میں صرف اپنی کتب ہی شائع نہیں کیں بلکہ مختلف موضوعات پر درجنوں کتب ترجمہ کرائیں اور انہیں کلکتہ سے شائع کرایا۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام سے قبل گل کرسٹ اپنی پانچ کتب شائع کر چکے تھے۔ تصنیف وتالیف کا یہ کام ۱۸۰۰ء کے بعد فورٹ ولیم کالج کے پلیٹ فارم سے زیادہ تیزی سے کرنا شروع کیا۔ اورینٹل سیمینری کے دو سال میں ان کو معاشی یا کسی اور قسم کی پریشانی لاحق نہیں تھی اس لیے یہ دور ان کے لیے فارغ البالی کا دور رہا جس میں انہوں نے تازہ دم ہو کر اپنے اگلے منصوبوں کا منصوبہ بنایا۔ ۱۸۰۰ء سے قبل وہ انگریزی ہندوستانی ڈکشنری' ہندوستانی گریمر' اپینڈکس اور اورینٹل لنگوئسٹ کے ناموں سے پانچ کتب سامنے لا چکے تھے (لغت کے دو حصے تھے۔ چنانچہ ۱۸۰۰ء میں کتب کی تصنیف واشاعت کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ ستمبر ۱۸۰۰ء کے آخری دنوں میں کالج کے تحت کام کرنے والے مختلف شعبوں کے پروفیسر حضرات کا تقرر کیا گیا جن میں جان گل کرسٹ کو ہندوستانی زبان کے شعبے کا پروفیسر متعین کیا گیا۔ کالج کا پرنسپل ''پرووسٹ'' (Provost) کے عہدے کا حامل فرد تھا جس کا نام پادری ڈیوڈ براؤن تھا۔ لارڈ ولزلی کی علم دوستی کی وجہ سے کالج کا بننا اور کورٹ آف ڈائریکٹرز سے پیشگی اجازت نہ لینا واحد واقعہ نہ تھا بلکہ اگر تاریخ کے اوراق کو کھنگالا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کلکتہ میں قائم ہونے والا ''کلکتہ مدرسہ'' بھی اسی نوعیت کی تدریسی سرگرمیوں کے لیے قائم کیا جانے والا ادارہ تھا جو وارن ہیسٹنگز نے کلکتے کے معزز مسلمانوں کی درخواست پر قائم کیا تھا تا کہ مسلمانوں کو ملازمتوں کا اہل بنانے کے لیے تعلیم دی جا سکے۔ کیونکہ پڑھے لکھے ہندو اس دور میں باآسانی سرکاری نوکری حاصل کر رہے تھے۔ یہ مدرسہ بغیر اجازت شروع کیا گیا تھا۔ اسی طرح ''سنسکرت کالج'' بنارس میں گورنر جنرل لارڈ کارن والس نے ۱۷۹۱ء میں قائم کیا تھا۔ (۷۲)

یہ کالج کتنا اہم تھا اور آنے والے دور میں کیا علمی اہمیت اختیار کرنے والا تھا یہ منظر نامہ ولزلی کی نگہِ دوررس پر تو عیاں تھا لیکن سمندر پار بیٹھے ڈائریکٹرز کے لیے یہ کمپنی کے تجارتی سرمائے کا ضیاع تھا جو ان کو گوارا نہ تھا۔ ولزلی کو یہ بھی علم تھا کہ اگر کالج کے قیام کے لیے منظوری کی درخواست بھیجی گئی تو یہ افراد اس کو قبول نہ کریں گے اور وہی

ہوا۔لیکن یہ بات لارڈ ویلزلی کی عظمت میں اضافہ کرتی ہے کہ انہوں نے تن تنہا اتنا بڑا فیصلہ کمپنی کی اجازت کے برخلاف کیا اور اس پر ڈٹ گئے۔

کمپنی نے ویلزلی کے خدشات کے عین مطابق کالج کو ختم کرنے کا فیصلہ لکھ بھیجا۔اس سلسلے میں ویلزلی نے بڑے خوبصورت انداز سے کالج کا مقدمہ لڑا اور اس کے خاتمے کو مؤخر کرا دیا اور یوں اس کی مساعی کی بدولت ڈائریکٹرز کی سخت پابندیوں کے باوجود کالج چلتا رہا۔گل کرسٹ نے فورٹ ولیم کالج میں اردو زبان وادب کی جو خدمت کی، باقی افراد نے عربی، فارسی، ہندی، بنگالی، پنجابی اور دوسرے بہت سے شعبوں میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ منصوبے کبھی بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتے اگر ویلزلی یہ کالج بنانے کا فیصلہ نہ کرتا۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ لارڈ ولزلی اگر یہ پلیٹ فارم تعمیر نہ کرتا تو آج ہندوستانی ادبی، ثقافتی اور تعلیمی تاریخ کچھ اور طرح سے منظر نامہ پیش کرتی۔ شائد آج اردو اس شکل میں نہ ہوتی۔اگر یہ کالج میسر نہ آتا۔لارڈ ویلزلی اس خدمت پر تحسین کے مستحق ہیں۔

جان گل کرسٹ نے ہندوستانی شعبے کا سربراہ تعینات ہونے کے فوراً بعد اپنے لسانی منصوبے کے دوسرے فیز پر کام شروع کر دیا۔کالج کے ٹوٹنے یا پابندیاں لگنے اور دشوار حالات کا اندازہ ویلزلی کے ساتھ ساتھ جان گل کرسٹ کو بھی تھا چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے اپنے شعبے میں مقامی ہندوستانی ادیبوں کو "منشی" رکھنے کے لیے کالج کونسل کو عرضی بھیجی۔کالج کونسل کی منظوری کے بعد میر بہادر علی حسینی کو چیف منشی، تارنی چرن میتر کو نائب منشی ملازم رکھا گیا۔دونوں کا مشاہرہ بالترتیب دوسو روپے اور ایک سو روپے مقرر کیا گیا۔اس کے بعد افراد بارہ افراد پر مشتمل منشیوں کی تقرری کی گئی جن کا مشاہرہ چالیس روپے ماہوار کیا گیا۔یوں ان منشیوں کو مختلف موضوعات کا تراجم اور طبع زاد قسم کا کام تفویض کیا گیا۔یہاں ایک بات واضح رہے کہ کالج کونسل نے مزید دو افراد کی تعیناتی کی اجازت دی تھی جن میں ایک قطب علی نام کا کاتب تھا جس کی تنخواہ سو روپے ماہوار تھی جو فارسی عربی خط میں مہارت رکھتا تھا۔اس کے ساتھ سُندر پنڈت نامی ایک خوشنویس کا تقرر بھی کیا گیا جو دیوناگری خط کا ماہر تھا۔ان کا کام کمپنی کے ملازمین کو فارسی اور ناگری سکھنا ناتھا۔اہم بات یہ ہے کہ دیوناگری خط کے ماہر کی تنخواہ چالیس روپے ماہوار مقرر کی گئی۔

جان گل کرسٹ نے منشیوں کے تقرر کے ساتھ ہی ان کو اہم ادبی نوعیت کی کتابوں کی تیاری کے کام پر لگا دیا۔ان کتب میں مسکین کے مرثیے، سنگھاسن بتیسی، شکنتلا ناٹک، اخلاق ہندی، مادھونل، بیتال پچیسی کو دیوناگری رسم الخط میں تیار کرنے کا کام دیا گیا جن کو بعد میں شائع کیا گیا۔فارسی رسم الخط میں ترجمہ کرنے کے لیے قصہ چہار درویش (باغ و بہار) مثنوی میر حسن، گلستان کا اردو ترجمہ، توتا کہانی کو منتخب کیا گیا۔ان کتب کے جزوی حصوں کی اشاعت کا کام کلکتے کے مطبعوں سے کرنا شروع کرا دیا گیا۔ان کے ساتھ جان گل کرسٹ نے اپنی دو کتب ہندوستانی پرنسپلز اور

Exercises (مشقیں) کے عنوان سے دو کتب تیار کیں اور ان کی اشاعت کا کام شروع کرا دیا۔

۱۸۰۰ء میں جان گل کرسٹ کی اہم کتاب "The Anti Jargonist" کلکتہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب اپنے مشمولات کے حساب سے واضح اہمیت کی حامل تھی۔ اس کتاب کا پورا نام یوں ہے'

The Anti Jargonist; or a short introduction to Hindoostanee language, (Vulgarly but erroneously called the Moors) comprising the Rudiments of that tongue, with an extensive vocabulary, English and Hindoostanee and Hindoostani and English, accompanied with some plain and useful dialogues. Translations, poems, tales &c. with the view of illustrating the whole on Practical Principles, being partly an abridgement of the improved, emballished with the Hindoostani Horal Diagram Ferris Press Calcutta, 1800.

یہ کتاب اپنے مشمولات کے حساب سے اہم کتاب ہے۔ گو اس کے مختلف حصے اس سے قبل شائع ہونے والی کتاب Oriental Linguist میں بھی شائع ہو چکے تھے لیکن جیسا کہ اس کے عنوان سے واضح ہوتا ہے' مصنف اس کتاب میں نہ صرف اس ضمن میں ترمیم و اضافہ کیا ہے بلکہ اس کتاب میں ان معلومات کو بھی شائع کیا گیا ہے جو پچھلی کتابوں میں شامل نہیں تھیں۔ یہ کتاب اورینٹل لنگوئسٹ پر اضافہ شدہ معلومات کی حامل ہے۔ اس کتاب میں پہلی مرتبہ اردو (ہندوستانی) انگریزی لغت کا حصہ شامل کیا گیا ہے جو اس سے قبل شائع نہ ہو سکا تھا۔ (اس پر تفصیل سے باب نمبر تین میں بات کی جائے گی)۔ اس کتاب میں اردو زبان کے بارے میں مباحث کو بطور خاص شامل کیا گیا ہے جو اس سے قبل بکھری ہوئی صورت میں انگریزی ہندوستانی ڈکشنری کے دیباچے میں پیش کیے گئے تھے (جو اس کے لیے موزوں جگہ نہ تھی)۔ یہ کتاب اردو زبان پر مختصر مقدمے کی حیثیت سے بھی مشہور ہے۔

کتاب کا طویل عنوان اس دور کا خاصا تھا۔ گل کرسٹ کے علاوہ بھی روایت میں مستشرقین نے اس طرح کتب کے طویل عنوانات دیے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کتاب کا سرورق قاری کو اس کے اندر موجود عنوانات اور مشمولات کا اندزہ ہو سکے۔ یہ کتاب فیرس اینڈ کو کلکتہ (Ferris & Co.) سے ۱۸۰۰ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کا انتساب G.H.Balow Esq، J.H.Harrigton Esq، Colonel W. Kirkpatirc، N.B. Endonstone Esq اور W.C. Blaquiere Esq کے نام ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی کمیٹی

نے اورینٹل سیمنری میں جان گل کرسٹ کے طلباء کا امتحان لے کر نہ صرف ان کی اچھی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی تھی بلکہ گورنر جنرل کو گل کرسٹ کی قابلیت کی بھی بے حد تعریف وتوصیف کی تھی جس کی وجہ سے بعد میں ان کو پروفیسر آف ہندوستانی کا عہدہ دیا گیا تھا۔ کتاب کا یہ انتساب کمیٹی کے ان ارا کین کے حضور شکرانے کے طور پر کیا گیا ہے۔ان میں ایک نام کرنل کرک پیٹرک کا بھی ہے جن سے ۱۷۸۵ء میں گل کرسٹ ملا تھا اور اس کی لغت ابھی تک نہ چھپی تھی اور اس نے گل کرسٹ کی ۱۷۸۶ء میں چھپنے والی لغت کے لیے اپنی کتاب کی اشاعت روک کر تعاون کیا تھا۔شکرانے کے اس نوٹ پر ۲۱ نومبر ۱۸۰۰ء کی تاریخ درج ہے۔

کتاب کے مشمولات پر نظر دوڑائیں تو پہلا حصہ ابتدائی مشاہدہ (Preliminary Oservations) کا ہے۔اس میں مصنف نے کتاب میں استعمال ہونے والے مختلف الفاظ واصطلاحات کے مخفف حروف اور قواعدی اشاروں سے رہنمائی کی ہے تا کہ کتاب میں مختلف جگہ اصطلاحات کی جگہ حرف ان مشتق اشاروں کا استعمال کیا جائے اور وقت اور صفحے ضائع نہ ہوں۔مثال کے طور پر ہائی فن (-)Hypen کہاں استعمال کیا جاتا ہے۔یہ بات گریمر والے باب میں موجود ہے۔ہائی فن کے استعمال کے لیے مثال یوں دی ہے مثلاً رکھنا r. b. band,hana'ruk,hna باندھنا وغیرہ۔انگریزی حروف کے اور ایچ اور ڈی اور ایچ کے درمیان ہائفن کے استعمال سے گل کرسٹ نے ہائیہ آوازوں کی رومن خط میں نشان دہی کی ہے۔

کتاب کا تعارفی باب دراصل کلکتہ گزٹ کی ۲۱ اگست ۱۸۰۰ء کی اشاعت میں شامل ایک مضمون کا ٹکڑا ہے جس کو کتاب کے شروع میں لگایا گیا ہے۔اس سے کتاب کی اہمیت' تعارف' وجہ تسمیہ' افادیت اور جارگن زبان سے متعلق دوسرے کاموں سے ان کی کتاب کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ہی مذکورہ بالا کمیٹی کی ان رپورٹوں کو بھی کتاب کے تعارفی باب کا حصہ بنایا گیا ہے۔جو اورینٹل سیمنری کے جونیئر کمیشنڈ آفیسرز کے امتحان کے بعد گورنر جنرل کے حضور پیش کی گئی تھی۔یہ حصہ بتاتا ہے کہ اس کی اشاعت کا ایک مقصد تو کمیٹی کے لیے اظہار ممنونیت پیش کرنا تھا۔دوسرا گل کرسٹ کے کام کی تعریف وتوصیف کو عام قاری کے سامنے لانا تھا تا کہ خلوص کا اظہار کیا جا سکے۔

کتاب کا پہلا سیکشن دو اجزاء پر مشتمل ہے۔یہ دونوں اجزا اردو قواعد کے مباحث پر مشتمل ہیں۔گل کرسٹ نے قواعد کا ضروری حصہ اس سے قبل اورینٹل لنگوسٹ میں بھی شامل کیا تھا۔اسی طرح اس کتاب میں بھی ضروری قواعدی مباحث اور تصورات شامل ہیں۔اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ۱۷۹۶ء والی ضخیم گریمر کی کتاب کو ایک ہی وقت میں اٹھا کر حوالے کے لیے استعمال کرنا قاری کے لیے ایک مشکل امر ہوسکتا ہے' دوسرا ضروری نہیں کہ اسے ان کتب کے لیے قواعد وضاحت کی ضرورت پڑے اور گریمر ان کے پاس موجود ہو چنانچہ قواعد کے بنیادی تصورات

اس وجہ سے اس کتاب کا حصہ بنائے گئے ہیں۔ ان میں پہلا جز وحروف تہجی' املا' لفظوں کی مختلف اشکال' بنانے کے طریقے اور علم ہجا پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں اسم (Noun) آرٹیکل' Postposition' ضمیر (Pronoun) اسم صفت (Adjective) اور اسی حصے کا تیسرا جز فعل (Verb) اور متعلقات فعل کے عنوان کے تحت ہے۔ قواعد کے اس حصے میں تذکیر و تانیث کے اصولوں کے ساتھ مقامی مثالوں کو پیش کر کے اس مختصر حصے کو جامع بنایا گیا ہے۔ قواعدی مباحث کے بعد' ایک واضح حصہ انگریزی ہندوستانی اور ہندوستانی انگریزی کے ذخیرہ الفاظ پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ رومن رسم الخط میں ہے جس میں ہندوستانی' ناگری' عربی رسم الخط میں الفاظ ملتے ہیں۔

دیگر مشمولات میں ہندوستانی گنتی' گنتی کے مختلف تلفظ' استعمالات' ہفتے کے دن (مسلم اور ہندو) اسلامی مہینوں کے ساتھ ساتھ ہندو نام' عسکری اصطلاحات' ان کے مقامی مترادفات اور کارآمد بول چال کے جملے (Dialogues) شامل کر کے کسی سیاح کے لیے ایک بہترین پاکٹ بک بنادی گئی ہے۔ ہندوستانی زبان میں عام استعمال ہونے والی اصطلاحات کو لغت کے دونوں حصوں سے الگ کر کے ان کے اردو مترادفات درج کیے گئے ہیں' مثلاً Doubtful, Moobhum (مبہم) Connection, Ittesal (اتصال) وغیرہ۔ کتاب میں لیفٹیننٹ (Webster) کا ایک مضمون Military Terms کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے۔ ان میں جنگ' فوج اور ان کے متعلق الفاظ و اصطلاحات کا ذخیرہ شامل ہے۔ عسکری اصطلاحات کے بعد Dialogues (مکالمات) کے عنوان عنوان سے بول چال کرے ضروری جملے "Dialogues" درج ہیں مثال کے لیے یہ جملہ لیا جاتا ہے۔

"[1]Suno ek na,o hum ko durkar hy kulkate' tuk Jane' ko[سنو اک ناؤ ہم کو درکار ہے کلکتے جانے کو] 'I want a boat to go to Calcutta.

"[2]Chuloo nao [چلو ناؤ جلدی کھولو]Come, let us off

[3] Chulo hum ko juldee kholo Quickly phoncho, D-Sahib ke eehan [چلو ہم کو پہنچاؤ ڈی_ کے یہاں]Come take me to Mr.D...s".(73)

ہندوستانی انگریزی حصہ جو الگ کتاب کی صورت میں نہ چھپ سکا تھا' مختصر صفحات میں اس کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ کتاب میں تکنیکی اصطلاحات' ہندوستانی اعداد کے مباحث' ہفتوں مہینوں کے نام' مسلم مہینوں' دیسی اور ہندو مہینوں کا ذکر' ملٹری سے متعلق اصطلاحات' مکالمات (مختلف موضوعات پر) شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں گورنمنٹ کے ان قوانین کو بھی شامل کیا گیا ہے جو اس نے ۱۸۰۰ء پاس کیا تھا۔ یہ کتاب کے آخر میں مختلف کہانیوں' حکایات اور نظموں کے تراجم پر مشتمل ہے جو خاص اہمیت کا حامل ہے۔ وقت کے پیانے کا مختصر ذکر نئی معلومات پر مشتمل نہیں ہے یہ معلومات تقریباً وہی ہیں جو ہندوستانی گریمر کے آخری باب جس کو متفرق کا نام دیا گیا تھا کا حصہ بنی تھیں۔ کتاب ۲۹۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ ایک سیاح یا کمپنی کے نووارد افسر یا ملازم کے لیے یہ کتاب ایک پاکٹ دائری کی طرح تھی جس میں ضرورت زندگی سے متعلق ہر میدان کے لیے مختلف نوعیت کی معلومات یکجا کر دی گئی تھیں۔

جان گل کرسٹ اور لارڈ ویلزلی کے منصوبوں میں یہاں ایک بات مشترک نظر آتی ہے کہ ویلزلی نے بھی کالج کا قیام کورٹ آف ڈائریکٹرس کو پیشگی اطلاع کے بغیر ہی شروع کر دیا تھا۔ گل کرسٹ نے بھی مذکورہ کتب کی اشاعت کو کالج کونسل کی منظوری کے بغیر ہی شروع کرا دیا تھا۔ مسئلہ اس وقت پیش آیا جب گل کرسٹ نے سال بھر کے اس اشاعتی منصوبے کا تخمینہ لگا کر کالج کونسل سے اس مد میں تریسٹھ ہزار روپے طلب کیے جو ان کے لیے خوش گوار تجربہ ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ کونسل نے گل کرسٹ کو اس اشاعتی منصوبے پر مزید کام سے روک دیا اور مختلف کتب کے جو حصے جزوی طور پر شائع ہو چکے تھے ان کو ایک جلد میں اکٹھے کر کے جمع کرنے کا حکم دیا جو ظاہر ہے گل کرسٹ کے لیے قابل قبول نہ تھا۔ اس وقت تک گل کرسٹ اس مد میں پندرہ ہزار روپے خرچ کر چکے تھے چنانچہ انہوں نے طویل بحث و مباحثہ اور خط و کتابت سے کمپنی کو اس مد میں رقم کے فکر سے آزاد کر دیا اور بدلے میں فرانسس گلیڈون (Gladwin) کا لایا گیا پرنٹنگ پریس طلب کر لیا جس سے وہ کتب کو اپنے طور پر شائع کر سکتے تھے۔ کالج کونسل نے یہ پریس گل کرسٹ کو چلانے کا اختیار دے دیا اور یوں کلکتہ میں "ہندوستانی پریس" کے نام سے گل کرسٹ نے اپنا مطبع قائم کر لیا اور اشاعتِ کتب کا سلسلہ جاری رکھا۔ کمپنی کے ساتھ گل کرسٹ کی خط و کتابت گل کرسٹ کے خطوط میں محفوظ ہے جسے محمد عتیق صدیقی نے Origins of Modern Hindustani Literature کے نام سے شائع کرایا تھا جو مفید معلومات کی حامل ہے۔ اس سلسلے میں کالج کونسل کے ساتھ ہونے والے خط و کتابت میں گل کرسٹ نے اردو زبان و ادب کا بھرپور دفاع کیا۔ ایک موقع پر جبکہ کالج کونسل نے گل کرسٹ سے کہا کہ آپ اشاعتی منصوبوں پر زیادہ کام کرنے کی بجائے اردو زبان موجود کاموں کو ہی دوبارہ

چھاپ دیں تو انہوں نے ایک خط میں بہترین جواب لکھ کر بھیجا کہ اردو ادب کے پاس خاطر خواہ نثری ادب موجود نہیں ہے' اور یہ کہ وہ اس چھتے میں سے شہد کیسے نکال سکتے ہیں جس میں شہد کی ایک بوند بھی نہ ہو۔ گل کرسٹ اپنے خط میں لکھتے ہیں'

> "In Hindoostani, there is not a prose work now in existence of sufficient worth or accuracy to put into the hands of my pupils; it is therefore totally impossible for me to extract money from a quarter which cannot boast the possession of a simple hire, and the council surely knows as well as I, that Hindoostani poetry is fit for those who are adepts in that language".(74)

۱۸۰۲ء میں جان گل کرسٹ نے کالج کونسل کے حکم پر اس وقت تک جزوی طور پر چھپ جانے والی کتب کو یکجا کیا اور "Hindee Mannual" کے نام سے ایک یکجائی صورت کا مجموعہ چھاپ دیا۔ اس مجموعے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں ''میر امن'' کی ''باغ و بہار'' داستان کے ۱۰۲ صفحات بھی یکجا کر دیے گئے تھے جو اس وقت تک چھپ چکے تھے۔ باغ و بہار کے ان صفحات کی اشاعت کے بعد اگر گل کرسٹ بددل ہو کر ان منصوبوں کا التواء میں ڈال دیتے یا ختم کر دیتے تو آج نہ صرف یہ کہ باغ و بہار اردو ادب کے پاس نہ ہوتی بلکہ سادہ سلیس نثر کی روایت فورٹ ولیم کالج کی راہداریوں میں ہی کہیں دم توڑ دیتی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جو کام لارڈ ویلزلی نے مشکلات کے باوجود کالج کی بحالی کی صورت میں فعال رکھا' اس سے بڑھ کر اردو ادب کی خدمت کا کام جان گل کرسٹ نے جاری رکھا اور کتب کی مکمل اشاعت تک چین سے نہ بیٹھے۔ ''باغ و بہار'' جو کہ قصہ چہار درویش کا آزادانہ ترجمہ تھا لیکن اردو ادب کی تاریخ نے اس کی اہمیت سے ثابت کر دیا کہ اس کتاب کی اشاعت و تالیف کے ضمن میں میر امن اور جان گل کرسٹ دونوں کا کردار اور کام لائق تحسین ٹھہرتا ہے۔

گل کرسٹ نے ۱۸۰۱ء میں فارسی افعال پر مشتمل کتاب کلکتہ سے شائع کی جسے Hollingery پریس

نے شائع کیا تھا۔ اس کتاب کا نام اس طرح ہے۔

"A new Theory and Prospectus of Persian Verb, with their Hindoostani Synonimes in Persian and English.(1801), Calcutta

اس کتاب میں فارسی کے ان تمام افعال کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے جو طالب علم انگریزوں کو نہ صرف اردو زبان میں مختلف مواقع پر استعمال کرنا پڑتے بلکہ ان کی مدد سے فارسی زبان کے ذخیرہ الفاظ سے بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔ فارسی افعال کے مترادف کے طور پر اردو اور انگریزی حروف کو بھی ساتھ دینے سے گل کرسٹ کا مدعا یہ تھا کہ زبانوں کے تقابلی مطالعے سے اس کو سمجھا جانا آسان ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کتاب کے عنوان کا اردو ترجمہ یوں ہے ''نوایجاد یعنی نقشہ افعال فارسی مع مصدرات آف مترادف ہندوستانی'' (کتاب کے عنوان کا یہ ترجمہ گل کرسٹ کی کتاب میں درج ہے) یہ کتاب اردو زبان میں کبھی شائع نہیں ہوئی لیکن اردو تواریخ ادب اور مستشرقین پر تحقیقی وتنقیدی کتابوں میں محققین اور نقادوں نے گل کرسٹ کی کتب کے عنوانات کے تراجم پیش کیے ہیں۔

یہ کتاب تھامس ہولنگ بری ہرکارہ پریس (Thomas Hollingbery Hircarah) کلکتہ سے ۱۸۰۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۰۴ء میں کلکتہ ہی سے چھپا۔ رسالہ نما کتاب ۱۸۰۰ء میں لکھی گئی لیکن اشاعت کا عمل ایک سال بعد مکمل ہوا۔ کتاب کے سرورق پر فارسی کا ایک شعر یوں درج ہے۔

ہزار غوطہ بخوردم ڈرے بکف نرسید
سرائے بخت من است این گناہ دریا چیست

کتاب پر اکتیس اکتوبر ۱۸۰۱ء کی تاریخ درج ہے اور اس کا انتساب جان ہربرٹ ہیرنگ ٹن کے نام ہے۔ یہ کتاب گل کرسٹ نے اپنے طالب علم انگریزوں کے لیے تیار کی تھی لیکن اس کی اہمیت کے پیش' اس کو ترجمے کے شعبے سے وابستہ ایک انگریز مسٹر Warin سے انگریزی سے ترجمہ کرا کے شائع کیا گیا تھا۔ اس کتاب میں فارسی زبان کے افعال اور ان کے مباحث کو ڈائیگرام کی مدد سے بتایا گیا۔ افعال سے متعلق قواعدی بحث کے بعد فارسی امفال' کے مترادف کے طور پر اردو اور انگریزی الفاظ دیے گئے ہیں۔ مثلاً افعال کو اس طریقے سے درج کیا گیا ہے۔

Ara-stun		sunwar-na	to adorn
Arm Aram	-eedum	susta-na	to rest
Boor-eedun		Kat-na	to cut,
Poors-eedun		pooch,h-na	to ask
Puzmoor-dun		moorjha-na	to tither
Khar-eedun		Khojla-na	to scratch (75)

کتاب کے آخر میں اس کتاب کے اصل متن کو من وعن اس کا حصہ بنادیا گیا تا کہ فارسی اور انگریزی کو ملا کر پڑھنے سے تفہیم کا عمل بہتر ہو سکے۔

۱۸۰۱ء میں جان گل کرسٹ نے ہندی زبان کی مشقوں کے لیے ایک مشقی کتاب(Work Book) تیار کر کے شائع کرائی جسے عام طور پر ان کی کتاب کی فہرست میں شامل نہیں کیا جاتا لیکن اس کام کا ذکر معلومات کے طور پر دیا جانا ضروری ہے۔اس کتاب کا عنوان تھا'

Hindi Exercises of first and 2nd in Hindoostanee at the college of fort William. (1801) Calcutta.

(یہ مشقی کتاب طالب علم انگریزوں کے نصابی ضروریات کے مطابق مرتب کی گئی تھی جس کا تعلق ادبی و نثری کتاب سے نہیں بلکہ کلاس ورک کی نوعیت کا نصابی کام تھا)۔

گل کرسٹ نے اجنبی افراد کے لیے اردو زبان کے سیکھنے کے لیے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جو اپنی نوعیت کی جامع کتاب ہو۔اس نوعیت کی کتاب ۱۵ جولائی ۱۸۰۲ء میں مرتب کی اور کلکتہ سے شائع کیا۔اس کتاب کا نام'

The Stranger's East India Guide to the Hindoostanee, or grand popular Language of India (Improperly called Moors) Calcutta

Hindoostanee Press.(1802)

یہ کتاب ۱۸۰۲ء میں ہندوستانی پریس سے شائع ہوئی۔ واضح رہے یہ وہی پریس ہے جو گل کرسٹ نے کالج کونسل سے درخواست کرتے ہوئے کتب کے اخراجات کے عوض لے لیا تھا اور اس کی مدد سے اشاعتی منصوبوں کی تکمیل کی طرف قدم بڑھایا۔ یہ کتاب دوسری مرتبہ ۱۸۰۸ء لندن اور تیسری مرتبہ ۱۸۲۰ء میں اور چوتھی مرتبہ ۱۸۲۵ء میں لندن سے شائع ہوئی تھی۔ کتاب کے تین ایڈیشن اس کی ضرورت اور اہمیت کی دلیل ہیں۔ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ترمیم و اضافوں کے ساتھ "The Stranger's East Indian Guide or Hindoostanee Multum in Parvo" کے عنوان کے تحت شائع ہوا۔ راقم کے زیر مطالعہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے جو لندن سے ۱۸۰۸ء میں شائع ہوا تھا۔ اس ایڈیشن کو "Black, Parry and Knigsbury" کے ادارے کے تحت شائع کیا تھا۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر ایک تبدیلی نظر آتی ہے کہ جان بورتھ گل کرسٹ کے نام کے ساتھ Esq اور L.L.D کی تخصیص واضح کی گئی ہے۔ ہندوستان سے انگلینڈ واپس جانے کے بعد ایڈن برگ یونی ورسٹی نے ان کی ادبی و لسانی خدمات کے اعزاز میں ۳۰ اکتوبر ۱۸۰۴ء کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری (L.L.D) جاری کی تھی جس کے بعد وہ اپنے نام کے ساتھ L.L.D کا اضافہ کرنے لگے تھے کتاب کے انتساب کو پہلے ایڈیشن اور جارج بارلو (George Hilaro Barlow) کے نام کیا گیا ہے جو اس دور میں فورٹ ولیم کالج کی سپریم کونسل کے ممبر تھے۔ ۱۸۰۲ء کے ایڈیشن کا انتساب جارج بارلو کے نام تھا۔ اس کے ساتھ عاجزی اور عقیدت سے بھرا ایک خط بھی گل کرسٹ نے ان کو لکھا تھا جس میں ان کی بندہ پروری، علم دوستی، اسکالرشپ کی تعریف کرتے ہوئے کتاب کے سلسلے میں کیے گئے تعاون کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ اس کتاب کی اہم بات یہ تھی کہ جامع ہونے کے باعث کتاب کا ایڈیشن بہت جلد بک گیا تھا جس کی گل کرسٹ کو بڑی خوشی ہوئی تھی۔ کتاب کے مشمولات میں اردو زبان کے قواعد کو مختصر معلومات کے ساتھ شامل کیا گیا تھا۔ صرف و نحو کے مباحث کے ساتھ ساتھ اشتقاقی مباحث پر جامع انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہندو، مسلم، دیسی مہینوں، دنوں کے نام، وقت کے پیمانوں، پیمائش کے اصولوں اور مقامی معلومات سے مملو ابواب کے ساتھ ساتھ ذخیرہ الفاظ بھی دیا گیا ہے۔ ایک غیر ملکی کی ضرورت کے مطابق ضروری الفاظ یکجا کر دیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں بھی Dialogues کا حصہ شامل ہے۔ کتاب کے آخر میں اردو انگریزی کہانیوں کو تراجم کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ جہاں تک "Vocabulory" کا تعلق ہے، اس ضمن میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ ذخیرہ الفاظ ان اجنبیوں کے استعمال کے لیے منتخب کر کے کتب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ جن کی ضرورت ان کو بنگال، مدراس اور بمبئی کی پریزیڈینسیوں میں آمد کے فوراً بعد پیش آتی ہے۔ مزید یہ کہ

ان الفاظ کی مدد سے اجنبی افراد ہندوستان بھر میں بآسانی اپنی ضرورت کے مطابق زبان استعمال کر سکتے ہیں۔

اس کتاب میں لغت کے لیے چورانوے صفحات مختص کیے گئے ہیں۔اس کے بعد عسکری ضروریات کے مطابق زبان کے حکمیہ جملے پیش کیے گئے ہیں جوایسٹ انڈیا کے عسکری مقاصد کے مطابق کارآمد چیز تھی۔مثال کے طور پر انگریزی جملے اور اس کے اردو ترجمے کو یوں پیش کیا گیا ہے' "order arms! = bundooq ootao" "quick march! = Juldee qadam othao" وغیرہ۔اس طرح فوجی مقاصد کے لیے مقامی زبان کے جملوں کے تراجم دینے کے بعد مکالماتی جملوں (Dialogues and Phrases) کا حصہ بھی شامل کیا گیا ہے۔انگریزی زبان کے جملوں کو سادہ اور خوبصورت انداز سے اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر ایک اقتباس ملاحظہ ہو

انگریزی	اردو
What is on the ground?	Zumeen pur kya hy?
A pen	Qulum
Bring the pen	Qulum ootha lao
I will take the business	Myn toojh se kam
From thee, and give it him	Loonga uor oose doonga (76)

''مکالمات'' کے بعد گل کرسٹ نے ہندوستانی حکایات اور مختلف اردو کہانیوں کو رومن رسم الخط میں پیش کر کے ان کے انگریزی ترجمے کو مشق کرنے کے مقاصد کے تحت شامل کیا ہے'یہ ترجمہ سادہ سلیس اور شستہ ہے کہ کسی بھی طور باغ و بہار کے اسلوب سے کم تر سطح پر نہیں ہے۔اس کتاب کے آخر میں ہندوستان کے مختلف شہروں کے نام'ان کے عوامی استعمال کے غلط تلفظ اور ان کے صحیح تلفظ کی نشان دہی کی گئی ہے۔مزید شہروں یا قصبوں کے نام بتانے میں جو سابقے استعمال ہوئے ہیں ان کے استعمالات اور معنی دیے گئے ہیں۔مثلاً آباد (اکبرآباد)' نگر (رام نگر)' پور (غازی پور)' شہر (انوپ شہر)' گڑھ (فتح گڑھ)' گنج (علی گنج)' گاؤں (بڑا گاؤں)' بازار (قاسم بازار)' کھنڈ (روہیل کھنڈ)' پتن (گنگا پتن) وغیرہ کی تفصیل ایک دلچسپ مضمون کے طور پر کتاب کا حصہ بنائی گئی ہے۔ایک لحاظ سے کسی بھی اجنبی اور غیر ملکی کے لیے ہندوستان کی معاشرت اور عوام سے میل جول کے لیے تیار کی گئی ایک

بہترین پاکٹ بک کے طور پر یہ کتاب اپنے عہد میں خاصی معروف تھی۔

"مکالمات"(Dialogues) کو عام طور پر کسی بھی نئے علاقے کی بول چال کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک اہم معاون کے طور پر خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ کسی بھی اجنبی کے لیے جلدی نئی زبان سیکھنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے مختلف اوقات اور ضروریات کے مطابق مکالمات کو اس کی اپنی زبان اور اس کے ترجمے کو نئی علاقے کی زبان میں پیش کیا جاتا ہے۔ ان بول چال کے جملوں کی مدد سے اجنبی ایک کام چلاؤ قسم کی زبان باآسانی سیکھ لیتا ہے۔ مکالمات کو نئی زبان سیکھنے کے لیے ایک اہم عنصر خیال کرتے ہوئے مختلف نوعیتوں کی ضرورت کے لیے بول چال کے جملوں کو گل کرسٹ نے ایک جامع کتاب میں جمع کیا۔ مکالمات گل کرسٹ کی لغت کے علاوہ دوسری کتب میں بھی مختصر اور بکھری ہوئی صورت میں موجود تھے۔ انہوں نے ۱۸۰۴ء میں ایک اہم کتاب مرتب کی جو صرف مکالمات(Dialogues) اور بول چال کے جملوں پر مشتمل اپنی نوعیت کی واحد کتاب تھی۔ اس کا عنوان یہ ہے۔

"Dialogues, English and Hindoostanee; for illustrating the Grammatical Principles of the Stranger's East India Guide, and to promote colloquial intercourse of Europeans... with the natives of India..., Hindoostanee Press Calcutta (1804).

یہ کتاب دوسری مرتبہ ۱۸۰۹ء تیسری مرتبہ ۱۸۲۰ء اور چوتھا ایڈیشن ۱۸۲۶ء میں لندن سے شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کا انتساب تھامس روبک کے نام ہے۔ روبک سے الفت کا تعلق گل کرسٹ کو ساری زندگی عزیز رہا۔ کتاب میں غیر ملکی افراد کے لیے مختلف شعبہ ہائے حیات سے متعلق مکالمات کے تحت آسان اردو میں بول چال کے جملے شامل ہیں۔ مثلاً ناشتے سے متعلق بول چال کے جملے، چلنے پھرنے، کھانے پینے، لباس خریدنے لینے پہننے، سفر و حضر کی ضروریات کے جملے، دریا کی سیر، مچھلی پکڑنا، عورت اور درزی کے مابین مکالمہ اور نوکروں سے بات چیت کے لیے گھریلو قسم کی زبان کے جملے شامل ہیں۔ افسروں کا منشیوں سے پڑھنے کے لیے جملوں کا استعمال، فوجی افسروں کی اپنے ماتحتوں سے بول چال، ٹیکس اکٹھا کرنے کے لیے ضروری بول چال اور اس کے ساتھ صحت و بیماری کی صورت میں مکالمات کو کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ اس کتاب کے آخر میں تلفظ کے مسائل ان کا حل اور عوامی و اشرافیہ کے تلفظ کے نمونے کے ساتھ ساتھ رومن خط کے مباحث شامل کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں شکنتلا ناٹک کو انگریزی، بھاکھا، فارسی، بنگالی، سنسکرت اور عربی زبان میں رومن رسم الخط میں پیش کیا گیا ہے۔ گل کرسٹ کے تراجم کے سلسلے میں یہ حصہ اہمیت کا حامل ہے۔

فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے دور میں گل کرسٹ کو اپنے اشاعتی منصوبوں کو مکمل کرنے کے بہت جلدی تھی۔اس کی وجوہات میں ایک تو لارڈ ولزلی (گورنر جنرل) اور کوٹ آف ڈائریکٹرز کے درمیان کالج کے منصوبے کی وجہ سے خاصی چپقلش تھی، جس کی وجہ سے کالج کے ہر ملازم کو یہ خوف ہر لحہ دامن گیر تھا کہ کہیں کالج بند نہ کر دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ گل کرسٹ اپنے قیام ہندوستان سے بھی اکتا چکے تھے اور مستقبل قریب میں انگلینڈ واپسی کے خواہاں تھے جس کی وجہ سے ان کی صحت بھی خراب رہنے لگی تھی لیکن اپنی دھن کے پکے گل کرسٹ اپنی کتب کی اشاعت کی تکمیل کے منصوبے کو تمام چیزوں پر مقدم جانتے رہے۔۱۸۰۲ء میں فورٹ ولیم کالج کے طلباء کے لیے اردو زبان پر نئی کتاب جس کا عنوان یہ ہے۔

"The Hindee Directory; or, Student's Introduction to the Hindoostanee Language. Government Press & Ferris, Calcutta. (1802)

۱۸۰۲ء کا سال کتب کی اشاعت میں بڑا اہم رہا۔اس سال گل کرسٹ نے دوسری کتب کے ساتھ ساتھ اپنی کتب بھی کافی تعداد میں شائع کیں۔اس سال ہندوستانی زبان پر نئی کتاب کا عنوان'

The Hindee Story-Teller; or Entertaining Expositer of the Roman, Persian and Nagree Characters Simple and Compound, in their Application to the Hindoostanee Language, as a written and Literary Vehicle Calcutta., (1802)

کلکتہ سے Thomas Hubbard at the Hindoostanee Press شائع ہوئی۔ یہ کتاب دوسری مرتبہ ۱۸۰۶ء میں شائع ہوئی (جو راقم کے زیر مطالعہ ہے) یہ کتاب اپنے مشمولات کے حوالے سے اس سے قبل کی کتب سے ہٹ کر ہے۔اس کتاب کا بنیادی مقصد تلفظ کے مسائل کا جائزہ لے کر ان کے حل کے اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔کتاب میں Orthographyاور Orthometry کے اصولوں کے مطابق ہندوستان میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کے الفاظ میں فرق واضح کر کے درست تلفظ کی نشان دہی کی گئی ہے۔کتاب کا پہلا باب فارسی عربی حروف تہجی کی اشکال' آوازوں اور مختلف صورتوں کے ساتھ رومن حروف میں پیش کیا گیا ہے۔'یٔ' کے بعد زبر' زیر پیش کی صورت کے مختصر واولز سے بنائے گئے حروف کی تعداد ۳۷ بتائی گئی ہے۔اس میں

دیوناگری حروف تہجی کی تعداد پچاس بتائی گئی ہے اس کے علاوہ ناگری حروف تہجی کے تحت واولز کی مختلف علامات کو ٹیبل بنا کر دینے کے بعد ان سے اخذ شدہ وہ حروف تہجی پیش کیے گئے جو ہندوستانی زبان یعنی اردو قبول کیے۔اس ٹیبل میں تمام حروف کو شامل کر لیا گیا ہے جو اردو زبان نے اوپر مذکور تین بری زبانوں سے اخذ کیے تھے۔ہندوستانی حروف تہجی کے اس اخذ و استفادے کے بارے میں گل کرسٹ لکھتے ہیں؛

> "The Hindoosanee alphabets reformed, or an abstract comparative sketch of the Hinduwee, Farsee, Urbee & Roman alphabets blended together and accomodated to the Hindoostanee, for the use of such Persian scholars as may wish to learn the Nagree, or to extend this reformed scheme to the Persian Tongue and at the same time attain the popular language of Hindoostan, by the shortest, and for them the most pleasant, path to an acquisition so necessary and useful to every resident in India..."(77)

اردو حروف تہجی کے ٹیبل میں الف' الف ممدودہ' سے شروعات کرنے کے بعد ہندوی زبان کی مقامی ہائیہ آوازوں (Aspirated Sounds) سے متعلق حروف کو اس ٹیبل میں شامل کر کے حصہ بنایا گیا ہے۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ گل کرسٹ نے اس عہد میں اردو زبان میں مستعمل حروف کی تعداد ساٹھ بتائی ہے۔صرف بتائی ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ گنتی کر کے نمبر لگا کر واضح کیا گیا ہے۔آج کے جدید ماہر زبان بھی حروف تہجی کی اتنی مستعمل اشکال کا ذکر نہیں کر پائے۔یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہائیہ/ ہکاری حروف کے بارے میں آج کے ماہرین زبان شش و پنج میں رہتے ہیں کہ یہ حروف تہجی کا حصہ ہونے چاہئیں یا نہیں' گل کرسٹ نے دو سو سال سے بھی پہلے یہ معمہ حل کر کے ان حروف کو اردو کے حروف تہجی ثابت کر کے ان کی تعداد کا تعین بھی کر دیا تھا جو آج بھی خاصی اہمیت کی مظہر ہے۔اپنے عہد میں تو یقیناً ایک نئی بات ہوگی۔حروف تہجی کی پیشکش صرف بولنے کے ٹیبل سے واضح نہیں کی گئی

بلکہ املا یا متن میں موجود کسی بھی حرف کی ابتدائی وسطی اور حتمی شکل کی علامتیں بھی دی گئی ہیں جن کی مدد سے اردو زبان کو لکھنا پڑھنا بھی آسانی سے سیکھا جاسکتا تھا۔ اس کتاب کے آخر میں مختلف حکایات بعنوان ''نقلیات'' کتاب کا حصہ بنائی گئی ہیں۔ یہ ''نقلیات'' پہلے رومن رسم الخط میں اردو زبان میں پیش کی گئی ہیں۔ اس کے بعد عربی خط میں اور آخر میں دیوناگری رسم الخط میں یہ کہانیاں موجود ہیں۔ یہاں ایک اہم نکتہ یہ پیش نظر رہے کہ نقلیات کے عنوان سے انہی کہانیوں کو میر بہادر علی حسینی نے مرتب کر کے فورٹ ولیم کالج سے شائع کیا تھا۔ جسے سید وقار عظیم نے مرتب کر کے چھاپا تھا اور قیاس کیا تھا کہ یہ نقلیات ۱۸۰۲ء میں شائع ہوئیں۔ اب راقم کی تحقیق کے مطابق یہ نقلیات گل کرسٹ کی اس کتاب کا حصہ بنی تھیں اور یہ بھی ۱۸۰۲ء میں ہی شائع ہوئی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تحقیق کی جائے کہ نقلیات اصل میں گل کرسٹ نے پہلے اپنی کتاب کا حصہ بنائی تھیں اور ان کی اہمیت کے پیش نظر میر بہادر علی حسینی نے علیحدہ سے مرتب کر کے کتابی شکل دی تھی یا میر بہادر علی پہلے اسے کتابی شکل دے چکے تھے اور کلاسیکی نوعیت کے اس ادب کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے گل کرسٹ ان کو کتاب کا حصہ بنا چکے تھے۔

۱۸۰۳ء میں نئی کتاب شائع ہوئی جسے

"The Hindi Moral Preceptor: and Persian's scholars shortest road to the Hindoostanee Language". (1803)

کا نام دیا گیا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۲۱ء میں Black, Kingsbury and Parbury پریس انگلینڈ سے شائع ہوئی (جس کی مدد سے یہ جملے لکھے جا رہے ہیں)۔ کتاب کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ فارسی گریمر کے اصولوں کو ایسے انداز سے ترتیب کیا جائے کہ کوئی بھی اردو زبان جاننے والا شخص بآسانی فارسی زبان سیکھ سکے۔ دوسرا فائدہ اس کتاب کا یہ تھا کہ فارسی جاننے والا اس کی مدد سے اردو زبان سیکھنے میں زیادہ آسانی محسوس کرسکتا تھا۔ شعر ونثر کی تقریباً ساٹھ مشقیں کتاب کا حصہ بنائی گئیں تھیں تاکہ زبان سیکھنے کے عمل کا امتحان ہو سکے اور سیکھنے والے کو اپنی خامیوں کا پتہ چل سکے۔ کتاب میں شیخ سعدی کے پندناموں کو بطور خاص شامل کیا گیا ہے۔

کتاب میں فارسی زبان کے بنیادی مباحث شامل ہیں۔ اس کتاب کی اہم بات یہ ہے کہ فارسی حروف زبان کی مبادیات کے بعد گل کرسٹ نے اس کتاب میں ہندی، فارسی اور انگریزی ذخیرۂ الفاظ (vocabulary) کا بڑا حصہ شامل کیا ہے۔ جو خاص اہمیت کا حامل ہے۔ دراصل یہ وہی اردو انگریزی لغت کا بکھرا ہوا مواد ہے جو ۱۷۹۲ء میں منصوبے کے باوجود گل کرسٹ شائع نہ کر سکے تھے۔ لیکن مواد کی اہمیت کے پیش نظر انہوں نے اس حصے کو

مختلف کتابوں کا حصہ بنا کر اس کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ لغت کا یہ حصہ تقریباً دو سو بیس صفحات میں دو کالموں کی صورت موجود ہے۔

۱۸۰۳ء میں ایک اور کتاب "The Oriental Fabulist" کے نام سے کلکتہ سے شائع ہوئی۔ کتاب کا پورا نام یوں تھا۔

"The Oriental Fabulist or Polyglot Translations of Esop's and other ancient Fables from the English Language, into Hindoostanee, Persian, Arabic, Brij Bhakha, Bongla and Sanskrit in the Roman characters, By Various hands under the Direction and Suprentendance of John gilchrist. (Printed at the Hurkaru Press, Calcutta).(1803)

کتاب میں انگریزی عنوانات کے تحت ترپین کہانیاں تحریر ہیں۔ فہرست مشمولات کے بعد ایک طویل اغلاط نامہ دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مختلف مذہبی واقعات، معاشرتی حکایات اور کہانیوں کو سب سے پہلے انگریزی زبان، میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ بعد میں اردو زبان (ہندوستانی)، فارسی زبان، بھاکھا زبان، بنگلہ زبان، سنسکرت زبان میں پیش کر کے اپنے عہد میں نہ صرف فن ترجمہ کاری کے شعبے کو مستقل بنیادوں پر استوار کیا بلکہ ہندوستان میں بولی جانے والی اہم کلاسیکی زبانوں (عربی، فارسی، سنسکرت) اور عوامی بول چال کی ورنیکلر زبانوں [اردو، بنگلہ، بھاکھا (ہندوی)] میں ترجمہ کر کے اس عہد میں بولی جانے والی زبان کو تحریری صورت میں محفوظ کر دیا۔ جس کا لسانی تجزیہ کیا جانا ضروری ہے۔ گل کرسٹ کی ان تحریروں سے انیسویں صدی کے شروع میں موجود مستشرقین کے اسلوب کا ارتقاء اور لسانی تجزیہ بھی خاصے کی چیز ہے جس پر محققین نے قابل قدر کام نہیں کیا ہے۔ گل کرسٹ کے انگریزی، اردو اور بھاکھا متون کا تقابل دلچسپ چیز ہے، نمونہ یہ ہے۔ کہانی کا ایک اقتباس ہے:

"The Isrelites, ever murmuring and discontented under the reign of Jehorah, were desirous of having a king like the rest of the nations. They offered the kingdom to Gideon their deliever, to him, and to his posterity after

him: he generously refused their offer, and reminded them, that Jehovah was their king. When Gideon was dead, Abi Malick, his son by a concubine, flew all his other sons to the number of seventy, Jonathon, alone escaping; and by the assistance of the Shecvemites mad himself king."

اب اردو ترجمہ (ہندوستانی) رومن رسم الخط میں یوں ہے:

"[2]...Bunee Israeel humeshau Khuda ki badshahat men koorkooraea burburaea kurte the, is waste ki manund uor quomon kee oon men bashah nu the. Akhir Jydoon ke oonka himayutee tha oos se kuha, ki too badshahat kur, hum he teray pusht dur pusht sultunut qubool kee, ossne Juwan-murdee se upnee nu maana, bulki oon logon ko jutaea ki badshah toomhara khuooda hy. Jub wook Margya, Ubee mulick, ki ooska beta hurum se tha, oosne Jotham Chhoot, Jydoon ke jo ur suttar bete the, oon ko mardala, uor Shykhmeeon kee mudud se badshah hua."(78)

۱۸۰۴ء میں مولوی امانت اللہ نے ''ہدایت الاسلام'' کے نام سے اہم کتاب مرتب کی جس میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیمات، عقیدے، عبادات اور اسلام کی بنیادی ضروری معلومات کو یکجا کر دیا گیا تھا۔ یہ کتاب گل کرسٹ نے اپنی نگرانی میں لکھوائی اور ہندوستانی پریس کلکتہ سے شائع کی۔ عام طور پر اس کتاب کے بارے میں ایک غلط فہمی

موجود ہے کہ یہ کتاب گل کرسٹ کی ہے۔ اصل میں یہ کتاب مولوی امانت اللہ کی ہے۔ گل کرسٹ نے اس کتاب کو عربی اور اردو زبان میں مرتب کرنے کے کام کی نگرانی کی تھی، براہ راست حصہ نہیں لیا تھا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں ایمان کی صفات، چھ کلمے، ارکان اسلام اور مختلف مواقع پر کی جانے والی دعائیں اور نفل عبادات کا تفصیلی بیان ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے گل کرسٹ اور کمپنی کے افراد کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے مذہبی عقیدے سے کامل آگاہی ہو سکے۔ گل کرسٹ نے رومن رسم الخط کے ترویج وارتقاء پر مسلسل کئی سال تک تحقیق و تجربات سے اس میں موجود خامیاں و کمیاں ختم کیں۔ رومن رسم الخط کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ۱۸۰۴ء میں رومن رسم الخط پر تفصیلی کتاب منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کا عنوان یہ تھا'

"The Hindee- Roman Orthoepigrahphical ultimatum; or A systematic view of Oriental and occidental Visible sounds on fixed and practical principles for the language of East"

۱۸۰۴ء میں ''ہندی عربی آئینہ'' یعنی "Hindee Arabic Mirror...." کلکتہ سے شائع ہوئی تھی جس میں عربی الفاظ سے اردو میں آنے والے الفاظ کے تعارف اور اشتقاق پر معلومات ملتی ہیں۔ اس سلسلے میں عربی کہانیوں کو بھی بطور نمونہ کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے مزید عربی ذخیرہ الفاظ کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے گل کرسٹ فارسی افعال پر ایک کتاب مرتب کر چکے تھے۔ عربی زبان سے متعلق بھی یہ کتاب ان کے اشاعتی منصوبے کا حصہ بنی۔

۱۸۰۴ء کا سال جان گل کرسٹ کی زندگی میں خاص اہمیت کا حامل تھا۔ فورٹ ولیم کالج کے چار سال گل کرسٹ کے کیریئر اور اردو ادبی و لسانی خدمات میں بڑی اہمیت کے حامل رہے لیکن یہ تمام عرصہ گل کرسٹ کے لیے پھولوں کی سیج ثابت نہ ہو سکا۔ قدم قدم پر کمپنی کے تجارتی مقاصد سے بھرے ذہنوں والے افراد اور گل کرسٹ کے درمیان اچھے تعلقات نہ رہے۔ گل کرسٹ کے اشاعتی منصوبوں میں کونسل کی طرف سے مسلسل رکاوٹ ڈالی جا رہی تھی۔ وہ کالج کی کتب کے اشاعتی منصوبوں پر تیس ہزار روپے سے زائد خطیر رقم خرچ کر چکے تھے جس کی واپسی کی امید نہ تھی اور وہ رقم نہ مل سکتی۔ گل کرسٹ کو کالج کونسل سے ایک شکایت اور بھی تھی کہ شعبہ عربی کے صدر نشین جان بیلی کو ماہانہ معاوضہ پچیس سو روپے ملتا تھا جبکہ گل کرسٹ کو صرف پندرہ سو روپے ماہانہ معاوضہ دے کر استحصال روا رکھا جا رہا تھا۔ ان مختلف کاروائیوں سے ان کا دل ہندوستان کے طویل قیام اور کالج کی نوکری سے اچاٹ ہو گیا۔ اس عہد میں جان گل کرسٹ نے کالج کے طلباء کے مابین ایک مباحثہ کا انعقاد کرانے کا منصوبہ بنایا اور ان کو مباحثے کا عنوان

دیا جو متنازعہ ثابت ہوا جس سے مذہبی عقیدت کے حامل ہندوستانیوں کی بڑی تعداد اس عنوان نے خلاف
عنوان ''ہندوستان کے لوگ انجیل کی تعلیمات کو اس وقت جلد ہی قبول کر لیں گے جب وہ عیسائی تصورات کا مقابلہ
اپنے اپنے صحائف سے کرنے کے قابل ہو جائیں گے''۔ یہ عنوان مسلمانوں میں میں خاص طور پر غم و غصے کے ساتھ
محسوس کیا گیا۔(۷۹)

گل کرسٹ کے اس عنوان کو لارڈ ولزلی کے سامنے رکھا گیا تو ان کو بظاہر اس عنوان میں کوئی خامی نظر نہ آئی
لیکن مفادِ عامہ کے پیش نظر انہوں نے گل کرسٹ کو یہ عنوان واپس لینے کا حکم دیا جس کو انہوں نے قبول نہیں کیا اور
فورٹ ولیم کالج کی نوکری سے صحت کی خرابی کی وجوہات لکھ کر استعفیٰ دے دیا اور انگلینڈ واپسی اختیار کی۔ گو ان کی
واپسی کے کچھ اور عوامل بھی وجہ بنے لیکن مباحثے کے اس عنوان نے ان کی واپسی کے منصوبے پر آخری ضرب لگائی
اور وہ استعفیٰ دے کر واپس چلے گئے۔ گل کرسٹ نے ۲۳ فروری ۱۸۰۴ء کو استعفیٰ دیا۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم لکھتی ہیں:

> ''گل کرسٹ کل چار سال شعبہ ہندوستانی سے وابستہ رہے۔ ہندوستانی زبان کی
> ترویج واشاعت کا جو خاکہ ان کے ذہن میں تھا اس کے لیے کالج کونسل نے ان
> کی قطعی ہمت افزائی نہیں کی۔ کالج کونسل کی سرد مہری اور حوصلہ شکنی سے عاجز آ
> کر انہوں نے ۱۸۰۴ء میں قطعی طور سے یورپ لوٹ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کی
> صحت بھی سالوں سے خراب تھی۔ چنانچہ اسی کو بنیاد بنا کر 23 فروری 1804ء کو
> انہوں نے کالج کونسل کو خط لکھ کر یورپ کے لیے اپنی روانگی سے مطلع کیا اور
> استعفیٰ قبول کرنے کی درخواست کی۔ 26 فروری 1804ء کی کالج کونسل کی
> کاروائی میں ان کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا''۔(۸۰)

۱۲۔ گل کرسٹ کی انگلینڈ واپسی اور تصنیف و تالیف کا دور

انگلینڈ میں ان کی زندگی کا تیسرا فیز شروع ہوتا ہے۔ جان گل کرسٹ نے کچھ عرصہ آرام کیا۔ اس دوران
میں ایڈن برگ یونی ورسٹی لندن نے ان کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے لسانی خدمات کے اعتراف کے طور پر ڈاکٹریٹ
کی اعزازی ڈگری L.LD دی۔ ۱۸۰۴ء کے بعد گل کرسٹ نے جتنی کتابیں لکھیں یا دوبارہ شائع کیں تو اپنے نام
کے ساتھ L.L.D, Esq کا اضافہ کر لیا تھا۔ ۱۸۰۵ء میں انہوں نے لندن میں کپڑے کا بزنس (Linen

(Trade شروع کیا تھا جو کامیاب نہ ہوا۔ ۱۸۰۶ء میں "Hertford Casle" نامی ادارہ شروع کیا گیا جس میں کمپنی ملازمین کو عربی فارسی زبانیں سکھانیں کا اہتمام تھا۔ پروفیسر جوناتھن اسکاٹ کے استعفیٰ کے بعد چند مہینے گل کرسٹ نے وہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔(۸۱) ۱۸۰۶ء میں انہوں نے کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر بینکنگ فرم کی بنیاد رکھی۔ اس عہد میں ان کو Royal Sociedy of Edinburg میں فیلوشپ مل گئی۔ ۱۸۱۵ء میں ان کی بینکنگ فرم کامیابی سے چل نہ سکی اور یہ کاروبار بھی خراب ہوتا ہوتا ختم ہوگیا۔ جان گل کرسٹ کی زندگی ہنگامہ خیزیوں سے بھرپور رہی۔

۱۸۰۶ء میں انگلینڈ میں گل کرسٹ نے اردو زبان پر ایک نئی کتاب مرتب کی جسے "The British Indian Monitor" کا نام دیا گیا۔ اس کتاب میں Oriental Linguist' Anti Jargonist اور Stranger's Guide نامی ان کتابوں کے بہت سے حصے اور مباحث اس کتاب کا حصہ بنائے گئے جو اس سے قبل علیحدہ کتب کی شکل میں فورٹ ولیم کالج سے قبل اور کالج کے قیام کے عرصے میں گل کرسٹ شائع کر چکے تھے۔ کتاب کے طویل عنوان سے پتہ چلتا ہے کہ تینوں کے اہم حصوں کو کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ ہندوستانی زبان کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کو سمجھنے کے لیے ان کے عادات واطوار، رسوم ورواج سے بھی آگاہی کتاب کا حصہ ہے۔ ہندوستان کی آب وہوا، موسموں کی متنوع صورتحال خوشی وغمی کے تہوار اور ان پر دلچسپ معلومات کو بطور خاص اس کتاب میں یکجا کر دیا گیا۔ یہ کتاب لیڈن ہال سٹریٹ (Landen Hall Street) لندن کے ایک اشاعتی ادارے "Walker & Greig" کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ کتاب کا انتساب لندن کے لارڈ پرووسٹ Sir William Fetter Baronet، اور چھ مختلف اسکالرز کے نام ہے۔ مزید اس انتساب میں شہر کے مجسٹریٹس کو بھی شامل کیا گیا۔ انتساب کے بعد ایک سپاس نامہ ہے جس میں اس کتاب کی اشاعت کو انکساری وافتخار کے ساتھ اپنی انگلینڈ آمد کے یادگار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ طویل دیباچے کے بعد مباحث شامل ہیں۔ ہندی۔ رومن رسم الخط کے بنیادی اجزاء واصول، قواعد کے حصے میں Adjunctives' Postpositions' متفرقات' Local Adverbal' مرکبات' تذکیروتانیث' Postpositions' سادہ' Intermediate' Noun' Translation' Declensions' Conjunctions and Interjections' عسکری' مکالمات' دن مہینوں کے نام' Verb' Pronouns' Adjectives' Gender' Ariticles' اصطلاحات' جنگ کے متعلق ضروری معلوماتی مضامین' بحریہ سے متعلق اصطلاحات اور ان سے متعلق مختلف اقسام کی مشقیں دی گئی ہیں جن کی مدد سے ہندوستانی زبان کے جملہ امور کو بآسانی سیکھا سمجھا جاسکتا تھا۔ اس کتاب کا دوسرا

ایڈیشن ۱۸۰۸ء میں شائع ہوا تھا۔

۱۸۱۰ء میں "Hindoostanee Philology" کے نام سے ایک ضخیم کتاب گل کرسٹ کے اشاعتی منصوبوں کا حصہ بنتی ہے۔ یہ کتاب قواعد ولغت پر ایک اہم کتاب ثابت ہوئی۔ اس میں انہوں نے کوشش کی تھی اردو گریمر کا ایک مختصر مگر جامع تعارف اور انگریزی اردو لغت کو یکجا کر کے ایک مکمل ایڈیشن بنا کر پیش کیا جائے۔ کتاب کے شروع میں چونسٹھ (رومن گنتی کے) صفحات اور قواعد پر طویل دیباچہ ہے (جسے باب نمبر چار میں دیکھا جائے گا۔ طویل قواعدی دیباچے کے بعد سات سو اکیس صفحات پر انگریزی اردو لغت شامل ہے۔ اس کتاب میں انگریزی ہندوستانی لغت کی دونوں جلدوں (۱۷۹۰ء۔۱۷۸۶ء) کا مواد شامل کر دیا گیا ہے۔ اردو مترادفات اور معنی رومن میں درج کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب دوسری مرتبہ ۱۸۲۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ ہندوستانی فلالوجی اپنی نوعیت میں اردو قواعد و لغت پر ایک مکمل اور جامع کتاب کی خصوصیت کی حامل ہے۔

انگلینڈ میں گل کرسٹ نے ہندوستانی زبانوں اور ادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ملک کی سیاست میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ سیاسی نظام اور پارلیمانی امور پر ان کی ایک کتاب شائع ہوئی تھی جس کا عنوان یوں ہے؛

"Parliamentary Reforms on Constitutional Principles, or British Loyality against continental Royalty..."

یہ کتاب گو ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہے لیکن اس کتاب کی موجودگی جان گل کرسٹ کی شخصیت کے ادبی و لسانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست سے دلچسپی کی مظہر ہے۔ اس سے ان کی شخصیت کی متنوع جہات کو باآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ گل کرسٹ نے اس عہد میں جمہوریت کے حق میں تقریریں کرنا شروع کی تھیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض اوقات جارحانہ انداز تنقید سے وہ جھگڑوں میں بھی پھنس جاتے تھے لیکن دل کی بات کو بول اور لکھ کر سامنے ضرور لاتے تھے۔

۱۸۲۰ء میں ''قواعدِ زبان اردو'' مشہور بہ رسالہ گل کرسٹ' کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب سے متعلق دو طرح کی آرا ملتی ہیں۔ اردو کا ایک طبقہ اس کتاب کو گل کرسٹ کی تالیف مانتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ اس کو میر بہادر علی حسینی کی کتاب تسلیم کرتا ہے جو اس نے اردو زبان میں گل کرسٹ کی گریمر کے خلاصے کے طور پر تحریر کی تھی۔ اس کتاب سے متعلق تحقیقی و تنقیدی آراء کا باب نمبر چار میں جائزہ لیا گیا ہے۔ جان گل کرسٹ کی ہندوستان آمد (۱۷۸۲ء) کے واقعات سے لے کر ۱۸۲۱ء تک کی متحرک زندگی حالات کے سرد و گرم تصنیف و تالیف کی زندگی تدریسی و انتظامی ذمہ داریوں پر ۱۸۲۱ء میں ایک کتاب "A Succient Narrative of Dr. Gilchrist's Services from

"1782 to 1821, London شائع ہوئی۔ (اس کتاب کا ذکر شروع میں آ چکا ہے یہاں محض توقیت کے نقطہ نظر سے ذکر کیا گیا ہے) ۱۸۲۰ء میں ایک اور کتاب شائع ہوئی جس کا تعلق اردو زبان وادب سے نہیں تھا۔ اس کتاب کا عنوان یوں ہے "The Oriental Green Bag or A Complete Sketch of Edwards Alter in the Royal Exchequer, Containg of full Acount of Battle---1820, London یہ کتاب مختلف موضوعات پر جستہ جستہ مضامین کی صورت میں تحریر کی گئی تھی۔ کل ۱۱۵ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو اگر ایک رسالہ کہا جائے جو متفرق موضوعات کا حامل ہے تو بے جا نہیں۔

انگلینڈ واپسی کے بعد گل کرسٹ کی زندگی اردو زبان وادب اور مشرقی علوم وفنون کے علاوہ دیگر شعبوں سے بھی متعلق رہی۔ ان کی دیگر دلچسپیوں کا اندازہ اس دلچسپ امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے لندن میں ایک مشرقی چڑیا گھر بنایا تھا اور ایڈنبرا میں ایک بنک (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) بھی قائم کیا تھا۔ اس بنک کے مقاصد میں انہوں نے ساتھی حصہ داروں کی رضامندی سے ایک شق یہ بھی رکھی تھی کہ منافع کے ایک حصے سے کتب کی اشاعت کا کام کیا جائے گا۔ گل کرسٹ بنک کا زیادہ سرمایہ کتب کی اشاعت پر لگا بیٹھے تو بنک خسارے میں چلا گیا جس کی وجہ سے ان کے ساتھ حصہ داروں نے بنک سے ہاتھ کھینچ لیا اور یوں یہ کام ان افراد کی عدم واقفیت کی وجہ سے ناکام ہو گیا'۔ (۸۲)

گل کرسٹ کو ایک جہد مسلسل کا نام تھا جو زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہی۔ کاروبار ختم ہونے کے بعد ۱۹۱۷ء میں لندن واپس آ گئے اور ۲۸۔۱۹۲۷ء تک مقیم رہے۔ لندن میں ان کی کوششوں سے University College London کی بنیاد پڑی اور یہاں بھی انہیں ہندوستانی زبان کا پروفیسر بنایا گیا۔ لندن میں Dr. George Birbeck کی لندن انسٹی ٹیوٹ بنانے میں مدد کی جو بعد میں تاریخ میں Birbeck College کے نام سے جانا گیا۔ (۸۳) لندن میں ان کی کوششوں سے اورینٹل انسٹی ٹیوشن بنایا گیا۔ اور نئے سرے سے درس و تدریس کا سفر شروع کیا۔

۱۸۱۸ء میں لندن کے لیسٹر اسکوائر میں "Oriental Institute" نامی ادارہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے قائم کیا اور گل کرسٹ کو وہاں پر پروفیسر کا عہدہ دیا گیا۔ یہاں انہوں نے درس وتدریس کا کام شروع تو کر دیا تھا لیکن یہاں بھی کمپنی کے کرتا دھرتاؤں اور گل کرسٹ کے درمیان سرد جنگ جاری رہی۔ آہستہ آہستہ یہ اختلافات بڑھتے چلے گئے تو ۱۸۲۵ء میں کمپنی نے ان کی دو سو پونڈ سالانہ کی تنخواہ بند کر دی اور یوں گل کرسٹ کو یہاں سے اپنا تعلق منقطع کرنا پڑا۔ اس صورتحال کے بارے میں ڈاکٹر سمیع اللہ لکھتے ہیں:

"باہمی اختلافات کی خلیج کے وسیع ہونے پر کمپنی نے ۱۸۲۵ء میں اپنی امداد کر دی۔اور انسٹی ٹیوٹ سے اس کا تعلق منقطع ہوگیا۔اس کے بعد یہ ذمہ داری ڈنکن فوربس (Duncan Forbes) اور سین فورڈ ارناٹ (Sanford Arnot) کے سپرد کر کے اس نے اسی ادارے کے قریب ہی ہفتے میں صرف ایک بار الگ سے کلاس لینی شروع کر دی۔ یہ سلسلہ ۲۹۔۱۸۲۸ء تک قائم رہا جس کی وجہ سے فوربس اور ارناٹ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ کیونکہ طلبا روزانہ کی بجائے ہفتہ میں ایک ہی دن پڑھنا پسند کرنے لگے۔ بالآخران دونوں کے تعلقات بھی گل کرسٹ سے ختم ہوگئے"۔(۸۴)

اورینٹل انسٹی ٹیوٹ اور دوستوں کے ناروا رویے کی وجہ سے گل کرسٹ کو نہ صرف یہ کہ اس ادارے سے الگ ہونا پڑا بلکہ کچھ دوستوں سے بھی تعلقات اچھے نہ رہے۔ چنانچہ ۱۸۲۶ء میں انہوں نے ایک کتاب تحریر کی جس کا عنوان یہ ہے

"The Orienti-Occidental Tuitionary Poineer to Literary Pursuits, by the King's and Compan's Officers of all ranks..."(1826)

اس کتاب میں ان دوستوں اور افسروں کی شکایات اور شکوے درج ہیں جن کی وجہ سے گل کرسٹ کو انگلینڈ میں قیام کے دوران مسائل کا سامنا رہا۔اس سلسلے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقتدر افراد کا لندن کے "اورینٹل انسٹی ٹیوٹ" میں گل کرسٹ کی امداد سے ہاتھ کھینچ لینا اور مشکلات کا احوال ہے جن کی وجہ سے پیرانہ سالی میں گل کرسٹ کے ساتھ ان کا بے رخی کا برتاؤ شامل ہے۔ کتاب کی صورت میں گل کرسٹ کے جذبات اور اعتراضات شکایتوں کی صورت میں تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں۔ یہ شکایات چودہ رپورٹس کی شکل میں کتاب کا حصہ بنائی گئی تھیں۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کی ایک دلچسپ کتاب ہے (جو ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہے)۔

۱۸۲۵ء میں کیپٹن ولیم سن مرحوم کی "پاکٹ بک" انداز کی ایک اہم کتاب گل کرسٹ کی نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ نئے انداز سے شائع ہوئی جس کا عنوان اس طرح تھا۔

The General East India Guide and Vade Mecum, for the

Functionary, Government officer, Private agent, Trader or for Foreign Sajouner, in British India, and the adjacent parts of Asia, being a Digest of the work of the late Capt. Williamson by J. B. Gilchrist with Improvements and Additions, Kingsbury, Parbury & Allen, London, (1825).

یہ کتاب گل کرسٹ کی اجنبی افراد کے لیے لکھی گئی گائیڈ بک کے انداز کی طرح مرتب کی گئی تھی۔اس کتاب میں اردو(ہندوستانی) زبان کے مباحث کو ایک سو اٹھائیس اصولوں کی مدد سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔زبان کے اصولوں کے بعد اس زبان کی مشقوں کو رومن حروف تہجی میں پیش کیا گیا تھا۔اس کتاب کی دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس میں ایک سو سے زائد صفحات پر انگریزی اردو لغت کا حصہ شامل ہے۔مزید "عربی ہندوستانی آئینہ" کا حصہ بھی شامل ہے۔اگر گل کرسٹ کتاب کے سرورق پر کیپٹن ولیم سن مرحوم کا ذکر نہ کرتے تو یہ کتاب گل کرسٹ کی اپنی ماننے میں کوئی عذر مانع نہ ہوتا۔غرض اس کتاب پر نظر ثانی کر کے گل کرسٹ نے اس کتاب کو اپنی کتاب کے انداز میں بدل دیا۔دستی کتاب کے طور پر اپنی نوعیت کی بہترین امدادی کتاب ہے جو ہندوستان جانے والے سرکاری افسروں، تاجروں، کسی بھی مقصد کے تحت سفر کرنے والوں کی لسانی ضروریات کے مطابق تحریر کی گئی تھی۔لندن سے دل برداشتہ ہو کر انہوں نے اسکاٹ لینڈ کا رخ کیا۔مسلسل سخت محنت سے گل کرسٹ کی صحت خراب رہنے لگی تھی لیکن کام سے تعلق توڑنا ان کو گوارہ نہ ہوا۔۱۸۳۳ء میں سائنس اور ہومیو پیتھک کے موضوع پر ایک کتاب بعنوان

"A Practical Appeal to the public, through a series of letters, in defence of the new system fo physic by the Illustrious Hahnemann, Letter the first, London, Parbury and Allon, London.

(یہ کتاب ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق نہیں رکھتی) اس کتاب کے سلسلے میں یہ امر پیش نظر رہے کہ گل کرسٹ اس کتاب کے ذریعے اپنے اس پیشے کی طرف رجوع کرتے نظر آتے ہیں جو انہوں نے ہندوستان میں کمپنی کی ملازمت کے لیے اختیار کیا تھا۔طب کا شعبہ ان کا وہ پیشہ تھا جس پر انہیں کمپنی کی ملازمت ملی تھی۔ان کی آخری کتاب اسی سال شائع ہوئی جس کا عنوان تھا

"A Bold Epistolary Rhapsody, addressed to the Propertiies of East

India Stock in... House of commons, London Ridgewany.(1833)

سخت محنت اور ہنگامہ خیز زندگی کے آخری عمر میں گل کرسٹ کو بیماری سے دوچار کردیا۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی جو بڑھاپے میں ان کی دیکھ بھال کرتی۔ ایک بیوی کا ساتھ تھا جن کا نام ''میری آرنکو کنٹری (Merry Arnco Kentry) تھا۔ آخری عمر میں گل کرسٹ تبدیلی آب وہوا اور علاج معالجے کے لیے پیرس (فرانس) تشریف لے گئے۔ بالآخر ۹ جنوری ۱۸۴۱ء کو وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی بیوہ میری آرنکو کنٹری نے ۱۹۵۰ء میں پیرس میں پوپ گگ بینو (Gugbeno) سے شادی کر لی۔ (۸۵) اردو زبان وادب کے میدان میں جو وراثت انھوں نے چھوڑی وہ اہمیت کی حامل ہے۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی اردو زبان کے لیے وقف کردی۔ ہندوستان اور انگلینڈ جہاں بھی ان کا قیام رہا اردو کی تدریس اور کتب کی تالیف میں ہی مصروف کار رہے۔ اردو زبان وادب کی تاریخ اس نابغہ روزگار ہستی کی ہمیشہ احسان مند رہے گی۔

حواشی وحوالہ جات

1. M.Atique Siddiqi,Origins of modern Hindustani literature,Nayakitab ghar, Aligarh(india),1962, P.177

۲۔ رضیہ نور محمد، مس، ڈاکٹر، اردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، مکتبہ خیابان ادب، لاہور، اپریل ۱۹۸۵ء، پہلا ایڈیشن، ص ۱۳

۳۔ یہ معلومات رضیہ نور محمد کی محولہ بالا کتاب کے صفحہ ۳۴، اور عتیق صدیقی کی محولہ بالا کتاب میں کرانولوجی والے باب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۴۔ ناصر عباس نیر، مابعد نو آبادیات، اردو کے تناظر میں، اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۸۱

۵۔ عتیق صدیقی، محمد، گل کرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء، اول، ص ۴۷

۶۔ جارج گریرسن، مشمولہ گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص ۴۸

۷۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، (مرتب) ہندوستانی گرامر از بنجمن شلزے (مقدمہ) مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول، ۱۹۷۷ء، ص ۳

۸۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ہندوستانی گرامر، ص ۳

۹۔ غلام عباس گوندل، ڈاکٹر، کیٹلر کی قواعد : کچھ نئی دریافتیں، مشمولہ معیار (تحقیق وتنقید مجلہ)، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، پاکستان، شمارہ نمبر ۸، س ن، ص ۱۶۰

۱۰۔ Anna Pytlowany کا آرٹیکل "The Earliest Hindustani Grammar" کے عنوان سے انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ اس کا لنک یہ ہے۔ Ref- bc. Library.uu.nl/node/180, Accessed on 07.07.2013

۱۱۔ ڈاکٹر غلام عباس گوندل نے مذکورہ بالا آرٹیکل میں کیٹلر کی قواعد کے نام کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ "ہدایت یا تعلیم زبان ہندوستانی و فارسی مع ان کی تعریف ومطابقت فعل نیز ہندوستانی اور ڈچ پیمانوں اور اوزان کا موازنہ اور چند مسلمان ناموں کے معانی۔

۱۲۔ عبدالحق، مولوی، قواعد اردو، انجمن ترقی اردو کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۷-۱۶

۱۳۔ رضیہ نور محمد، مس، ڈاکٹر، اردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی خدمات، ص ۱۹-۱۸

۱۴۔ کیلئر پران اصحاب کی معلومات کے لیے ان کی کتب کو دیکھا جاسکتا ہے۔

(i)۔ خلیل الرحمان داؤدی' قواعدِ زبان اردو مشہور بہ رسالہ گل کرسٹ' مجلس ترقی ادب' لاہور

(ii)۔ ڈاکٹر رضیہ نور محمد' اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ' مکتبہ خیابان ادب' لاہور

(iii)۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی' جامع القواعد (حصہ صرف) اردو سائنس بورڈ' لاہور' طبع دوم' ۲۰۰۴ء

(iv)۔ نادم سیتاپوری' فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی' ادارہ فروغ اردو' لکھنؤ' اول ایڈیشن' ۱۹۵۹ء

۱۵۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ہندوستانی گرائمر' ص ۶

۱۶۔ کیلئر کی قواعد کے تینوں مخطوطے موجود ہیں اور انٹرنیٹ google پر مذکور مضمون کھول کر ان کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۷۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، عہد اورنگ زیب کی نثر کے تین نمونے اور ہندوستانی یعنی اردو زبان کی پہلی گرامر' مشمولہ تپش نامہ تمنا' سنگ میل پبلی کیشنز' لاہور' ۲۰۱۲ء' ص ۱۴

۱۸۔ معین الدین عقیل' ڈاکٹر، اردو زبان کی اولین قواعد کا قضیہ' مطبوعہ' بنیاد (ادبی مجلہ) لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز' لاہور' پاکستان' شمارہ نمبر ۱' جلد سوم' ۲۰۱۲ء' ص ۷۰۔۶۹

۱۹۔ ایضاً۔ ص ۶۹

۲۰۔ بنجمن شلز کی اس قواعد کو ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے ''ہندوستانی گرائمر'' کے عنوان سے اردو ترجمے کے ساتھ ۱۹۷۷ء میں شائع کیا اور اس پر تفصیلی مقدمہ شامل ہے۔

۲۱۔ شلز کے حالات زندگی کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ اس پیراگراف میں موجود مواد کا ماخذ Biographical Dictionary of Christian Mission, By Gerld H. Anderson. یہ ہے۔

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ سلیم الدین قریشی' اٹھارہویں صدی کی اردو مطبوعات (توضیحی فہرست)' مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد' ۱۹۹۳ء' طبع اول' ص ۱۹۔۱۸

۲۴۔ ابواللیث صدیقی' ڈاکٹر' ہندوستانی گرائمر' ص ۳۰

۲۵۔ ایضاً۔ ص ۳۰

۲۶۔ سلیم الدین قریشی کی کتاب اٹھارویں صدی میں اردو مطبوعات کے صفحہ ۱۸ پر اس کتاب کا حوالہ بنجمن شلز کے نام سے موجود ہے۔ اس کتاب کا عنوان اطالوی زبان میں ہے۔ اس کتاب کے بارے میں عنوان کے علاوہ اردو میں آدھی سطر کا عنوان بھی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ملتیں۔ دوسری کتاب بھی تبلیغی مشن کے سلسلے میں ترجمہ شدہ کتاب ہے۔ دونوں کتب بالترتیب ۱۷۴۲ء، ۱۷۴۴ء کے سنین کے ساتھ ملتی ہیں۔

۲۷۔ Biographical Dictionary, edited by Gerald H. Anderson, 1999,
W m B
Eerdsman publishing, 1999.

۲۸۔ عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص ۵۱

۲۹۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے شلز کی کتاب کو اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا تھا۔ صدیقی نے شُلز کو شلزے لکھا ہے۔ اصل میں یہ نام شُلز ہے۔ دوسرے ہالے کو ہال لکھا ہے جو شائد انگریزی ہجوں کے حساب سے لکھا ہی۔ صدیقی کا ۱۷۴۵ء والی اشاعت کا دعوی ہندوستانی گرائمر کے صفحہ نمبر ۲ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ کتاب کا حوالہ اوپر موجود ہے۔ ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد نے اپنی کتاب ''اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی و ادبی خدمات'' میں اس کا سن ۱۷۴۱ء لکھا ہے جو صحیح ہے۔ صفحہ نمبر ۲۱ پر یہ دعویٰ دیکھا جا سکتا ہے۔

۳۰۔ ہندوستانی گرائمر، ص ۳۰

۳۱۔ رضیہ نور محمد، ڈاکٹر، اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۲

۳۲۔ شلز، بنجمن، دیباچہ ہندوستانی گریمر، مشمولہ اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات، ص ۲۳

۳۳۔ رضیہ نور محمد، ص ۲۳۔۲۲

۳۴۔ ہندوستانی گرائمر، ابواللیث صدیقی، ص ۲۹

۳۵۔ عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص ۵۲۔۵۱

۳۶۔ Gordon Goodwin, A Dictionary of National Biograph (1885-1900) Volume,23, cited at, en-wikisource/wiki/Hadley-George-(d1798) (DN Boo) Accessed on 04/05/2013

۳۷۔ ایضاً
۳۸۔ ابواللیث صدیقی، مقدمہ ہندوستانی گرائمر، ص ۸
۳۹۔ سلیم الدین قریشی، ص ۳۲
۴۰۔ یہ کتاب google books پر pdf فارمیٹ میں موجود ہے۔ اس کو download کیا جا سکتا ہے۔ راقم کے پاس اس کا ڈاؤن لوڈ کیا ہوا نسخہ موجود ہے۔
۴۱۔ عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص ۵۳
۴۲۔ مرزا محمد فطرت لکھنوی کے بارے میں بنیادی باتیں عتیق صدیقی کی دونوں کتب اور جامع القواعد حصہ صرف میں دیکھی جا سکتی ہیں۔
۴۳۔ Richard Steadman Jones, Colonialism and grammatical representation: Blackwell Publishing ltd, oxford U.K,2007, P.196

44.www.notablebiographies.com/supp/supplement-F1-KA/Jones-William.htm, accessed on 21-05-2012

۴۵۔ ابواللیث صدیقی، جامع القواعد (حصہ صرف) ص ۱۳۹
۴۶۔ Garland Cannon,Sir William Jones,Sanskrit,Persian and the Asiatic Society,published in,Histoire Epistemologie langage,vol 6,issue 6.2, (P-83)
۴۷۔ رضیہ نور محمد، اردو زبان و ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات۔۔۔، ص ۴۴
۴۸۔ ایضاً۔
۴۹۔ en.wikipedia.org/wiki/gercim_lebedev, accessedon 06-07-2013
۵۰۔ ابواللیث صدیقی، جامع القواعد (حصہ صرف)، ص ۱۴۴
۵۱۔ Ghosh,Prodyot."lebedeff,Heracim(Geracim)Steppanovich." B a n g l a p e d i a ,

...ngal,... accessed on 06-07-2013

۵۲۔ Lebedeff, heracim, A Grammar of the pure and mixed East Indian Dialects, printed by J. Skirven London, 1801,P-xvii

۵۳۔ ڈاکٹر تیج کرشنا بھاٹیا نے اپنی کتاب A History of Hindi Grammatical Tradition کے صفحہ نمبر ۷۷ پر جون فرگوسن کے باب کا عنوان ان الفاظ میں دیا ہے۔ John Ferguson, A grammar of Hindostan Language, اس سے قبل فرگوسن کے قواعدی مقالے کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ محض اس کی لغت نویسی کا ذکر ہی کافی سمجھا جاتا۔

۵۴۔ Tej K. Bhatiya, A History of the Hindi Grammatical Tradition, E.J. Brill, Leiden, the Netherland, 1987, P-77

۵۵۔ ایضاً۔ص ۷۸

۵۶۔ ابواللیث صدیقی، جامع القواعد، ص (۴۵۔۱۴۴)

۵۷۔ Richard Steadman Jones, P.64

۵۸۔ ایضاً۔ص ۶۵۔۶۴

۵۹۔ Richard Steadman Jones,P-1

۶۰۔ ایضاً۔ص ۱

۶۱۔ عبیدہ بیگم، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء، پہلا ایڈیشن، ص ۷۶

۶۲۔ Gilchrist, John, Poems of Gilchrist, edited by Dr. Ebadat Brelvi, University Oriental College Lahore, 1977, P,68-68

۶۳۔ Sadiq-ur-Rehman Kidwai, Gilchrist and the 'Language of Hindoostan' Rachna Parkashan New Delhi, 1972, P.39

۶۴۔ ایضاً۔ص ۴۳

۶۵۔ انہوں نے ہندوستانی انگریزی لغت کو ہندوستانی فلالوجی سے نکال کر یہ منصوبہ صرف تین کتب تک محدود کر

دیا تھا۔ تفصیل کے لیے گل کرسٹ اوراس کا عہد صفحہ ۸۵ پر یہ معلومات موجود ہیں۔

۶۶۔ گل کرسٹ اوراس کا عہد۔ ص ۴۰

۶۷۔ Gilchrist, John, The Oriental Linguist--- Ferris Post Press, Calcutta, 1802, 2nd Edition , Title Page

۶۸۔ عتیق صدیقی، گل کرسٹ اوراس کا عہد، ص ۱۰۲

۶۹۔ Sadiq-ur-Rehman Kidwai, P.46

۷۰۔ M. Atiq Saddiqi, Origins of modern Hindustani Literature, Naya Kitab Ghar, Ali Garh, P.74

۷۱۔ فورٹ ولیم کالج کے سلسلے میں لارڈ ولزلی اورکورٹ آف ڈائریکٹرز کے درمیان چپقلش اوراس سے متعلق تاریخ کی معلومات عبیدہ بیگم، عتیق صدیقی، سید محمد، صدیق الرحمٰن قدوائی کی معاون کتب سے اخذ کردہ ہیں۔

۷۲۔ عبیدہ بیگم، ڈاکٹر، ص ۲۵۔۳۴

۷۳۔ Gilchrist, Jon, The Anti Jargonist--- Ferris & Co., Calcutta, 2nd edn.1800,P.233-234

۷۴۔ Gilchrist, John, Quoted in Origin of Modern Hindustani Litearture, P112

۷۵۔ Gilchrist, John, A New Theory and Prospectus of Persian Verb---Calcutta,1801, P-21-26

۷۶۔ Gilchrist, John, The Stranger's East India Guide to the Hindoostanee, or grand popular Language of India (Improperly called Moors)Hindoostanee Press,Calcutta, 1802. P.97

۷۷۔ Gilchrist, John, The Hindee Story-Teller---Thomas Hubbard, Hindoostanee Press, Calcutta, 1802, P.xxvii

Press, Calcutta, 1803, P.1-3

۷۸- جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب لاہور، جلد سوم، ۲۰۰۶ء، ص ۴۱۶

۷۹- عبیدہ بیگم، ڈاکٹر، ص ۵۰

۸۰- en.wikipedia.org/wiki/john-gilchrist(linguist) accessed on 26-08-12

۸۱- سمیع اللہ، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج ایک مطالعہ، نشاط آفسٹ پریس، ٹانڈہ، فیض آباد (انڈیا)، ۱۹۸۹ء، پہلی

۸۲- اشاعت ص ۱۰۴

۸۳- en.wikipedia.org/wiki/john-gilchrist(linguist) accessed on 26-08-12

۸۴- سمیع اللہ، ڈاکٹر، ص ۱۰۵

۸۵- ایضاً

باب سوم:

جان گل کرسٹ کی لغت نویسی کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

۱۔ اصول اور لوازماتِ لغت

۲۔ جان گل کرسٹ سے قبل مشرقی ومغربی لغت نویسی کا جائزہ

۳۔ جان گل کرسٹ کی لغت نویسی

☆ گل کرسٹ کی لغت "A Dictionary, English and Hindoostanee---" کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

☆ جان گل کرسٹ کی لغت کا مجموعی جائزہ؛ اندراج کا طریقہ کار؛ ذخیرہ الفاظ کی نوعیت اور ان کی لغزشیں۔

۴۔ گل کرسٹ کی دیگر کتب میں لغت نویسی کا جائزہ

☆ Oriental Linguist (1798) میں درج ذخیرہ الفاظ ولغت کا جائزہ

☆ The Anti Jargonist... (1800) میں درج ذخیرۂ الفاظ کا جائزہ

☆ East India Guide... (1802) میں درج ذخیرۂ الفاظ کا جائزہ

☆ Hindi Moral Preceptor (1803) میں درج فرہنگ

☆ Hindoostanee Philology (1810) اور "A Dictionary, English and Hindoostanee" کا تقابلی جائزہ

☆ حواشی وحوالہ جات

باب سوم:

جان گل کرسٹ کی لغت نویسی کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

ا۔ اصول اور لوازماتِ لغت

کسی بھی زبان کے لسانی مطالعہ سے اس زبان کے الفاظ اور معنی کے درمیان پائے جانے والے رشتے کو واضح کیا جاتا ہے۔ لفظ اور معنی کے اس تعلق کو لسانیات کی ایک بڑی شاخ ''معنیات'' (Semantics) کے اصولوں کی رہنمائی میں دیکھا، پرکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ زبان کے سیکھنے اور اس میں موجود ادبیات اور مذہبی صحیفوں کی تفہیم کے لیے بھی ایسی معاون کتابوں کی ترتیب وتالیف کی طرف خاص توجہ دی جاتی ہے، جس سے الفاظ کے لغوی و اصطلاحی معنوں کی تفہیم پر روشنی پڑتی ہے۔ ایسی کتاب جس میں لفظ کے معنی، مفہوم، اس کے مترادفات، الفاظ کے متنوع استعمالات، لفظ کے ماخذ واشتقاق اور لفظ کی مختلف زبانوں میں پائی جانے والی حیثیت پر محققانہ تحریر مرتب کی جاتی ہے، اسے لغت، ڈکشنری، قاموس، فرہنگ جیسے متبادل ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لفظ اور معنی کے مابین پائے جانے والے تعلق پر ہندوستان کی قدیم کلاسیکی روایت سے ہی اہلِ علم کا رجحان پایا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے قدیم عہد سے ہی ہندوستانی خطے میں لغات وقواعد کی کتب مرتب کرنے کا رجحان تاریخ علم وادب کا حصہ ہے۔ لغت نویسی کے میدان میں ہندوستان میں سب سے پہلی دستیاب لغت ''نگھنٹو'' کا نام ملتا ہے جس سے اس خطے میں لغت نویسی کی روایت کے سراغ ملتے ہیں۔ ڈاکٹر نعمت الحق اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے اردو لسانیات میں اس بارے میں لکھتے ہیں،

> ''قدیم ہند میں ''نگھنٹو'' پہلی دستیاب لغت ہے جس میں منیوں نے 'وید' کی تفہیم میں سہولت پیدا کرنے کے لیے مشکل الفاظ کے معنوں کی وضاحت کی تھی۔ یاسک منی نے 'نرکت' میں اس لغت کی تشریح کی اور اس میں اضافے کیے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں یونان میں بھی لغت نویسی کے ابتدائی نقوش نظر آتے ہیں۔ یونانی دانش ور ہومر اور دیگر کلاسیکی شاعروں کے کلام میں مشکل الفاظ کی فہرست مرتب کر کے ان کی تشریح وتفسیر کر دیتے تھے''۔(۱)

پانٹی کی سنسکرت قواعد ''اشٹ ادھیائے'' اور ''نگھنٹو'' جیسی لغت کے دستیاب ہونے سے علم ودانش کی شمع

کے ہندوستان میں سراغ ملنے سے اس خطے کے اہلِ دانش کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے اور یہ خطہ یونان کی علمی و ادبی روایت سے کسی طور پیچھے نہ تھا۔ لسانیات کی شاخ معدیات دو اہم حصوں' قواعد اور لغت پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان دونوں عناصر کے اصول و ضوابط کی روشنی میں کلمے اور کلام کی صحت و درستی' معیار اور معنی و مفہوم کے تعلق کو بخوبی سمجھا جاتا ہے۔ لغت کا بنیادی کام زبان کے کلمے' کلام' صرفی و نحوی شکلوں کی تفہیم' لفظ کی قواعدی حیثیت' اور اس کے اصل و غیر اصل ہونے کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ لغت نویس کسی بھی لفظ کے عوامی استعمال' خواص کے استعمال' ادبی روایت میں لفظ کے مفہوم و استعمال' اور اس کے متنوع اقسام کے مفہوم کے اوپر تمام موجود معلومات کو معروضی انداز سے لغت میں یکجا کر دیتا ہے۔ لغت نویس لفظ کا موجود عہد میں ہونا ہی ثابت نہیں کرتا بلکہ اس لفظ کے ماضی میں مختلف اشکال و استعمال کے ساتھ ساتھ متروک الفاظ کی فہرست کو بھی لغت کا حصہ بناتا ہے' جو اس کے عہد میں ہو سکتا ہے' مستعمل نہ ہوں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متروک الفاظ کی پیش کش سے کونسا فائدہ اس کے پیش نظر ہے؟ متروک الفاظ کو کلاسیکی ادب کی تفہیم کے لیے بھی اکٹھا کیا جاتا ہے۔ تاکہ یہ لفظ جس عہد میں مستعمل تھا اس کے معنی کے مطابق شعر پارہ یا فن پارے کس نوعیت کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

لغت الفاظ کے معنی تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ اس لفظ کی املائی صورت' اس کے تلفظ کا درست انداز' لفظ کے ماخذ و اشتقاق کی معلومات' مختلف بولیوں اور زبانوں سے ہوتے ہوتے موجودہ زبان میں آنے کا ارتقائی سفر' تذکیر و تانیث' اس کی قواعدی حیثیت کو اس انداز سے یکجا کر دیتا ہے کہ اس سے لفظ کا درست مفہوم قاری پر واضح ہو جاتا ہے۔ اب اس اندراج میں خوبصورتی یوں بھی پیدا کی جا سکتی ہے کہ اس لفظ کے مترادف اور متبادل اس زبان اور دوسری زبانوں سے الفاظ لے کر لغت کا حصہ بھی بنائے جا سکتے ہیں جس سے لغت وقیع صورت و معیار کی حامل بن جاتی ہے۔ مولوی عبدالحق لغتِ کبیر کے مقدمے میں لکھتے ہیں'

> ''ایک کامل لغت میں ہر لفظ کے متعلق یہ بتانا ضروری ہوگا کہ وہ کب کس طرح اور کس شکل میں اردو زبان میں آیا۔ اس کے بعد اور اس وقت سے تا حال اس کی شکل و صورت اور معنی میں کیا کیا تغیر ہوئے۔ اس کے کون کون سے معنی متروک ہو گئے اور کون کون سے اب تک باقی ہیں اور اس میں اب تک کون کون سے نئے معنی پیدا ہوئے۔ ان تمام امور کی توضیح کے لیے زبان کے ادیبوں کے کلام سے نظائر پیش کرنے ہوں گے۔ ہر لفظ کی اصل کی تحقیق کرنی ہوگی' یعنی یہ بتانا ہوگا کہ

یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ اس کی صورت یہی ہے جو اصل میں تھی یا بدل گئی ہے۔
اصل زبان میں اس کے کیا معنی تھے اور اب کیا ہیں اور اگر درمیان میں کچھ
تغیرات ہوئے تو وہ کیا تھے۔ لفظ کی تاریخی حالت معلوم کرنے کے لیے اصل میں
اشتقاق کا معلوم کرنا بہت ضروری ہے''۔ (۲)

لغت نویسی (Lexicography) اور معنیات (Semantics) علم لسانیات کی ذیلی شاخوں کا حصہ بنتی ہیں' اس لیے لغت نویس کے لیے الفاظ کے انتخاب کو استعمال کے لیے معروضی ہونا اہم قرار پاتا ہے۔ ماہر لسانیات کی طرح لغت نویس کا بھی یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ لفظ کے صحیح وغلط ہونے کی نشاندہی کرے یا محاکمہ دے بلکہ اس کے استعمال کو من وعن پیش کر دے تاکہ قاری اپنا نقطہ نظر خود بنا سکے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو لغت نویس کے لیے ہرگز ضروری نہیں ہے کہ وہ کلمے یا کلام کے مستند' فصیح وغیر فصیح ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ دے۔ کسی بھی لفظ سے متعلق تمام تر تفصیلات' محاورے' شعراء کے ہاں استعمال کی مثالیں دینا عملی طور پر ممکن نہیں ہوتا کیونکہ اس تفصیل سے یا تو لغت کا حجم بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے یا الفاظ کی کمی جیسے عنصر سے اندراجات کم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے لغت نویس اپنے ادبی وتنقیدی ذوق کے باعث قدیم عہد کے مفاہیم وشعری مثالوں سے لفظ کو واضح کرتا ہے۔ موجودہ عہد کے استعمالات عام طور پر چونکہ قاری کے سامنے ہوتے ہیں اس لیے' عام طور پر اس کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کرنا ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ لغت نویسی میں قواعدی خوبیوں کی اہمیت کو ڈاکٹر مسعود ہاشمی کی اس رائے سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے'

''کسی بھی لغت میں اصل یا ماٰخذِ لسانی کی نشان دہی سے زیادہ یہ بات اہمیت
رکھتی ہے کہ اس میں اندراجات کی قواعدی نوعیت اور ان کی ادبی اور لسانی حیثیت
کی کس حد تک نشان دہی کی گئی ہے؟ یہ ایک بہت ہی نازک کام ہے اور ذرا سی
بے احتیاطی سے لغت کی تدوین کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔۔۔ اس کی اسمی' فعلی'
صفتی نوعیت کے تعین کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی غلطی یا چشم پوشی قابل درگزر قرار
نہیں دی جاسکتی''۔ (۳)

اس اقتباس سے لغت میں شامل لفظ کی قواعدی حیثیت بھی کسی بھی قسم کے ابہام سے لغت کے مستند یا غیر

مستند ہونے کے امکان ظاہر کر کے قواعد کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لفظ کے دوسرے استعمالات' تذکیرو تانیث یا اس کی مستعمل شکلوں سے معنی کی اونچ نیچ ہونے سے لغت پر کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اوپر مذکور قواعدی کلیوں کا ہر صورت خیال رکھا جانا ضروری ہے۔ لغت نویسی کے ضمن میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے کہ الفاظ کے مترادفات کی تفصیل حد سے تجاوز نہ کرنے پائے ورنہ لغت اپنے مشمولات کے حساب سے بے جا طویل نویسی کا نمونہ بن جائے گا جو اس ضمن میں خامی بن جائے گا۔ لفظ کے مترادف تحریر کرتے وقت عام طور پر اس کے محاوراتی معانی کو بھی ذیل کا حصہ بنا دیا جاتا ہے جو اس طوالت کا سبب بن سکتا ہے۔ محاوراتی معانی دیے جانے سے عام طور پر اصطلاح اور محاورہ کے یکجا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ بہتر ہے کہ اصطلاح کو نہ چھوڑا جائے البتہ محاوراتی معنی کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ ایک معیاری لغت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیتے وقت جن باتوں کو ملحوظ رکھا جانا ضروری ہوتا ہے وہ ڈاکٹر مسعود ہاشمی کے الفاظ میں یوں ہیں'

> ''کسی بھی لغت کا تنقیدی جائزہ لیتے وقت سب سے پہلا سوال اس لغت کے بنیادی مشمولات کا ہی سامنے آتا ہے جو کہ عام طور پر اندراجاتِ لغت' ترتیب اندراج' املاء' تلفظ' اصل و ماخذ' لسانی' قواعدی نوعیت' ادبی و لسانی حیثیت اور معنی نیز معنوی وضاحت سے ہی عبارت ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کہ لغت میں کس قسم کی ضرورت کے تحت کیسے اندراجات کو ترجیح دی گئی ہے؟ اندراجی ترتیب کی نوعیت کیا ہے؟ مفرد اندراجات کے املاء کے بارے میں کیا نقطہ نظر اختیار کیا گیا ہے؟ اور یہ کہ تلفظ کی نشان دہی اگر کی گئی ہے تو توضیحی طریقہ اختیار کیا گیا ہے یا کہ متحد الحرکاتی طریقہ؟ آیا اندراجات کی اصل یا ان کے ماخذ لسانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ اور اگر کیا گیا ہے تو کیا لغوی اور اصل معنی بھی دیے گئے ہیں؟ اندراجات کی قواعدی نوعیت (اسم' فعل' صفت وغیرہ) اور ادبی و لسانی حیثیت (فصیح' قدیم' متروک) کے یقین کی بابت نقطہ نظر یا رویہ کیا رہا ہے؟ معنوی وضاحت کے سلسلے میں تشریحی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے یا مترادفاتی یا دونوں؟ دیگر ترکیبات' محاورات اور ضرب الامثال وغیرہ کی شمولیت پر کس حد تک توجہ دی گئی ہے؟ نیز کیا محاورہ اور استعمال کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے؟''۔ (۴)

اس طویل اقتباس میں اٹھائے گئے سوالات کو رہنما اصول بنا کر دیکھا جا سکتا ہے۔ اور ان سوالات کا تسلی بخش جواب دینے کے بعد کسی بھی لغت کے معیاری غیر معیاری ہونے کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ لغت نویسی کے سلسلے میں الفاظ سے متعلق تمام مشمولات اہم لیکن لغت نویسی کا بنیادی کام سب سے پہلے لفظ کا اشتقاق اور مادہ تلاش کر کے لکھنا ہوتا ہے کیونکہ مفہوم و معنی اہم ہوتا ہے لیکن اس کی حیثیت ثانوی ہے جبکہ اول الذکر کو تقدم حاصل ہے۔ لفظ کے ماخذ سے ہی اس بات کا پتہ چلنا آسان ہے۔ اس طرح لغت نویس پر یہ ذمہ داری خود بخود عائد ہو جاتی ہے کہ اس کو ایک سے زیادہ زبانوں سے آگاہی ہو اس کا مطالعہ وسیع ہو اور تقابلِ زبان کی خوبی اس میں موجود ہو۔ جس زبان میں لغت مرتب کی جا رہی ہے اس کے جملہ مباحث سے کامل واقفیت رکھتا ہو۔ عوامی بول چال خواص کی بول چال سے لے کر ادبی ذوق کی فراوانی سے بہرہ ور ہو۔ املاء رسم الخط اور اصطلاحات و محاورات سے آگاہی بنیادی شرط ہے۔ ان علوم سے بہرہ ور ہونے کے بعد اس کو ہر دو زبانوں کے اصولِ لغت سے نہ صرف آگاہی ہو بلکہ ان کی روایت سے شدبد بھی رکھنا ضروری ہے۔ ان تمام عناصر کے بعد اہم بات یہ کہ اسے لسانیات کے علم کے متعلقہ شاخوں اور مبادیات سے بھی آگہی ہو۔ خلیل صدیقی لکھتے ہیں:

> ''کسی زبان کی لغت کو اس زبان کے تمام مارفیموں' الفاظ' بنیادی تصریفات' مشتقات' مرکبات' محاوروں' کہاوتوں' نیز الفاظ کے مستند املا' تلفظ' مروجہ لہجوں یا تلفظ کے انحرافات' معنی و مفہوم کے ساتھ ساتھ ان کی اصل صوتی و معنیاتی تغیرات اور روپ' درجے' جنس (تذکیر و تانیث اگر غیر حقیقی مستعمل نہیں) وغیرہ کا سرمایہ ہونا چاہیے''۔ (۵)

درج بالا صفحات پر اردو لغت نویسی کے بارے میں مختلف ماہرین اردو کی آراء کے مطابق چند اصول وضع کر کے لغت نویسی کے حدود و قیود کا ایک خاکہ بنانے کا مقصد یہ ہے کہ ان اصولوں اور عناصر کی موجودگی سے لغت کے معیار کو متعین کرنے میں آسانی رہے۔ مغرب میں لغت نویسی کے اصول و ضوابط سائنسی طریقہ کار کے حامل ہونے کے باعث ان بہت سے مسائل سے آزاد ہیں جو اردو لغت نویسی کی تدوین و ترتیب میں پیش آتے ہیں۔ اردو زبان کے کلاسیکی/قدیم دور کے لغت نویس سائنسی اصولوں سے اس طرح آگاہ نہیں تھے جس طرح موجودہ دور میں ہوا جا سکتا ہے۔ قدیم عہد کی اردو لغت نویسی کے آغاز میں خالق باری کا سراغ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اٹھارویں صدی تک

لغت کا خاطر خواہ سرمایہ ...
رو سے مرتب کی گئی ہیں۔ ان لغات کی تالیف ...
جمع کرنا تھا۔ 'غرائب اللغات' (از ملا عبدالواسع ہانسوی) تدریسی مقصد کے لیے ...
ہے۔ عبدالواسع ہانسوی کے پیش نظر اس کے وہ طالب علم ہی تھے جو اسباق کے مشکل معنوں کی تفہیم کے لیے
جاتے تھے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ موجودہ دور میں بھی اردو لغت نویسوں کا رجحان بہت زیادہ سائنسی انداز سے لغت
مرتب کرنے کی طرف نہیں ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ سائنسی طریقہ کار کے مطابق اردو میں بہت کم لغات لکھی گئی ہیں۔
ان میں مولوی عبدالحق کی لغت 'لغت کبیر'' بطور مثال سامنے رکھی جا سکتی ہے۔ مولوی عبدالحق تحقیق کے مرد میدان
تھے۔ اس پر مستزاد یہ کی ان کی تنقیدی بصیرت بہت سے عقدے وا کر دیتی تھی۔ وہ مغربی اصول لغت سے بخوبی آگاہ
تھے۔ انہوں نے ۱۹۳۱ء میں سہ ماہی ''اردو'' کی جنوری کی اشاعت کے لیے ایک تفصیلی مضمون بعنوان ''اردو لغات
اور لغت نویسی'' تحریر کیا تھا جو متعدد اشاعتوں کے بعد ۱۹۷۳ء میں ان کی شہرہ آفاق لغت ''لغت کبیر'' کا دیباچہ بھی
بنا۔ اس کے مطالعہ سے ان کی تحقیقی وتنقیدی بصیرت اور مطالعہ کی وسعت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس مضمون کے
مطالعے سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ انہوں نے مختلف انگریزی لغات کے مطالعہ سے اصول لغت سے آگاہی حاصل
کی تھی۔ ایک جگہ وہ آکسفورڈ ڈکشنری کے اصول لغت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> ''ایک بحث آکسفورڈ ڈکشنری والوں نے یہ پیش کی ہے کہ ڈکشنری ان سائی کلو
> پی ڈیا نہیں ہونی چاہیے۔ ان سائی کلو پی ڈیا میں اشیا کا بیان ہوتا ہے' ڈکشنری
> الفاظ کی تشریح ہے۔ ان سائی کلو پی ڈیا میں اس سے بحث نہیں ہوتی کہ اشیاء کے
> الفاظ کس زبان کے ہیں' ان کی اصل کیا ہے اور اس کے مختلف استعمالات کیا
> ہے۔ ڈکشنری میں لفظ کی اصل' اس کے مفہوم' مختلف تقسیم کار' تلاش و ہمت کا
> عجب کارنامہ ہے۔ اس کے مرتب کرنے والوں نے اس اصول کی بڑی سختی سے
> پابندی کی ہے۔ (۶)

۲۔ جان گل کرسٹ سے قبل مشرقی ومغربی لغت نویسی کا جائزہ

انگلستان میں لغت نویسی کے ارتقاء پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ فن قدیم یونان اور روم سے اٹلی آیا اور اٹلی
سے انگلستان منتقل ہوا۔ انگریزی لفظ ڈکشنری کا ماخذ بھی ایک اطالوی لفظ Dictionarious ہے جس سے اس

کے اشتقاق کا پتہ چلتا ہے۔ ... یعنی ان...
زبان میں ڈکشنری کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے ...
ہے۔ یہ لفظ Lexicon سے بنتا ہے۔ انگریزی زبان میں تیرھویں صدی عیسوی ...
لغت نویس جان گالینڈ کا نام تاریخ کا حصہ بنا۔ اس نے بچوں کے سیکھنے کے لیے مشکل لاطینی الفاظ کو آسان انگریزی
میں مترادفات کی مدد سے لغت لکھی۔ اس طرح ان کا نام اولیت کا حامل ہے۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ عہد
عالمگیری (ہندوستان) میں لکھی گئی اردو کی پہلی لغت ''غرائب اللغات'' بھی ملا عبدالواسع ہانسوی نے اپنے
شاگردوں کے لیے مشکل الفاظ کے متبادل آسان ہندوستانی الفاظ ترتیب دے کر لکھی تھی۔ ان کی اولیت کا مرتبہ جان
گالینڈ کی اولیت سے کسی طور کم نہیں بنتا۔ ایس کے حسین اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> انگریزی میں لغت نویسی کی ابتدا تیرھویں صدی سے ہوتی ہے۔ جس طرح ایران
> میں عربی سیکھنے کے لیے اور بعد میں ہندوستان میں فارسی سیکھنے کے لیے لغت
> نویسی کا آغاز ہوا‘ اسی طرح انگلستان میں لاطینی سیکھنے کے لیے لغت کی تدوین
> شروع ہوئی۔ ۱۲۲۵ء میں پہلی مرتبہ جان گالینڈ نے لاطینی الفاظ اور ان کے معنی
> بچوں کو حفظ کرانے کے لیے لغت کی شکل میں مدون کیے جس میں الفاظ کی ترتیب
> موضوع کے لحاظ سے کی گئی تھی۔ پندرھویں صدی میں لغت میں انگریزی الفاظ
> بھی استعمال کیے جانے لگے‘ مگر یہ لغت بھی لاطینی سیکھنے کے لیے ترتیب دیے
> گئے۔ اس قسم کا پہلا لغت Promplorium Parvalorium ہے جو
> انگریزی لاطینی کا پہلا لغت ہے‘ جس کی تدوین ۱۴۴۰ء میں ہوئی۔... ۱۵۵۲ء میں
> انگریزی زبان کا پہلا لغت "A Budarium Anglico Latinum
> Pro Tyrunculis" رچرڈ ہوم لائٹ نے ترتیب دیا''۔(۷)

ایس کے حسین کے اس اقتباس سے انگلستان میں لغت نویسی کے ابتدائی خدوخال واضح ہوتے ہیں۔ اہم
بات یہ ہے کہ انگلستان میں بھی لغت نویسی کے ابتدائی آثار بہت قدیم دور سے نہیں ملتے۔ جب مستشرقین ہندوستان
آئے اور یہاں لغات نویسی شروع کی تو واضح رہے کہ وہ بھی کسی توانا روایت کے حامل نہیں تھے۔ لیکن اس ضمن میں
ان کی ترقی اور سائنسی اندازِ ترتیب و تالیف ان کے لغت نویسی کے مرقعوں کی اہمیت کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ ہم

دیکھتے ہیں کہ انگریزی لغت نویسی کا اہم نام ''جانسن'' کا ہے جنہوں نے پہلی مرتبہ انگلینڈ میں انگریزی ڈکشنری کو معیار واستناد کے درجے تک پہنچایا۔ جانسن کی ڈکشنری جو اس نے ۱۷۵۵ء میں لکھی تھی اس میں پہلی مرتبہ اس نے مغرب کی لغت نویس کے تعصبات سے ہٹ کر اپنے اصولِ لغت ترتیب دیے اور اس نقطہ نظر کی حوصلہ شکنی کی کہ لغت میں صرف اشرافیہ اور مہذب طبقے کی زبان سے متعلق الفاظ ہی شامل کیے جائیں۔ اس نے یہ خیال بھی دیا کہ زندہ زبان وہی کہلاتی ہے جو الفاظ، تراکیب ومحاورات کو دوسری زبانوں سے بھی اخذ وقبول کرے۔ زبان کی زندگی کا دارومدار اس لسانی خوراک پر ہوتا ہے جو دوسری معاون مقامی یا غیر ملکی زبان سے اخذ کرتی ہے۔ جس طرح زندہ زبان اخذ واستفادہ کے لیے کسی تعصب کا مظاہرہ نہیں کرتی اس طرح لغت نویس کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اشرافیہ، پڑھے لکھے، مہذب طبقے کی زبان کو ہی لغت میں جگہ نہ دے (جو اس عہد تک کے اصول لغت کا لازمہ تھا) بلکہ ہر طبقے، عوام وخواص، بول چال سے ادب تک ہر طرح کے الفاظ کو لغت کا حصہ بنا کر ہی اس فن کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں۔ ان سے روگردانی سے لغت نویس تو مطمئن ہوسکتا ہے لیکن لغت نویسی میں ایک خلا برقرار رہے گا جو کسی حدود وقیود کی پابندی سے ہٹ کر ہی پورا کیا جاسکتا ہے۔ جانسن کے اس نقطہ نظر نے نہ صرف اس عہد کے یورپی لغت نویسوں کے لیے رستہ متعین کیا بلکہ ہندوستان آنے والے مستشرقین کو بھی ایسا رستہ اپنانے کی طرف رہنمائی کی۔ جانسن اسی دور میں لغت لکھ رہا ہے جس دور میں ہندوستان میں انگریزوں کی اردو لغت نویسی کے آثار ملتے ہیں۔ جارج ہیڈلے کی قواعد لغت اور جان گل کرسٹ کی لغت نویسی کو جانسن کے اس نظریے کی مدد سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

اردو لغت کی ابتدائی جھلکیاں تیرہویں صدی عیسوی میں ملتی ہیں۔ امیر خسرو سے منسوب 'خالق باری' کو پہلی اردو لغت شمار کیا جاتا ہے یہ منظوم لغت ہے۔ یہ کتاب لغت کی ابتدائی شکل کا پتہ دیتی ہے۔ ایسے دیگر رسالے نصاب کہلاتے تھے جن کے اوراق سے اردو لغت کے ابتدائی نمونے اکٹھے کیے جاسکتے ہیں۔ ان نصابوں کی تدوین وترتیب کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی طالب علم اپنی مقامی زبان کی مدد سے فارسی یا عربی کے ابتدائی اہم الفاظ سے روشناس ہوں ان کے معنی سے بھی واقفیت حاصل کریں۔ عام طور پر ان میں وہ الفاظ شامل کیے جاتے تھے جو تدریس کے دوران طلباء کے لیے مشکل کا باعث بنتے۔ خالق باری کے بارے میں ماہرین السنہ کے درمیان اختلاف ہیں۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی اپنے مقالے میں تحریر کرتے ہیں؛

''اردو کی ان ابتدائی اور منظوم لغات کے بارے میں تا حال ان امور پر اتفاق

رائے نہیں ہو پایا ہے کہ ''خالق باری'' یا ''حفظ اللسان'' امیر خسرو کی تصنیف ہے یا عہد جہانگیر کے ایک شخص ضیاء الدین خسرو کی؟ اور یہ کہ پہلی لغت خالق باری قرار دی جائے یا ''لغات گجری''؟۔ خالق باری کا اصل مصنف امیر خسرو کو قرار دینے کے سلسلے میں سید سلیمان ندوی کی تشکیک اور داخلی نیز لسانیاتی بنیاد پر حافظ محمود شیرانی کی تحقیق [جو انہوں نے حفظ اللسان کے مقدمے میں پیش کی] خالق باری کو امیر خسرو کی تخلیق کی بجائے عہد جہانگیری کے ایک شخص ضیاء الدین خسرو کی تصنیف ماننے پر مجبور کر دیتی ہے۔۔۔ اس طرح اگرچہ اب تک خالق باری یا حفظ اللسان ہی پہلا نصاب نامہ مانی جاتی تھی مگر گجرات میں تالیف کی گئی ایک دوسری لغت ''لغات گجری'' کو پروفیسر نجیب اشرف ندوی اس بنیاد پر خالق باری سے قدیم مانتے ہیں کہ اس میں شامل ہندوی (اردو) الفاظ کی وہ شکلیں ملتی ہیں جو خالق باری کی شکلوں سے زیادہ قدیم ہیں''۔ (۸)

اردو لغت نویسی کی طرف باقاعدہ رجحان سترہویں صدی عیسوی میں مستشرقین کی طرف سے تاریخ کا حصہ بنا۔ اس صدی میں پرتگالیوں کے بعد جرمن اور انگریز ایسٹ انڈیا کمپنیاں تجارت کے مقاصد کے تحت ہندوستان کی مارکیٹ میں متعارف ہو رہی تھیں۔ ۱۶۳۰ء میں مسٹر کورج (Coridge) نام کے ایک لغت نویس کا ذکر ملتا ہے جس نے ہندوستان کے شہر سورت میں بیٹھ کر پہلی لغت 'Oriental Catalogue' کے نام سے قلمبند کی۔ یہ لغت چار زبانوں (فارسی، ہندوستانی، انگریزی، پرتگالی) کے الفاظ و مترادفات پر مشتمل تھی۔ اس کی اولیت کا ذکر گریرسن کے لسانیاتی جائزہ ہند کی جلد نہم سے لے کر لغت نویسی کی ہر کتب میں روایت کے طور پر موجود ہے لیکن یہ لغت دستیاب نہیں ہو سکی اس لیے اس کی اولیت صرف تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے قدیم لغت کا بھی سراغ لگایا گیا ہے جو ۱۵۹۹ء میں لکھی گئی تھی۔ اس کے متعلق نذیر آزاد لکھتے ہیں؛

''زمانہ حال کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے بھی [مسٹر کورج] قدیم ایک لغت لکھی گئی تھی جو کہ اب تک محفوظ ہے۔ یہ لغت ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے ایک مستشرق شاگرد نے دریافت کی ہے۔ یہ ۱۵۹۹ء کی تالیف ہے اور اس کے مولف کا نام جیرونیموم زاویر (Jernime Xavier) [کذا] ہے، جو کہ جہانگیر کے

> دربار میں حاضر ہوا تھا۔ یہ لغت ہندوستانی (اردو/ہندی) فارسی اور پرتگالی میں
> ہے اور اس کا عنوان ہے "Hindustani Persisch Portugeisisch" یا
> "Vacabularium Portugalico-Hindustano Persicum"
> اس کا ایک نسخہ لندن کے کنگز کالج کے کتب خانے میں ہے۔ اس کی مائیکروفلم
> ڈاکٹر جان جوزف نے حاصل کی ہے اور وہ اسے مرتب کر کے شائع کر رہے
> ہیں۔ اس طرح یہ اردو کی قدیم ترین سہ لسانی لغت ہوگئی"۔(۹)

ڈاکٹر نعمت الحق نے اپنے پی ایچ۔ڈی کے مقالے (اردو لسانیات...) میں لغت نویسی کے باب میں ان لغات اور ان کے مرتبین کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ مذکورہ لغت نویس کا نام جیرونیموزاویئر (Jemronimo Xavier) لکھتے ہیں اس کے علاوہ دوسرے مستشرقین کا ذکر کرتے ہیں جن میں انتونیو دی سلدانہا (Antonio De Saldhana) (کون سی زبان میں ایک رسالہ)' اگناسیو آرکامونے (Igancio Arcamone) کا ذکر بھی کرتے ہیں جنہوں نے کون سی' آرکامونے نے دکھنی میں ایک لغت لکھا تھا جس کے مترادفات لاطینی میں دیے گئے تھے۔ یہ نام بھی سترہویں صدی کے مستشرقین میں شامل ہیں۔(۱۰)

۱۶۹۸ء میں جان جوشوا کیٹلر نے "ہندوستانی گریمر" Grammatica Industanee کے عنوان سے کتاب لکھی جس میں قواعد کے ساتھ ساتھ لغت کا حصہ بھی شامل تھا۔ یہ کتاب اردو قواعد نویسی کے سلسلے کی پہلی کتاب ہے، البتہ لغت نویسی میں اولیت کی حامل نہیں کیونکہ اس سے قبل لغات لکھی جا رہی تھیں (کیٹلر پر تفصیلی بحث اس مقالے کے باب نمبر۲ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے) مشرقی روایت کے تحت لکھے گئے نصاب نامے اور مستشرقین کی مذکورہ بالا تصانیف سے اردو لغت نویسی کے ابتدائی آثار تو مرتب ہو رہے تھے لیکن ابھی تک باقاعدہ لغت نویسی کا کوئی ایسا نمونہ سامنے نہیں آسکا تھا جس سے اس روایت کو باقاعدگی سے تحریک ملتی۔

عہد عالمگیری میں ملا عبدالواسع ہانسوی کی "غراب اللغات" کے نام سے لکھی جانے والی کتاب نے سنجیدگی کے ساتھ لغت نویسی کا آغاز کیا۔ گو یہ لغت آج کے اصول لغت پر پورا نہ بھی اترتی ہو تب بھی یہ لغت اپنے طور پر اردو لغت نویسی کا ایک اہم ترین آغاز بنتی ہے۔ اس کتاب کی تحریر کردہ تاریخ کا واضح ثبوت موجود نہ ہونے سے اس کو عہد عالمگیر کی لغت ہی قرار دیا گیا ہے۔ یہ لغت ملا ہانسوی نے اپنے شاگردوں (طالب علم) کی تدریسی ضروریات کے

لیے لکھی تھی۔ اس کو معیاری بنانے کے لیے اٹھارہویں صدی میں اردو زبان وادب کے معروف ادیب خان آرزو نے بیڑا اٹھایا تھا اور اس میں موجود کمزوریوں اور غلطیوں کی اصلاح کر کے "نوادر الالفاظ" کے نام سے تحریر کیا تھا جسے ڈاکٹر سید عبداللہ نے غرائب اللغات اور نوادر الالفاظ دونوں کو ایک کتاب کی صورت یکجا کر کے طبع کرانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ (غرائب اللغات اور نوادر الالفاظ کے متعلق اس مقالے کے باب اول میں تفصیلی بحث شامل ہے جسے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)۔

1772 میں لندن سے جارج ہیڈلے (George Hadley) کی اردو لغت اور قواعد پر مبنی کتاب

"Grammatical Remarks on the Practical and Vulgar Dialect of Indostan Language, commonly called Moors, with a Voccabulary English and Persian".

شائع ہوئی۔ یہ کتاب جلد ہی ایک جامع قواعد و لغت کا درجہ اختیار کر گئی۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے جس سے اس کی انگلستان اور ہندوستان میں مقبولیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب کا پہلا حصہ قواعد پر مشتمل تھا لیکن اس کے دوسرے حصے میں اردو انگریزی اور فارسی الفاظ و مترادفات کی شمولیت سے یہ خاص اہمیت کی حامل لغت بن کر سامنے آئی۔ کیٹلر سے لے کر ہیڈلے کی کتاب تک دراصل اسی قاعدے کا اعادہ کیا جاتا رہا تھا جس کے تحت قواعد اور لغت کو الگ الگ شائع کرنے سے بہتر یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک ہی کتاب میں اکٹھے کر دیا جائے۔ اس کتاب کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ کسی پہلے انگریز مصنف کی تحریر کردہ کتاب تھی جو انگریزی زبان میں ہی لکھی گئی تھی۔ ماضی میں کیٹلر شلز وغیرہ کی کتب لاطینی زبان میں لکھی گئی تھیں جن کو بعد میں انگریزی ترجمہ کر کے مطالعہ کیا جاتا تھا چنانچہ ایک انگریز کی اپنی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب بہت جلد مقبولیت اختیار کر گئی۔ جارج ہیڈلے بنگال میں فوجی ملازمت پر آیا تو اپنے سپاہیوں کی ہندوستانی زبان کی اصلاح کے مقصد کے تحت یہ کتاب تحریر کی۔ (اس پر تفصیلی تذکرہ باب نمبر ۲ میں شامل ہے)۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن ۱۷۷۲ء، ۱۷۷۴ء، ۱۷۷۹ء، ۱۷۹۴ء، ۱۸۰۲ء، ۱۸۰۹ء میں شائع ہوئے جو اس کی ملک بھر میں مقبولیت کی دلیل بنتے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت اس طور بڑھ جاتی ہے کہ ہیڈلے نے ہر نئی اشاعت میں کوشش کی تھی کہ ترمیم و اضافے سے اسے بہتر بنایا جاسکے۔ راقم کے پیش نظر اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے جو ۱۷۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اس ایڈیشن میں کتاب کے عنوان میں بھی تبدیلی کی گئی تھی جو اس طرح ہے۔

Grammatical Remarks on the Practical and current Dialect of the Jargon of Hindoostan; with a Vocabulary where in

...erent in their signification ... er in sound

انتیس صفحات پر قواعدی مباحث کا مختصر سا حصہ موجود ہے۔ اس کے بعد
نئے ذخیرہ الفاظ کے انگریزی عنوان کے تحت قواعد کا حصہ شامل ہے۔ تلفظ و ہجا کے متبادل فارسی حروف
سے اردو کو پڑھنا سمجھنا آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس حصے میں واضح کیا گیا ہے کہ اس میں ان الفاظ کو شامل
کیا گیا ہے جو بنگالی کی عمومی زندگی سے متعلق ہے۔ اس لغت کے مطالعے سے قبل دیباچے کے آٹھ صفحات شامل ہیں
جن میں اصول لغت اور تلفظ و معنی کے مابین تعلق کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہیڈلے کی لغت میں الفاظ کے اندراج کی
مثال یوں ہے:

(1). Accessory. Sautee, one who was together with any person, literally. Ey,aar, an assitant.
(2). to adjust, Millouna, as, a quarrel. Durust Kurana, to set to right. Baundobust Kurna, to make up, as accounts. Seedah Kurna, to make straight. Theeke Kurna, to make sitting.Burrabur Kurna, to make even".(11)

اوپران دو مثالوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ لغت کا حصہ معنی و مترادفات کو واضح کرنے میں زیادہ کامیاب ثابت نہیں ہوتا۔ دوسرا اس کے رومن رسم الخط میں بھی ابہام کی صورتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی مقبولیت محض پہلے انگریز مصنف کی تالیف ہونے کی وجہ سے ہوگی۔ اس کے مقابلے میں جان گل کرسٹ کی لغت واضح انداز سے الفاظ معنی اور اندراجات کو پیش کرتی ہے۔ جارج ہیڈلے کی کتاب میں اٹھانوے صفحات پر لغت کا حصہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بعد تقریباً ایک سو اسی صفحات پر مکالمات کا سلسلہ دیا گیا ہے۔ جارج ہیڈلے کی لغت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لغت اپنے دور کے حساب سے گو اہم ہو لیکن جان گل کرسٹ کی لغت کے نمونوں کے سامنے ایک غیر پختہ روپ پیش کرتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جان گل کرسٹ کی تحریر کے سامنے ہیڈلے کی لغت ایک نو آموز طالب علم کی سی ہے تو بے جا نہیں ہے۔ ہیڈلے کے بعد کیپٹن جان

فرگوسن کی "A Short Dictionary of Hindostani Language" شائع ہوئی۔ اس کتاب کا پہلا حصہ انگریزی ہندوستانی اور دوسرا حصہ ہندوستانی انگریزی لغت پر مشتمل تھا۔ اس لغت میں قواعد کا حصہ شامل کر دیا گیا تھا۔ یہ لغت ۱۷۷۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ جارج ہیڈلے کے معاملے میں ایک چیز سامنے رکھی جانی ضروری ہے کہ ہیڈلے کا یہ کام تاریخی اعتبار سے ایک اہم کام تھا۔ اپنی قواعد ولغت کی ترتیب وتالیف کے لیے اس نے اس طرح کی جاں فشانی سے ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر کر کے نہ تو کوئی مواد اکٹھا کیا تھا نہ ہی اس کا عوام وخواص کے تلفظ لہجے اور ذخیرہ الفاظ کے بارے میں کوئی خاص نقطہ سامنے آیا تھا۔ اگر ہیڈلے کی اس کتاب کا جان گل کرسٹ کی کتابوں سے موازنہ کیا جائے تو اس پہلو کو ئی مدنظر رکھا جانا چاہیے۔

۳۔ جان گل کرسٹ کی لغت نویسی

"A Dictionary, English and Hindoostanee" کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

جان گل کرسٹ کی ہندوستان آمد (۱۷۸۲ء) کے بعد مقامی زبانوں کی اہمیت اور تحصیل کی طرف متوجہ ہونا ان کے ہندوستانی فلالوجی کے منصوبے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ہندوستانی زبان کی لغت اور گریمر کے لیے گل کرسٹ نے ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر کیا۔ انگریزی ہندوستانی لغت اور قواعدِ ہندوستانی پر کتب کے مواد اور اردو زبان کی تحصیل کے لیے سب سے پہلا سفر گل کرسٹ نے فتح گڑھ کا کیا۔ یہ سفر انہوں نے اپنی فوجی پلٹن کے ساتھ ہی کیا تھا جو ۱۷۸۳ء سے سورت سے تبادلہ ہو کر فتح گڑھ چلی گئی تھی۔ دو سال کے قیام کے دوران انہوں نے اردو زبان بولنے لکھنے میں خاصی مہارت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ اس مہارت کے بعد علمی طور پر لغت وقواعد پر کام کرنے کے لیے ایک سال کی رخصت لینے کے بعد انہوں نے شمالی ہندوستان کے شہروں کی طرف رختِ سفر باندھا۔ جان گل کرسٹ کو اپنے اس لسانیاتی منصوبے کی اہمیت اور قدر کا خود بھی احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جب نوکری سے رخصت کی درخواست دی تو اس کا اظہار، وارن ہیسٹنگز اور سپریم کونسل کی خدمت میں یوں کیا'

> ''ہندوستان کے دوران قیام میں اپنا بیشتر وقت میں نے ہندستانی زبان کی تحصیل میں صرف کیا ہے، اور اس زبان میں اب میں نے اتنی دست گاہ حاصل کر لی ہے کہ اس کے قواعد ولغت مرتب کرنے کا کام میں نے اس

پیانے پر شروع کیا ہے کہ اب تک کسی اور نے اتنے وسیع پیانے پر یہ کام نہیں کیا ہے''۔(۱۲)

رخصت کے مسائل سے فراغت کے بعد انہوں نے فیض آباد کی طرف سفر شروع کیا۔عتیق صدیقی کا خیال ہے کہ لکھنو اور جون پور میں بھی پڑاؤ کیا ہوگا لیکن وہاں قیام مختصر ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر گل کرسٹ نے اپنی کتب یا خطوط میں نہیں کیا۔فیض آباد میں مسلمانوں جیسی حالت بنالی اور داڑھی رکھ کر ان کا حصہ بن گئے اور اپنے لسانیاتی منصوبے کے لیے مواد کی تلاش شروع کی۔اسی شہر میں ان کو حیرت ہوئی تھی جب انہوں نے ہندوستانی زبان کو لغت و قواعد کے بارے میں لوگوں سے استفسار کیا تو وہ حیرت سے گل کرسٹ کو دیکھنے لگے۔لوگوں کے لیے یہ عجیب اور انوکھی بات تھی کہ مقامی زبان کے سیکھنے کے لیے آبادی کو ایسی کتب کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔یہ بات ایک لحاظ سے ٹھیک بھی تھی کیونکہ مقامی افراد کی مادری زبان ہی اردو تھی اس لیے ان کو ایسی کتب کی ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔مختصر یہ کہ یہاں ان کو صرف ''خالق باری'' رسالہ ہی دستیاب ہو سکا (جس کا ذکر شروع میں آچکا ہے) جو اس زبان کے قواعدی اصولوں سے متعلق تو نہیں تھا البتہ بطور لغت بھی یہ نظم نما رسالہ بہت مختصر اور نا کافی تھا۔اس طرح گل کرسٹ سب سے پہلے اردو لغت کی ترتیب و تدوین کے لیے وہیں جم کر بیٹھ گئے اور زور و شور سے اپنا کام شروع کر دیا۔اس مقصد کے لیے انہوں نے وہاں لوگوں سے بات چیت اور انٹرویو کی تکنیک کا استعمال کیا۔مقامی پڑھے لکھے افراد سے خوشہ چینی کی اور عوامی بول چال اور اشرافیہ کے درمیان اختراقات اور ادبی روپ کو بھی ملحوظ رکھا۔اس مقصد کے لیے دن رات ایک کر دیے۔گل کرسٹ نے اپنے اس کام کو لغت کے دیباچے میں ہرکولیس کا کام (Herculain Tast) لکھ کر تشبیہ دی ہے۔گل کرسٹ فیض آباد میں لغت کے مواد کے لیے جن مشکلات سے گزرے ان کا اندازہ ان کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔گل کرسٹ لکھتے ہیں؛

"I laboured night and day for the first month of my retirement, surrounded by several learned Hindoostanees, supported of course at a very considerable expence, and from them I endeavoured to extract viva voce, every

...grammar could be ..., No a me, those from whom I required stared with astonishment, and answered interrogatively, if it was ever yet known in any country, that men had to consult vocabularies, and rudiments for their own vernacular speach. This was to be sur a puzzling response, to set me a ruminating..."(13)

یہاں ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ جن دنوں گل کرسٹ فیض آباد میں اپنی لغت کا مواد اکٹھا کر رہے تھے ان کے کسی دوست نے ایک خط میں ان کو مطلع کیا کہ بنگال کے کمانڈر ان چیف کے فارسی ترجمان میجر کرک پیٹرک (Kirkpatrick) ہندوستانی لغت کے منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں کرک پیٹرک جزوی طور پر لغت کے حصے چھپوا چکا تھا۔ ان کے دوست کا خیال تھا کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی لغت بہت جلد مکمل ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں ہو کیونکہ کمپنی نے اس کو ایڈوانس ادائیگی کر دی تھی۔ یہ خبر سنتے ہی گل کرسٹ کا جوش و جذبہ تو ختم ہوا ہی ایسا دھچکا لگا کہ وہ چارپائی پر جا پڑے۔ صحت اتنی خراب ہوئی کہ بچنے کی امید نہ رہی۔ طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ دیار غیر میں کفن دفن ہو دوسرا ان دنوں فیض آباد میں سیلاب بھی زوروں پر تھا چنانچہ ناسازی طبع کی حالت میں بنارس چلے گئے۔ وہاں ایک دوست ڈاکٹر جون پیٹر ویڈ (John Peter Wade) کے علاج اور صحت بخش آب وہوا سے جلد ہی کھوئی ہوئی صحت دوبارہ بحال ہونا شروع ہوئی۔ صحت ٹھیک ہونے کے بعد انہوں نے میجر کرک پیٹرک سے ملنے کا ارادہ کیا اور کلکتے چلے گئے۔ کرک پیٹرک نے گل کرسٹ سے تھوڑا عرصہ قبل ہی کام شروع کیا تھا۔ اس کی کتاب کا نام ''ہندوی گرامر اور ڈکشنری'' تھا اس کے جزوی طور پر شائع ہوئے حصے کمپنی کے مراسلات کے ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ باہمی گفت و شنید سے میجر کرک پیٹرک کو جان گل کرسٹ کی دن رات کی مساعی اور کام کی اہمیت کا پتہ چلا تو اس نے اپنی کتاب کی اشاعت کے منصوبے کو التوا میں ڈال دیا تا کہ یہ نوجوان محنتی اسکالر اپنا منصوبہ شائع کرا سکے۔ اسی وجہ سے گل کرسٹ نے ہندوستانی لغت کو دو حصوں میں شائع کرانے کا فیصلہ کیا اور ۱۷۸۶ء میں اس کا پہلا حصہ چھاپ دیا۔ ہندوستانی لغت کا پہلا حصہ شائع تو ہو گیا لیکن اس دوران معاشی مسائل نے

ان کو ایسا گھیرا کہ یہ دورِ زندگی کا مصیبتوں کا دور بن کر آیا۔ قرض بڑھ گیا' جن منشیوں سے لغت کے سلسلے میں کام کرایا یا مدد لی تھی ان کے تقاضے بڑھ گئے۔ سخت ابتلا کا دور شاید ان کو ہندوستان سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیتا لیکن اس مختی اسکالر نے ہمت اور بہادری سے یہ کڑا وقت گزارا۔ نیل کی فصل کی کاشت میں کافی نقصان ہوا جو بہادری سے سہا۔ لیکن ہندوستان چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ ان مشکل حالات اور اس پر گل کرسٹ کی بہادری کو گل کرسٹ کے ان الفاظ سے سمجھا جا سکتا ہے جو ان کی کتاب Appendix کے صفحہ ix سے لیے گئے ہیں'

"[Gilchrist said]... Life under such a load, became a burden to me, whenever I allowed my mind to brood over its conjunctions, and death even seemed no less terrible, when the longing 'lingering look behind' portrayed the extended funeral train, and howl of those dunning subscribers, printers and others, with whom the grave even cannot canceal a pecuniary obligation".(14)

گل کرسٹ کی اردو لغت کی پہلی جلد ۱۷۸۶ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اس کا عنوان یوں ہے۔

"A Dictionary, English and Hindoostanee, in which the words are marked with their distinguished initials as Hinduwee, Arabic and Persian, whence the Hindoostanee or what is vulgarly, but impooperly, called the Moor Language, is evidently formed. By John gilchrist, (in tow parts), part.1."

لغت کا عنوان خاصا طویل ہے۔ مستشرقین کی کتابوں کے نام طویل اس لیے بھی رکھے جاتے تھے تاکہ ہر ورق سے ہی کتاب کے اہم مشمولات کا اندازہ لگایا جائے۔ مزید یہ پریکٹس اس لیے ہو سکتی تھی کہ عام طور پر بڑی ضخامت کی حامل

کتب یک بار مکمل شائع نہیں ہوتی تھیں اور اجزاء میں شائع کر کے اتنا حصہ ہی خریدنے والے کو بھیج دیا جاتا تھا۔ ہر ورق پر مشمولات کی تفصیل دراصل باقی ماندہ مواد سے آگاہی کے لیے دیا جاتا تھا۔ اس ٹائٹل سے ایک اہم نکتہ یہ لیا جا سکتا ہے کہ لغت ہندوستانی زبان کی ہے جبکہ آگے چل کر اشارہ دیا گیا ہے کہ ہندوستانی زبان اور ہندوی، عربی اور فارسی میں جو مماثلتیں یا اخذ و استفادہ کی صورتیں ہیں ان کا بیان ہے۔ یہ بات واضح کرتی ہے کہ گل کرسٹ کے ذہن میں ہندوستانی اسی زبان کا نام تھا جسے آج اردو کے نام سے پکارا اور لکھا جاتا ہے۔ کتاب کا انتساب John Macpherson کے نام سے ہے جو اس دور کے گورنر جنرل تھے۔ گل کرسٹ کو میکفرسن سے اس لیے بھی عقیدت تھی کہ ماضی میں انہوں نے رخصت اور اس دوران گل کرسٹ کے وظیفے کے تسلسل کے لیے کوشش کی تھی جو بحال رہا تھا۔ لغت کے سرورق پر فارسی کا ایک شعر دیا گیا ہے جو گل کرسٹ کی بعد کی کتب پر بھی دکھائی دیتا ہے۔ فارسی شعر کے نیچے اس کا انگریزی ترجمہ بھی دیا گیا ہے جسے ڈاکٹر بالفور کے نام سے پیش کیا گیا ہے۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب میں قاری کو جہاں کہیں غلطی کوتاہی نظر آئے تو کمال شفقت کا مظاہرہ کرے اور قلم لے کر اس کی تصحیح بھی کر دی جائے۔

اگلے صفحے پر خریداروں کے نام اور تفصیل کے ساتھ ساتھ Preface Errata کے عنوان سے ان اغلاط کی نشان دہی کر دی گئی ہے جو سہو کاتب سے کتاب کا حصہ بن گئی تھیں۔ ہندوستانی زبان کی اس لغت کا آغاز ایک ضخیم دیباچے Preface سے ہوتا ہے۔ یہ دیباچہ رومن ہندسوں کی ترتیب کے تحت ترپن صفحات پر مشتمل ہے۔ دیباچے میں مختلف اقسام کے مباحث کتاب کا حصہ بنائے گئے جن کو مرحلہ وار دیکھا جاتا ہے۔ دیباچے کے آغاز میں ہندوستان میں پرتگالی قوم کی آمد کا تذکرہ ہے۔ واسکوڈے گاما کا ۱۴۹۸ء میں ہندوستان کی سرزمین تک پہنچنا یورپ کے لیے اہم بات تھی جس کی تعریف گل کرسٹ نے کی۔ لارڈ ہیسٹنگز اور ولیم جونز کی سیاسی و لسانی خدمات کا اعتراف کرنے کے بعد ان کے لیے کلماتِ تحسین ادا کیے گئے ہیں جو گل کرسٹ کی اپنی بڑائی کی بھی دلیل ہیں۔ اس کے بعد جارج ہیڈلے اور جان فرگوسن کی قواعد پر تحریر کی گئی کتب کا ذکر ہے۔

سر ولیم جونز کا نام اس عہد میں علم و فن کا استعارہ بنتا ہے۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے بانی ولیم جونز نے ہندوستان کے خطے کو اس کی کلاسیکی زبانوں کے متن سے سمجھنے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ ان کے فرمودات آنے والے دور کے مستشرقین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے تھے۔ ان کی فارسی گریمر کو گل کرسٹ نے Elegant گریمر قرار دیا ہے۔ ان کی یہ قواعدی کتاب ''برٹش پریس لندن سے'' ان کے ہندوستان آنے سے قبل ہی شائع ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے Richardson رچرڈسن کی عربی فارسی لغت کا ذکر عقیدت سے کیا ہے۔ ولیم جونز اور رچرڈسن کی قواعد لغت کی کتب کے ذکر سے پتہ چلتا ہے کہ اس لغت کی تیاری کے لیے جان گل کرسٹ بنجمن شلز، ڈیوڈ

ملیسین، ہیڈلے، فرگوسن، کرک پیٹرک اور گلسٹن جیسے علماء کی کتب دیکھ چکے تھے۔ نیز ان کی کتابوں کے مطالعہ سے جہاں گل کرسٹ نے اپنا ذخیرہ الفاظ اور علم میں اضافہ کیا تھا وہیں اپنی لغت کو ان کی لغات سے بہتر بنانے کی بھی کوشش کی تھی۔ گل کرسٹ نے اس روایت کے مطالعہ کے بعد ان میں پیش آنے والے مسائل کا ادراک کیا تھا اور تسامحات و مسائل سے اپنی لغت کو پاک کیا تھا۔ ایک اور مصنف منن سکی (Mininski) کے ہندوستانی فلالوجی کے ذیل میں کیے جانے والے کام کو نہ صرف وہ خراج تحسین پیش کرتے ہیں بلکہ ایسے کام کو 'ہندوستانی فلالوجی' کے کانٹوں بھرے رستے پر چلنے کے مترادف کہتے ہیں' ایک اقتباس ملاحظہ ہو'

> "Between the years 1770 and 1777, British Press produced a short but elegant Persian Grammar by Jones, with a work of the same nature on Arabick, by Richordson, as his voluminous and excellent Persi-Arabic Dictionary preceded by the most recondite dissertation that perhaps ever accompanied any work of that kind. Be this, as it may, it is evident enough, that these distinguished characters owe most of what they then communicated on Oriental Languages, to the immortal works of Mininski, and other learned foreigners who preceded them in the thorny paths of Asiatic Philology..."(15)

ان اصحاب کے تذکرے کے بعد جان گل کرسٹ نے مسٹر چیز فیلڈ کے دو خط حاشیے میں پیش کیے ہیں جس نے ان کو گلسٹن کا قواعد پر رسالہ بھیجا تھا۔ ۱۷۷۶ء میں Halhed کی قواعد ''لنگویج آف بنگال'' شائع ہوئی تھی جسے گل کرسٹ نے پسند کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ گریمر خاصے کی چیز تھی۔ فارسی کے ضمن میں فرانسس بالفور

کی تعریف اور فارسی علم وعروض پر فرانسس گلیڈون کا تذکرہ بھی گل کرسٹ کرنا نہیں بھولے۔ ان تمام کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد جارج ہیڈلے کی گریمر کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ گل کرسٹ نے دل سے ہیڈلے کی گریمر کی کبھی تعریف نہیں کی تھی۔ اوپر مذکور تمام مستشرقین' ان کے مشرقی زبانوں کے سلسلے میں کیے گئے کاموں پر تاثراتی نوٹ دینے کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی فلالوجی کے تحت لغت وقواعد کے لیے عوامی بول چال' کلاسیکی اردو ادب سے ان کو اچھی خاصی آگاہی تھی' فیض آباد فتح گڑھ سے اردو کی تحصیل کے ساتھ ساتھ ان کو اس میدان کے پیش روؤں کی تحریروں کا نہ صرف علم تھا بلکہ انہوں نے ان کا تفصیلی مطالعہ بھی کر رکھا تھا جس سے دو فائدے ہوئے۔ ایک تو ان کے مطالعے میں وسعت آئی دوسرا اپنی کتب کے لیے ان کو نہ صرف نمونہ سیٹ کرنے کا اندازہ ہوا بلکہ اپنے منصوبے کو پیش روؤں کے منصوبوں سے منفرد بنانے کا بھی سلیقہ ملا تھا۔ ان صفحات میں گل کرسٹ کمپنی کے مقتدر افراد کی توجہ اس امر کی طرف دلائی کہ بنگال اور دوسری مملوکہ پریزی ڈنسیوں میں ہندوستانی زبان سپاہیوں کو سکھائی جائے۔ افسروں کے لیے یہ زبان سیکھنا ضروری ہے۔ جب تک یہ انتظام نہ ہو سکے تو ان علاقوں میں اردو زبان کے ترجمان کے طور پر افراد کو بھرتی کیا جائے۔ گل کرسٹ کو شدت سے اس بات کا احساس جاگزیں تھا کہ کمپنی کے افسران (سول اور فوجی) ہر لحاظ سے اپنے ماتحتوں کا انتظام بطریق احسن سنبھالنے کے لائق ہو جانے چاہئیں۔ آگے چل کر تحسین وتعریف کے سلسلے کا اختتام لارڈ ہیسٹنگز' کرنل مورگن اور سر جان میک فرسن کی تعریفوں سے ہوتا ہے۔

گل کرسٹ کی لغت کے دیباچے میں اپنی بمبئی آمد (۱۷۸۲ء) سے لے کر ۱۷۸۶ء تک کے دنوں کا احوال قلمبند کر دیا ہے جس سے ہمیں ان کی سخت محنت' کا پتہ چلتا ہے۔ گل کرسٹ کا یہ اعتراف دیباچے کا حصہ ہے کہ جب ان کو کیپٹن (بعد میں میجر بن گیا) کرک پیٹرک کی لغت کی اشاعت کی خبر ملی تو یہ خبر سننے کے بعد ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ ان کا لکھنا ہے کہ جب ان کے کسی دوست نے انہیں بنگال میں کیپٹن پیٹرک کی لغت کے حصوں کی اشاعت سے باخبر کیا تو یہ ان کے لیے بڑا ذہنی وجذباتی دھچکا تھا۔ اس سے ان کی کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ بیمار ہو گئے تھے اور یہ بیماری ان کے لیے جان لیوا بنتی جا رہی تھی جب انہوں نے ہجرت کی اور ایک دوست ڈاکٹر کے علاج سے ٹھیک ہوئے۔ میجر کرک پیٹرک سے ملنے کے بعد انہوں نے کرک پیٹرک کی اس شفقت کا والہانہ ذکر کیا ہے جو اس نے اپنی بقیہ لغت کی اشاعت کو التوا میں ڈال کر گل کرسٹ پر کیا تھا۔ گل کرسٹ اس کا اعتراف کرنا نہیں بھولے۔ لغت کے اس حصے میں بھارت دیس کے نام کا ماخذ' اس کی وجہ تسمیہ اور اس کے پیچھے موجود دیو مالائی کہانی ملتی کہ یہ ایک شہزادے کا نام تھا جس کے نام پر بھارت کا نام پڑا۔ اس کے بعد ہندوستان کے

مختصر لفظ ہند اور سندھ کے فرق کو سمجھایا گیا ہے کہ کس طرح ہندوستان کے رہنے والے مختلف علاقوں کے لوگ ہند کی 'ہ' کو 'س' کی آواز سے بدل کر بولتے تھے۔ گل کرسٹ کا یہ خیال دیباچے کا حصہ ہے کہ دونوں کاموں میں صرف بول چال کا فرق ہے' ویسے یہ ایک ہی جگہ کا نام ہے۔ گل کرسٹ بتاتے ہیں کہ ہند اور سندھ کا لفظ پرانے دور میں سمندر کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ان کے بعد ہندوی' ہندی اور ہندوستانی زبان کی بحث موجود ہے جس پر پہلے بات ہو چکی ہے۔ دیباچے میں ہندوستانی زبان' سنسکرت کے بنیادی تعارف' کے ساتھ گریمر کا کچھ حصہ بھی شامل ہے۔ ایک اور اہم نکتہ دیباچے کے مطالعہ سے یہ سامنے آتا ہے کہ سر ولیم جونز نے سنسکرت اور یونانی لاطینی زبانوں کے اشتقاقات پر تحقیق کر کے ان کو ایک ہی زمرے کی زبانیں قرار دیا تھا۔ گل کرسٹ نے ایک قدم آگے بڑھ کر انگریزی' سیکسن' لاطینی زبان کے الفاظ کا اشتقاق کے ذریعے ہندوستانی زبان سے تعلق پیدا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں'

"Those who are versed in the rules of literal etymology will instantly percieve the connection between words here...;

English, Sex, Latin &c	Hind &c
Age	avoo, a,oo
ago	age, agy,a
bad	bud
band	bund
bar	barna
to boil	ubalna
cancer	kenkra
candle	qundeel
care	khuhuf
coal	ko,ela
cow	gou
door	deewan
eclogue	ushlok

Jasmine	yasmeen
Jesus	Eesa, Yesa
Joy	Jy, Jee, Jee,o
juice	joos
ode	surod
mouth, moo	moonh, mook,h
to murder	mar dalna
sky	akas".(16)

تقریباً تین سو الفاظ کی فہرست کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ گل کرسٹ نے ولیم جونز کے تقابلی لسانیات کے منصوبے کو نئی شکل دے کر آگے بڑھایا ہے۔ ولیم جونز نے سنسکرت اور لاطینی یونانی الفاظ کے اشتقاق پر غور کیا تھا جس سے تقابلی لسانیات کے علم کا آغاز ہوا۔ گل کرسٹ نے اردو اور انگریزی' لاطینی' سیکسن الفاظ کی فہرست دے کر ان کے اشتقاق کی طرف نہ صرف اشارہ کیا ہے بلکہ ماہر لسانیات کے لیے ایک نیا زاویہ پیش کیا ہے۔ جس کے تحت اردو زبان کے اشتقاق کا دوسری یورپی زبانوں سے مزید تقابل کیا جانا چاہیے۔ اس سے اردو زبان کے آغاز کے نظریات کی تحقیق کے لیے ایک نیا زاویہ سامنے آئے گا۔ کچھ دوستوں کی وفات پر اظہار افسوس اور کچھ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد لغت کا حصہ شروع ہوتا ہے۔

گل کرسٹ کی لغت کا مجموعی جائزہ' اندراج کا طریقہ کار ذخیرہ الفاظ کی نوعیت اور ان کی لغزشیں

جان گل کرسٹ کے ہندوستانی فلالوجی کے منصوبے کے سلسلے کی پہلی کتاب "A Dictionary, English and Hindoostani Language) تھی جو دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے شروع میں ترپین صفحات پر مشتمل ایک طویل دیباچہ تحریر کیا گیا تھا جس کے مندرجات پر ہم بحث کر آئے ہیں۔ اس دیباچے کے بعد پہلی جلد میں انگریزی حرف "K" تک کے انگریزی الفاظ اور ان کے اردو زبان کے متبادل معنی اور مباحث شامل کیے گئے تھے اور یہ حصہ دو کالمی انداز کے ساتھ چار سو ستاسی (۴۸۷) صفحات پر مشتمل تھا۔ اس طرح

دوسرا حصہ (والیم) ۱۷۹۰ء میں کلکتہ سے ہی شائع ہوا تھا جس میں انگریزی حرف "L" سے لے کر "Z" تک کے الفاظ اوران کے انسلاکات کوملا کر ایک ہزار بتیس صفحات میں سمیٹا گیا۔ یہ لغت اپنی نوعیت کی نہ صرف اہم لغت ثابت ہوئی بلکہ انگریزی اردو الفاظ کی بڑی لغات میں شمار کی گئی تھی۔ اس کتاب کی دوسری اشاعت میں اس کے والیم نمبر ایک کے بعد میں چورانوے صفحات پر مشتمل ضمیمہ بعنوان "Appendix to Part 1 of the Dictionary" کتاب کے آخر میں شامل کیا گیا تھا۔ اسی طرح لغت کے والیم نمبر دو کے آخر میں بھی ایک سو پچاسی صفحات پر محیط ضخیم ضمیمہ کتاب کا حصہ بنا دیا گیا تھا۔ ضمیمے کے مشمولات کو بھی اگر لغت میں شامل کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی اردو لغت کے سلسلے کا یہ منصوبہ تقریباً ایک ہزار تین سو سے زائد صفحات پر پھیلا ہوا تھا جو گل کرسٹ کی شبانہ روز محنت کا ثمر تھا۔ لغت کے والیم نمبر دو کے آخر میں دو صفحات بعنوان "Dialogues" بھی کتاب کا حصہ بنائے گئے ہیں۔

''انگریزی ہندوستانی ڈکشنری'' الفاظ اوران کے ہندوی' اردو' عربی' فارسی' پنجابی' بھاشائی مترافات وتلفظ کا ایک جہان معنی آباد ہے۔ لغت کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ مصنف نے لغت کی ترتیب کے وقت جو اصول مدنظر رکھے ان کا لب لباب یہ ہے کہ انگریزی لفظ کے متبادل ہندوستان میں بولے جانے والے تمام ممکنہ الفاظ چاہے ان کا تعلق کتاب سے ہو' ادب سے ہو' عوام کے بگڑے ہوئے تلفظ کا حامل ہو یا اشرافیہ کے زیر استعمال سنورا سجا ہوا روپ' اس کو لغت کا حصہ بنانا ہے تاکہ لغت کے قاری کے لیے' جو کہ ظاہر ہے ان کے ہم وطن انگریز تھے' ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے فرد اور لفظ کی بول چال سے لے کر ادبی حیثیت کے مطابق اندراجات لغت کا حصہ بننے چاہیں۔ اس لغت کا جائزہ لیتے ہوئے جو امور اور نکات گل کرسٹ کی لغت نویسی کے سلسلے میں سامنے آتے ہیں ان پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالتے ہیں۔

اس دوزبانی لغت کے اندراجات پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ انگریزی الفاظ لکھنے کے بعد سب سے پہلے اس کے متبادل اردو زبان کا لفظ رومن رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ اس رومن املا میں لکھے گئے لفظ کے آگے نستعلیق رسم الخط میں اردو (ہندوستانی) لفظ موجود ہے۔ اس کے بعد اگر مزید وضاحت مقصود ہو تو اردو لفظ کے بعد اس کا انگریزی مترادف بھی دیا گیا ہے۔ رومن اور نستعلیق خط کے اندراجات کی مثال سے اندراجات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر'

"ABANDONED´a. kahlee خالي ´h soona سونا ´oojar اوجاڑ

weeran ویران ' v. deserted; p. khwar a. ubtur ابتر و
h.chour chouput چور چوپٹ ' Sutte,a_nas ستیاناس v.vicious, &c
to be abandoned ' p.goozur_Jana گذر۔جانا khwar hona
خوار ہونا v.graceless."(17)

درج بالا پیراگراف میں لغت کے اندراج کا یہ نمونہ جن امور کی طرف توجہ دلاتا ہے وہ یہ ہے کہ انگریزی لفظ کے تمام حروف Capital حروف میں لکھے گئے تھے اور آخری انگریزی لفظ بڑے حروف میں ہے۔ خالی لفظ فارسی زبان سے اردو میں آیا جبکہ سُونا لفظ مقامی ہندوستانی ہے۔ اس طرح اوجاڑ چوڑ چوپٹ 'ستیاناس' مقامی زبانوں کے الفاظ ہیں جبکہ چوڑ چوپٹ اور ستیاناس عوامی بول چال کے مرکب الفاظ ہیں۔ جن کو لغت کا حصہ بنایا گیا ہے اسی طرح دوسرے متبادل حروف سلجھی ہوئی سطح پر زبان کا حصہ ہیں وہ پیش کیے گئے ہیں۔ یہاں ایک اور امر سامنے آتا ہے کہ Abamdoned کے بعد دوسرے انگریزی الفاظ جن میں Vicions اور graceless شامل ہیں مقامی الفاظ کی مزید وضاحت کے لیے درج کیے گئے ہیں۔ اس اندراج کے اس طریقے سے دیکھا جاسکتا ہے کہ گل کرسٹ کے پیش نظر کوئی مقامی فرد یا ہندوستانی افراد نہ تھے بلکہ غیر ملکی انگریز ساتھیوں کے لیے لغت مرتب کی جارہی تھی۔ اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ انگریزی حرف (بنیادی) کے بارے میں کوئی ایسی وضاحت نہیں ملتی جو ظاہر کرتی ہے کہ انگریزی جاننے والے کے لیے انگریزی حروف کی تفصیل و تفہیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اندراجات کے سلسلے میں رومن رسم الخط پر گل کرسٹ نے خاص توجہ دی ہے۔

مختصر اردو واولز (زیر' زبر' پیش) کے لیے رومن طریقہ اس طرح سے اختیار کرلیا کہ زبر کو انگریزی حرف (یو U) کے ساتھ 'زیر کے لیے (ای e) اور پیش کے لیے ''ڈبل o'' لکھ کر اس کے اوپر جزم کی الٹی علامت لکھنے سے (OO) پیش کے واول کی آواز ظاہر کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ''وجود کا رومن Wujood''، ''پیٹ کا pet'' اور ''مسلمان کا رومن Moosluman'' لکھا گیا ہے۔ طویل مصوتوں (Long Vowels) کے اندراجات کے لیے ''الف'' کی اواز کے لیے "a" (مثلاً moosulman) ''وٗ'' کے لیے "o" (بوسہ bosa) اور ''ی'' کے لیے "ee" (پستی pustee) اور واؤ کے اور واؤ کے اوپر پیش آنے کے بعد جو طویل آواز بنتی ہے اس کے لیے ''ڈبل اوٗ'' (oo) کے حروف استعمال کیے گئے ہیں جیسے ''مزدور'' کو رومن میں "muzdoor" لکھا گیا ہے۔ Diphthougs یعنی دو صوتیے کے لیے بھی رومن حروف کے لیے گئے تھے جیسے ''پیار'' کے "Pe,ar"۔ دو

صوتیے ظاہر کرنے کے لیے "e" اور "a" کے درمیان میں ایک کھڑی زبر ڈال کر اس آواز کے لیے تحریری علامت وضع کی ہے۔ اس طرح مصمتوں کے اندراجات یوں تو اتنے غیر واضح نہیں تھے لیکن گل کرسٹ کو ہکاری (Aspiratory) حروف رومن رسم الخط میں ظاہر کرنے کے لیے الگ سے اصول بنانا پڑا جس کے تحت یہ حروف رومن میں سمجھے جانے کے قابل ہوئے۔ گل کرسٹ نے ان کا یہ حل نکالا کہ انگریزی حرف کے آگے کھڑی زیر لگا کر "h" کے اضافے سے ہکاری حروف ظاہر کیے ہیں۔ مثالیں یوں ہیں ''گھٹا'' کے لیے "ghuta"، ''دکھ'' کے لیے "Dook,h"، ''بھاگنا'' کے لیے "bihagna" وغیرہ۔ یہاں کچھ مصمتوں مثلاً ''ٹ اور ڈ'' کے لیے الگ سے شناخت اس دور میں موجود نہیں تھی کیونکہ یہ ہندوستانی مقامی آوازیں تھیں' عربی فارسی میں ان کا استعمال نہ تھا۔ آج کے املائی نظام میں ''ت'' کے اوپر طوئے ''ط'' کے اضافے سے ٹ یا ڈ بنایا جاتا ہے۔ اس دور میں ''طوئے'' کے علامت کا رواج نہیں تھا بلکہ اس کی جگہ زبر کی علامت (ذ) لگا کر ان کو ظاہر کیا جاتا تھا۔ گل کرسٹ نے بھی یہی زبر انگریزی مترادف حروف پر لگا کر ''ٹ اور ڈ'' کے لیے املا سیٹ کی۔ جیسے کاٹنا کے لیے رومن Katna 't' کے اوپر ''زبر'' اور ڈول کے لیے dol 'd' کے اوپر زبر' کی مثالیں سامنے رکھی جا سکتی ہیں۔

رومن رسم الخط میں نون کی غنہ آواز کے لیے انگریزی حروف "n" کے اوپر جزم کی الٹی علامت ڈال کر "nasal" آواز بنائی گئی تھی۔ رومن رسم الخط کے ولیم جونز نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے پلیٹ فارم کے جو رہنما اصول ترتیب دیے تھے وہ گل کرسٹ کو اس لیے بھی ناکافی لگے تھے کہ ولیم جونز فارسی کا عالم تھا۔ اس کے پیش نظر مقامی ہندوستانی حروف کے مسائل' ہکاری حروف' اور دوسرے ہندی حروف کے متبادل آوازوں کو ظاہر کرنے کے لیے کافی اصول موجود نہ تھے چنانچہ گل کرسٹ نے لغت کی تالیف کے لیے اپنے رومن رسم الخط کے اصول خود مرتب کیے اور ان میں لغت کے اندراجات کو تحریر کیا۔ رومن رسم الخط میں گل کرسٹ سے بعض جگہ غلطیاں بھی سرزد ہوئیں' جو کہ فطری بات تھی کیونکہ ان کے سامنے اس سے قبل اس رسم الخط کی کوئی معیاری صورت موجود نہ تھی۔ مثلاً کے طور پر سودا کے شعر کا یہ مصرعہ دیکھا جا سکتا ہے۔ گل کرسٹ نے لکھا ہے ''ایک دل ملا کہ جس مین ہین سیکڑوں ملول''۔ [اب اس کا رومن خط یوں ہے۔ "Ek dl mila ki jis myn hyn sykron mulole"] سودا کا لفظ ملال یا ملول ہوگا لیکن رومن سے اردو ترجمہ ملولے یا اردو ملولے پڑھ کر وہ رومن رسم الخط لکھتے لکھتے تسامح کا شکار ہو گئے تھے۔ اسی طرف لفظ پیٹ کے رومن املا میں جو کہ Pet لکھا گیا ہے صرف "e" کا استعمال تلفظ کو غلط کر سکتا ہے۔ اس املا کو مقامی یا انگریزی لفظ Pet (بمعنی پالتو) بھی پڑھ سکتا تھا۔ اس طرح ہائے مجہول کی آواز کے مصوتے کے اظہار کے لیے گل کرسٹ رومن کے املا میں ایک خامی رہ جاتی ہے جو معمولی بات ہے۔

رومن کے تلفظ میں خامیوں کے سلسلے میں گل کرسٹ کی گریمر کے صفحہ نمبر ۵۷ پر "To Believe" کے معنی کے خانے میں جاننا لکھا گیا ہے۔ یہ معنی درست ہے یا نہیں اس پر بات کرنے سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ اس لفظ کی رومن املا "Janna" لکھی گئی ہے۔ اب اگر دونوں n حروف کے درمیان کوئی سکتہ ہوتا تو تلفظ ٹھیک ہوسکتا تھا لیکن توقف نہ ہونے کی وجہ سے یہ املا جاننا کی آواز نہیں دیتا۔ اسے بھی اندراج کی خامی کہا جانا چاہیے۔

اندراجات کی ذیل میں غور کیا جائے کہ کیا یہ تمام الفاظ گل کرسٹ کی ذاتی تلاش و تحقیق کی وجہ سے اکٹھے ہوئے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے قلیل عرصے میں کوئی غیر ملکی اتنی بڑی تعداد میں اردو اور اس میں شامل دوسری زبانوں کے الفاظ کی رنگارنگی ثابت کرتی ہے کہ اشرافیہ اور پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ ساتھ عوامی بول چال کا لب و لہجہ و تلفظ جنہیں اکثر جگہ گل کرسٹ نے بریکٹ میں vulgar کہا گیا ہے۔ لغت کا حصہ بنایا گیا ہے۔ یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے کہ کس طرح گل کرسٹ لغت میں موجود پورے جملے استعمال کرتے تھے اور لفظ کا انتخاب کرتے تھے۔ لغت میں ایسے جملے بھی موجود ہیں جن کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ گل کرسٹ لفظ کے استعمال سے تو واقف تھے لیکن ابھی روزمرہ زبان کے معاملے میں ان کی فہم کچھ حد تک ناقص تھی۔ مثلاً یہ اندراج ملاحظہ ہو:

"To BE LIE h. J,hoot,hana جھوٹہانا ' [جھوٹانا] ' J,hootalna

جھوتہالنا [جھوٹا] تہمت' تہام' اخترا' بہتان' ---

His deeds belie his words, "اوسکی کہنی اور کرنی میں تفاوت ہی". (18)

اس جملے میں جو کہ بطور اردو ترجمہ اندراج کا حصہ بنایا گیا ہے لفظ تفاوت خوبصورت تو ہے لیکن یہ لفظ روزمرہ کے مطابق ٹھیک نہیں ہے تفاوت کی جگہ فرق یا کوئی اور لفظ آنے سے جملہ روزمرہ کے مطابق ہو جاتا۔ بہر حال اس طرح کی مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ ابھی روزمرہ زبان کے سلسلے میں الفاظ کے استعمالات میں گل کرسٹ کاملیت میں دور تھے۔

فارسی تراکیب کے استعمالات لغت میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ بغور مشاہدہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ لغت میں گل کرسٹ نے فارسی سے اردو زبان میں آنے والی تراکیب اور الفاظ کو سب سے زیادہ درج کیا ہے۔ یہ اس وجہ سے بھی تھا کہ فارسی زبان سرکاری زبان تھے۔ عربی الفاظ بھی کافی تعداد میں نظر آتے ہیں لیکن سنسکرت، برج بھاشا یا مقامی بولیوں کے الفاظ بہت زیادہ تعداد میں لغت کا حصہ نہیں بنے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی لغت کے مواد کے جمع

کرنے کے لیے گل کرسٹ یوپی، لکھنؤ، فیض آباد وغیرہ رہے۔ یہ علاقے مسلم اکثریت کے علاقے تھے جس کی وجہ سے فارسی عربی الفاظ اردو زبان میں بکثرت آنا ضروری تھا۔ تراکیب کا استعمال گل کرسٹ کثرت سے کرتے ہیں۔ عربی فارسی الفاظ وتراکیب کی مثال کے لیے یہ مرکب الفاظ بطور نمونہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ خون جگر، بے ثبات، بے قرار، بے استقلال، ناپائیدار، بے پرہیزی، بدپرہیزی، لن ترانی، سریع التاثیر، بے عصمتی، بے اعتدال، نقش کالحجر، نامعقول، بے تعریف، فی الواقع، فی الحقیقت، بود و باش، بے تواضع، ممکن الادراک، بادشمال، نسیم شمال، مغزفلوس، خاشاک وغیرہ۔

یہاں یہ مشاہدہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ لغت کی پہلی جلد میں عربی فارسی اور اردو الفاظ کی تعداد ہندی/ ہندوی الفاظ کی نسبت بہت زیادہ ہے لیکن دوسری جلد جو کہ تین سال بعد ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی۔ اس میں گل کرسٹ نے شعوری طور پر اہتمام رکھا ہے ہندی الفاظ کی مقدار زیادہ کی جائے۔ اس لیے دوسری جلد میں ہندی الفاظ کا استعمال پہلی جلد کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ ہندی الفاظ کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان کے اکثر الفاظ انگریزی الفاظ کے معنی کے طور پر لغت کا حصہ ہیں۔ ہندی الفاظ کا نمونہ درج ہے:

> ''اودر، سہاتیا، سنپورن، حاصلن، اپارجن، سروال، تتبان، چترکاری، تھیپ، بخجی، استھان، گئوماس، بلونت، جتومان، ساچار، ہراوش، شپرک، چمکیدر، پتیت، سامرتھ، ارداس، کتھا وغیرہ
>
> [پنجابی الفاظ]۔ بوڑمرنا، پچھی، جوگا، کتا، کھٹانا، سونہہ، جانگھیہ، پنڈا، دیہہ، کاٹھی، جتھا، سواد، للو پتو، ستیاناس، جوڑ جوپٹ، گھاٹا''۔ (۱۹)

لغت کے اندراجات میں ایسے الفاظ بھی نظر آتے ہیں جن کے معنی اردو، عربی، ہندی، پنجابی، غرض تمام ممکنہ الفاظ دینے کے ساتھ ساتھ ان کو مختلف جملوں میں استعمال قاری کی تفہیم کے لیے زیادہ سودمند ثابت ہوا۔ جملوں کے استعمال کے سلسلے میں یہ اہتمام رکھا گیا تھا کہ سب سے پہلے انگریزی لفظ کا مفہوم واضح کرنے کے بعد مقامی الفاظ کی قواعدی حیثیت درج کی گئی ہے۔ اس کے بعد انگریزی لفظ کو انگریزی جملے میں استعمال کر کے اس کے ترجمے کے لیے اردو زبان کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جملے صرف اردو زبان کے درج کیے گئے ہیں، انگریزی جملوں کو کسی اور زبان میں ترجمہ نہیں کیا گیا۔ یہ بات اس وجہ سے بھی غور کرنے کی ہے کہ ''حکمرانی کی زبان'' کی تشکیل کے لیے اردو زبان کو منتخب کیا جا رہا تھا (حکمرانی کی زبان پر باب نمبر ۵ میں بحث موجود ہے)۔ ایک لفظ کا طویل اندراج ملاحظہ ہو۔

"A, has uniformly a broad sound, as in all. A, (an an) the indefinite article of unity, is either expressed by the numeral ek ایک one, or found (as in latin) in the simple; thus in souda: Ek diil mial ki jis myn hyn sykroon mulole:
ایک دل ملا کہ جس مین ہین سیکڑوں ملولی
I have found a heart in which there are many sorrows....
A befor participles, is either rendered by koo کو to. They went a swimming, pyrne ko gou,e. پیرنی کو گئی' or by the inflection of the verbal noun only: thus, They a-walking, p,hirne gu,e پہرنی گئی' A, implying proportion, h. peech,he پیچہی ...."(20)

اس پیراگراف کے مطالعے سے گل کرسٹ کے اندراجات کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے۔ گل کرسٹ نے الفاظ کی قواعدی حیثیتوں کے ضروری پہلوؤں کی تفصیل دینے کے ساتھ ساتھ اس کے اردو جملے بطور ترجمہ پیش کیے ہیں۔ بعض اندراجات میں جملوں کا استعمال اتنا بڑھ جاتا ہے کہ مکالمے کی صورت بن جاتی ہے۔ بعض اوقات لفظ کے مترادفات کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے کہ مطلب واضح ہونے کی بجائے الجھتا چلا جاتا ہے۔ یہ طریقہ لغت کی ناکامی کا مظہر ہوتا ہے نہ کہ کامیابی کیونکہ ایک لفظ کے جتنے بھی معنی موجود ہوں' معاشرے میں اتنے معنی مکمل طور پر استعمال نہیں ہو رہے ہوتے۔ ایک لغت نگار کو محض یہ دیکھنا چاہیے کہ ایک لفظ کے مترادف الفاظ موجود نہیں تو ان میں اس دور کے مستعمل معروف معنوں کو اندراج کا حصہ بنانا چاہیے نہ کہ اس سلسلے میں موجود ہر معنی لغت میں درج کر دیا جائے۔
لغت میں طویل اندراجات میں سے ایک طویل اندراج بطور نمونہ دیا جاتا ہے۔ لفظ Honour کے مترادف کے طور پر یہ الفاظ ملتے ہیں' وقار' وتر' پت' اعزاز' عزت' حرمت' نام' آبرو' شکوہ' شان' نمود' بڑائی' بزرگی' عظمت' افتخار' اعتبار' ہمیت' غیرت' سرفرازی' درجہ' منصب' منزلت' پایہ' اوج' تکریم' منزلت' مرتبہ' آن بان' ننگ' ادب' تعظیم' فخر' آدر' مان'

آرائش، زیب ناک، معقوق، ننگ وناموس وغیرہ۔ (۲۱)

مترادفات کی اس طویل فہرست میں بعض الفاظ ایسے نکالے جاسکتے ہیں جو لفظ Honour کے مفہوم سے لگا نہیں کھاتے لیکن صاحب کتاب نے ان تمام الفاظ کو ان کے رومن رسم الخط کے ساتھ درج کر کے محفوظ کیا ہے۔ اس کا ایک فائدہ عصر حاضر میں تو یہ ہے کہ اس عہد میں ان الفاظ کے معنی کو سمجھا جانا ممکن ہوگیا ہے۔ الفاظ اس دور کی کلاسیکی شاعری اور نثر پاروں کی تفہیم وتشریح کے کام آسکتے ہیں لیکن یہ اندراج اس دور کے ان قاریوں کے لیے تو مشکل ثابت ہوا ہوگا جن کی ضرورت محض ہندوستانیوں کے مستعمل معنی سمجھنے کی ضرورت ہوگی۔ لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ آنے والے دور کے لغت نویسیوں کے لیے ان کا انتخاب کر کے مختصر لغت مرتب کرنا ممکن ہوگیا تھا۔ نذیر آزاد اپنے ایک مضمون میں گل کرسٹ کے اندراجات کے طریقے پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> ''اس لغت کی تالیف میں گل کرسٹ نے کس قدر محنت کی ہے، اس کا اندازہ انگریزی الفاظ کے مترادفات (equivalents) سے ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ honour کے ۳۶ مترادفات [چالیس ہیں]، adbode کے ۱۴، matter کے ۲۹ اور provision کے ۱۶ مترادفات دیے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض مترادفات ہندی، سنسکرت، فارسی اور عربی زبانوں کے ہیں۔ لیکن مترادفات کی یہ کثرت اس لغت کی سب سے بڑی ناکامی ہے۔ مثلاً Prejudice کی تشریح کرتے ہوئے گل کرسٹ اعتقاد، تعصب، رغبت، حسن ظن، گروہ وغیرہ میں امتیاز نہ کرسکا۔ اسی طرح poem کی وضاحت میں مختلف اصناف مثلاً قطعہ بند، مثنوی، قصیدہ، غزل، ترجیع بند اور ان اصناف کی خصوصیات، سوز و گداز اور پند وغیرہ درج کی۔۔۔ جہاں شواہد واسناد کے طور پر سودا، مسکین اور دیگر اساتذہ کے اشعار دیے گئے ہیں وہیں روزمرہ کی زبان سے بھی فقرے لیے گئے ہیں۔ لیکن بااین ہمہ گل کرسٹ اپنے ذاتی قیاس پر بھروسا کر کے زبردست لغزشوں کا شکار ہوا ہے''۔ (۲۲)

گل کرسٹ کی لغت میں ایک اہم عنصر اٹھارہویں صدی کا روزمرہ اور محاورے کا استعمال ہے۔ جو لغت میں بعض مقامات پر دیکھنے میں آتا ہے۔ روزمرہ زبان کے معاملے میں لغزشوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، محاورے کے

استعمال میں بھی گل کرسٹ سے بعض جگہ لغزشیں ہوئی ہیں۔ محاورے کو ترجمہ کرنے کی کوشش لغت کا عیب بن کر سامنے آتی ہے۔ بنیادی بات تھی کہ محاورہ کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جانا زیادہ ممکن نہیں لیکن صاحب لغت اس کوشش میں ناکام ہوئے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں' لفظ Belly کے مترادفات شکم' پیٹ تو ٹھیک دیے گئے ہیں لیکن اس کو ایک مترادف دوزخ (Hell) دیا ہے جو غلط ہے۔ عوامی بول چال اور محاورے کے مطابق دوزخ بھرنا اور بات ہے لیکن دوزخ کسی طرح پیٹ کے مترادف نہیں بنتا لیکن گل کرسٹ نے ''دوزخ'' کا لفظ دیا ہے۔ جملے میں استعمال یوں ہے پیٹ بھرنا جس کا انگریزی ترجمہ to fill the belly کیا گیا ہے۔ یہ لفظی ترجمہ ہے' محاوراتی نہیں۔ اس طرح کی لغزشوں میں گل کرسٹ کو وہاں غلطی لگی ہے جہاں وہ اسم اور مصدر کے مابین فرق کو نہ پہچان سکے۔ مثال کے طور پر لغت کے پہلے صفحے پر انگریزی جملہ اور اس کا اردو ترجمہ یوں ہے۔

How much is his income a year برس پیچھے اوسکی کیتی آمد ہے؟

یہاں پر ترجمے کی غلطی لفظ آمدن کے درست استعمال نہ ہونے کی وجہ سے انجام پائی۔ فارسی مصدر آمدن ہوتا ہے لیکن اردو زبان میں یہ لفظ بطور اسم بمعنی تنخواہ بھی استعمال میں آتا ہے۔ گل کرسٹ نے فارسی مصدر سمجھ کر اس کے بعد والا ''ن'' ہٹا کر اپنے تئیں جملہ مکمل کرنے کی کوشش کی تھی جس سے ان کے ترجمے میں یہ مسائل در آئے۔

محاوروں کے استعمال کے ذریعے بعض جگہ ہندوستان کے سیاسی واقعات کو بھی لغت کا حصہ بنایا گیا ہے۔ اس سے گل کرسٹ کی مراد یہ تھی کہ انگریز حکمران ہندوستانی سزاؤں کی موجود مختلف صورتوں سے بھی آگاہ ہوں جو ان کو مقامی افراد پر حکومت کرنے کے لیے معاون ثابت ہوں گی۔ گل کرسٹ کی دور میں مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کی حکومت چل رہی تھی۔ یہ وہی مغل بادشاہ تھے جن کی آنکھیں ایک باغی سردار وہیلہ نے گرم سلائیاں پھیر کر اندھی کر دی تھیں۔ اس واقعہ کے تناظر میں یہ اندراج سمجھا جا سکتا ہے'

" To BLIND, h. undhlana اندھلنا' ankh-p,horna آنکھہ پھوڑنا sula,ee-pherna سلائی پھیرنا' to turn a pencil; from the practie in the East, of drawing a heated pencil over the pupil of the unhappy person, who fall a victim to the jeolousy of a tyrant, or, the ambition of a villain, (to darkness)... آنکھوں مین خاک ڈالنا". (23)

لغت میں الفاظ کی تشریح کے لیے اردو جملوں کا استعمال ایک اچھا اضافہ تھا جس میں لغزش ہو جانا بڑی بات نہیں تھی۔ جملوں کے یہ تراجم گل کرسٹ کے اشاعتی منصوبے میں مقالمات کے طور پر شامل رہے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مکالمات کی اہمیت کے پیش نظر گل کرسٹ نے ان کو اپنی لغت کے دوسرے والیم کے آخری صفحات میں علیحدہ سے بھی پیش کیا ہے۔ لغت میں موجود مندرجہ ذیل جملوں کا مطالعہ ہمیں گل کرسٹ کے ترجمے کی اہمیت کو سمجھنے میں معاونت فراہم کرتا ہے۔ ان جملوں کے تراجم کی صحت بہت زیادہ غلط نہیں البتہ کئی جگہ اردو ترجمہ بامحاورہ نہیں ہے۔ ان تراجم سے یہ دیکھا جانا بھی مقصود ہے کہ گل کرسٹ کا ترجمہ کس حد تک آج کی اردو زبان کے حساب سے بامحاورہ ہے۔ مختلف صفحات سے چند مثالیں یوں ہیں۔

"(1). I have given him about ten rupees.	تم کو دس روپے دیے میں نے
(2). What business is your master about.	تمہارے صاحب کس کام میں ہیں
(3). I cannot do this business in your absence.	تمہارے پیچھے میں یہ کام نہیں کر سکتا
(4). What is become of your king?	کیا ہوا تمہارا پادشاہ
(5). This man is about to die.	یہ آدمی مرا چاہتا ہے
(6). I will speak in this behalf to master such a one	اس کے حق میں ہم فلانے صاحب سے کہیں گے۔
(7). Does that ground belongs to you? is mine.	وہ زمین تم سے تعلق رکھتی ہے؟ ہاں میری ہے۔
(8). I am indebted to you , my lord, for this office.	خداوند میں آپ کا ممنون ہوں اُس عہدے سے
(9). The father's property in the eyes of the law, belongs to the son	باپ کی ملکیت شریعت کی رو سے بیٹے کو پہنچتی ہے۔ (۴۴)

محاورے کا استعمال گو لغت میں بہت زیادہ نہیں لیکن پھر بھی اس سلسلے کے اندراجات مل جاتے ہیں۔ ان محاوروں میں عوامی بول چال کی ساتھ ساتھ جنسی موضوعات سے متعلق محاورات بھی لغت کا حصہ بنتے ہیں۔ انگریزی الفاظ کے مترادف کے طور پر محاورہ اس طرح استعمال کیا گیا ہے۔

(1). "FAR FETCHED, (simily) a. Bueed-ool Fuhm بعیدالفہم
To use for-fetched expressions, h. chootur se kan ghantna,"چوتڑ سے کان گانٹھنا".

(2). 'TO INGRATIATE. h. putton myn pythna پٹوں میں پیٹھنا
He has ingratiated himself with the governor, (h).
woh hakim ke putton me pytha he, ''وہ حاکم کے پٹوں میں پیٹھا ہے'' (۴۵)

اس طرح مزید محاورے بھی لغت کا حصہ ہیں جن میں منتخب محاورے یوں ہیں' جیسی تین بیسی ویسا ساتھ' آنکھوں میں خاک ڈالنا' خدا خدا کر کے' تفصیل ہو گئے پڑی نبھانا' مکھی مارنا وغیرہ۔ گل کرسٹ کے مندراجات میں انہوں نے الفاظ کے ماخذات کی طرف بطور خاص توجہ دی تھی۔ لفظ کس زبان سے اردو بول چال کا حصہ بنتا ہے' اس پر اشارات سے واضح کیا گیا ہے کہ اصلاً یہ لفظ کس زبان سے آیا ہے۔ عربی الفاظ سے پہلے "a"، فارسی الفاظ سے آنے والے الفاظ کے شروع میں "P" اور اردو کے مقامی لفظ جو کہ ہندوی' ہندوستانی' سنسکرت یا کسی بھی مقامی زبان سے لغت کا حصہ بنتا ہے اس کو "h" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کاوش سے اندازہ ہوتا گل کرسٹ الفاظ اشتقاقات اور اصل سے آگاہ تھے۔ لغت کے اندر کچھ موضوعات ایسے بھی شامل ہو گئے تھے جو اردو نقادوں کو متعصبانہ محسوس ہوئے۔ ان کے نزدیک جان گل کرسٹ نے اس لغت میں مقامی ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے بارے میں منفی جذبات کے تحت الفاظ و مباحث پیش کیے تھے تا کہ انگریز ان سے محتاط رہیں۔ ایک لحاظ سے یہ نقطہ نظر غلط نہیں ہے لیکن یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ جان گل کرسٹ اپنی قوم کی ہندوستانی سرزمین پر حکمرانی کے نقطہ نظر سے زبان کی تشکیل کر رہے تھے' ہندوستانیوں سے محبت ان کے کسی منصوبے کا حصہ نہیں تھی۔ نذیر آزاد اس ضمن میں رقم طراز ہیں'

> ''اس لغت کا کمزور ترین پہلو وہ متعصبانہ طرز فکر جس کی وجہ سے انگریز اور ہندوستانیوں کو دو مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا اور نتیجے کے طور پر انگریز اور ہندوستانیوں کو دو مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور نتیجہ کے طور پر انگریزوں کو ہندوستانیوں سے محتاط رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ان تمام خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ گل کرسٹ نے اردو لغت نگاری میں ایک نئے باب

کا اضافہ کیا خاص طور پر اس کی لغت میں ہر مترادف کے ساتھ اس کی اصل زبان کا مخفف دیا گیا ہے۔ مثلاً عربی کے لیے "a" فارسی کے لیے "p" ہندی کے لیے "h" وغیرہ"۔(۲۶)

۴۔ گل کرسٹ کی دیگر کتب میں لغت نویسی کا جائزہ

"Oriental Linguist" میں درج ذخیرہ الفاظ اور لغت کا جائزہ

یہ کتاب ۱۷۹۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ ۱۸۰۲ء میں ترمیم و اضافے کے ساتھ کلکتہ کے فیرس پوسٹ پریس سے دوبارہ شائع ہوئی۔ اس کتاب کے سرِ ورق پر جان گل کرسٹ نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا تھا' مصنف کے نام کی جگہ "By the author of the English and Hindoostanee Dictionary" لکھا ہے۔ اس کتاب میں قواعد مباحث کے ساتھ ساتھ انگریزی اردو' اردو انگریزی ذخیرۂ الفاظ موجود ہے۔ اس کتاب میں نوٹ کرنے کی اہم چیز یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اس میں اردو (ہندوستانی) انگریزی لغت کا ایک حصہ شامل کیا گیا ہے جو اس سے قبل کسی کتاب میں شامل نہ تھا۔ ''اردو انگریزی ڈکشنری'' دراصل گل کرسٹ کے ہندوستانی فلالوجی کا دوسرا لغت تھا جو نامساعد حالات کی وجہ سے گل کرسٹ شائع نہ کرا سکے تھے لیکن اس سلسلے میں مواد ان کے پاس موجود تھا۔ شاید یہ بھی ہو کہ اردو انگریزی لغت کو انہوں نے زیادہ ضروری سمجھا ہو اس لیے علیحدہ سے شائع نہ کیا ہو۔ لیکن اس سلسلے کے ذخیرۂ الفاظ کو انہوں نے موجودہ کتاب کا حصہ بنا کر محفوظ البتہ کر دیا تھا۔ انگریزی اردو ذخیرۂ الفاظ (Vocabulary) کے اندراجات کو ایک صفحہ پر تین کالموں میں درج کیا گیا ہے جبکہ اصل لغت دو کالمی تھی۔ الفاظ اور ان کے مترادف معنی کے اندراجات کو صرف رومن اردو رسم الخط میں ظاہر کیا ہے۔ معنی کے بیان میں تفصیل کی بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اردو الفاظ کے مطابق آخر میں انگریزی لفظ بھی دیے گئے ہیں تاکہ تفہیم کے عمل میں ہر ممکنہ معاونت کی جائے۔ اندراجات کا طریقہ یوں ہے'

* "Account, (information) Khubur, uhwal, sumachar v. narrative, (sake) waste, subub, lee,y v. for.
* Adept, Kamil, oostad, pukka, pookhtu, muzboot, nuqqad v. clever.

* Anxiety, fikr, chinta, purwa, v. care,
* Bee, moomak,hee, shuhdkee makhee, zumboor, ulee, bhounra, Beette, (animal) gobrounda (Plant) pan (nut) soopareee."(27)

لغت کے اندراج کی مثال سے دو پہلو سامنے آتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ تلفظ کے معاملے میں گل کرسٹ نے خاص احتیاط برتی ہے۔ مثلاً احوال کو Uhwaal لکھا ہے' رومن کے طریقے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر تلفظ کی احتیاط تھی وگرنہ وہ اس کو Ehwaal بھی لکھ سکتے تھے جو کہ عوامی بول چال کا تلفظ تھا۔ لیکن اس اقتباس میں مکھی کے ذیل میں انہوں نے لفظ 'بھنورا'' کا رومن "Bhounra" درج کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گل کرسٹ نے لغت کے اندراجات کے سلسلے میں منشیوں سے کام بھی لیا تھا اور انہوں نے جس انداز سے لفظ لکھے ان کو تلفظ سنے بغیر گل کرسٹ نے درج کر دیا تھا وگرنہ اس کا اندراج "Bhunwara" ہوتا۔ اندراجی طریقے میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے Bee یعنی مکھی کے خانے میں' شہد کی مکھی اور دیگر مفاہیم کے ساتھ اس سے جڑے الفاظ کے ممکنہ الفاظ کو درج کر دیا ہے۔ دوسرا اس طریقے میں انہوں نے "V" بجائے کے معنوں میں استعمال کیا ہے مثلاً Sumachar, v. (narrative)۔ اندراج کا یہ طریقہ کار ۱۷۸۶ء میں شائع ہونے والی لغت کے طریقے سے مختلف ہے۔ مزید یہ کہ اس لغت میں معنی کی طویل فہرست شامل کرنے سے گریز برتا ہے۔ معنی کے لیے اشرافیہ کے الفاظ کے ساتھ عوامی بول چال کے اردو ہندی الفاظ بھی شامل ہیں۔ اردو الفاظ کی تشریح کے لیے انگریزی جملوں کے استعمال کو بھی اندراج کا حصہ بنایا گیا ہے جس کی مثال اس طرح ہے'

"To can, sukna, [this verb is the sign of the potential mood; thus, I can read but cannot write; myn purh sukta hoon pur naheen likh sukta; ana, jana, often have this meaning, I can sing, moojhe ga ata hy; I cannot swim, mughe pyr naheen ata; v. able. muqdoor v. power."(28)

مندرجہ بالا اقتباس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ... انگریزی جملوں میں لکھ کر ترجمے کے طور پر اردو الفاظ کے جملے پیش کرتے ہیں

وضاحت کی ہے' ان کو انگریزی جملوں میں لکھ کر ترجمے کے طور پر اردو الفاظ کے جملے پیش کرتے ہیں ... اہم اسکالر کی طرف

ایک قواعدی لغزش سامنے آتی ہے جو بظاہر تو معمولی نوعیت کی ہے لیکن قواعد کے میدان کے اہم اسکالر کی طرف

سے ایسی غلطی کیے جانے غیر معمولی بات ہے۔ انہوں نے 'To can' کے اندراج میں انگریزی جملہ لکھا ہے' I

can sing' اور اس کا ترجمہ کیا ہے" مجھے گا آتا ہے"۔ دوسرا جملہ ہے 'I can swim' جس کا ترجمہ ہے" مجھے

پَر آتا ہے۔ لفظ گا اور پیَر کسی بھی طرح ٹھیک نہیں ہیں۔ گل کرسٹ یہاں پر تسامح کا شکار ہو گئے کہ گانا اور پیرنا الفاظ

سے کہیں مصدر کا تاثر نہ آئے اور"نا" کی علامت ہٹا کر انہوں نے اسم کو فعل بنا کر رکھ دیا ہے جو قواعدی اصولوں کے

مطابق غلط ہے۔"نا" کی علامت کو مصدر خیال کرنا ان کی قواعدی لغزش ہے۔ اندراج کے ضمن میں ایک اور بات یہ

ہے کہ"انگریزی ہندوستانی ڈکشنری"(۱۷۸۶ء) کے برعکس انہوں نے انگریزی کے بنیادی لفظ کو جس کا مطلب

مقصود تھا' پہلا حرف بڑا اور باقی حروف چھوٹے انگریزی حروف میں درج کیے گئے ہیں جبکہ اول الذکر لغت میں

بنیادی لفظ جس کا معنی مقصود تھا اس کے تمام حروف بڑے حروف تہجی میں درج کیے گئے تھے۔

لغت کے حصے کا دوسرا عنوان اس طرح سے کتاب میں موجود ہے' "A Vocabulary,

Hindoostanee and English"۔ اردو انگریزی لغت کا یہ حصہ کتاب کے صفحہ نمبر ستاون سے ایک سو

سولہ تک محیط ہے اور ہر صفحے پر تین کالموں میں ذخیرہ الفاظ کے لغوی اندراجات شامل کیے گئے ہیں' لغت کا حصہ شروع

کرنے سے قبل دو صفحات پر لغت کے طریقہ کار کو واضح کرنے کے لیے اشارے دیے گئے ہیں۔ اندراجات کا طریقہ

یوں ہے'

* "Udalut, court, justice, Law [ee]
* Admee, man, indidual, woman, people (-ut) humanit, civility, &c (P-k.) to civilize.
* Ahun, iron, (-gr) black-smith, (-rooba) loadstone (-ee) adj.)
* Azad, free, (-ee, or-ugee) freedom, (-k.) to emancipate, release."(29)

اس اندراج سے گل کرسٹ کی اردو لغت کا ایک پہلو سامنے آتا ہے کہ اردو حروف تہجی کے تحت اگر اندراجات کیے جاتے تو کوئی پریشانی کی بات نہ تھی لیکن رومن رسم الخط میں اردو کو درج کرنے سے مسائل پیدا ہونا لازمی تھا مثلاً اردو ''الف'' اور ''ع'' کے دو مختلف حروف موجود ہیں اس لیے اردو لغت کے اندراج کے لیے بڑی آسانی سے ان کے خانوں میں الفاظ داخل کر کے ان کے معنی و مفاہیم کو ظاہر کیا جاسکتا ہے لیکن رومن میں ''ع اور الف ممدودہ و مقصورہ'' کے لیے صرف "A" سے کام لیا گیا ہے۔ اس طرح انہوں نے الف اور عین سے بننے والے تمام الفاظ کو رومن A کے خانے میں درج کر دیا جس سے غیر ملکی افراد کو رومن کے ذریعے لغت سمجھنے میں آسانی فراہم ہوگئی۔ اس اندراج میں عدالت اور آدمی کو اردو ترتیب سے ایک خانے میں اکٹھے نہیں کیا جاسکتا تھا دوسرا اگر اردو حروف تہجی کے خانے بنا کر اس میں رومن اندراجات داخل کیے جاتے تو غیر ملکی افراد جو الف اور عین سے بننے والے حروف کے املا سے ناواقف تھے دھوکا کھا جاتے۔ چنانچہ رومن اردو نے گل کرسٹ کی یہ مشکل آسان کی۔ دوسرا اس اندراج سے پتہ چلتا ہے کہ بنیادی لفظ اور اس کے اشتقاق سے بننے والے باقی حروف کا پورا لفظ لکھنے کی بجائے بریکٹ میں اس کے آگے لگنے والا حصہ ہی دیا گیا ہے۔ جیسے عدالت سے عدالتی بنانے کے لیے بریکٹ میں صرف (ee-)' آہن سے دیگر بننے والے الفاظ کے آگے آہن گر کو (gur-) آہن رُبا کو (rooba-) سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں لفظ کی قواعدی حیثیت کا اشارہ ملتا ہے جیسے Ahun (ee-) کے آگے Adjective کا مخفف لکھا گیا ہے۔ ان اندراجات میں بھی اردو رسم الخط نظر نہیں آتا۔ لغت کے ان دونوں حصوں میں معنی کی غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ لہٰذا اورینٹل لنگوسٹ میں شامل ذخیرہ الفاظ کے مشمولات' اندراجات اور طریقہ کار کو ''انگریزی ہندوستانی ڈکشنری'' سے الگ کر کے دیکھا جانا چاہیے کیونکہ حصہ ڈکشنری کے اقتباسات نہیں ہیں بلکہ طریقہ کار میں فرق ہے۔

"The Anti Jargonist" میں درج ذخیرہ الفاظ کا جائزہ

''دی انٹی جارگونسٹ'' ۱۸۰۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے مشمولات کافی حد تک اورینٹل لنگوسٹ کے مشمولات فہرست سے ملتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب ''اورینٹل لنگوسٹ کی ہی توسیع ہے۔ اس میں قواعد کے ساتھ ساتھ لغات کا حصہ شامل ہے۔ انگریزی اردو اور اردو سے انگریزی ذخیرہ الفاظ کے مترادف الفاظ کو رومن رسم الخط میں تحریر کیا گیا ہے۔ لغت کا خاصا حصہ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے انگریزی اردو لغت کے لیے بچانوے صفحات مختص کیے گئے ہیں جبکہ اردو انگریزی لغت کا حصہ ایک سو تیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ انگریزی

اردو لغت کے اندراجی طریقے پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ انگریزی الفاظ کے متبادل اردو الفاظ کو رومن خط میں تحریر کیا گیا ہے۔ اندراجات کو پچھلی کتب کے برعکس مختصر انداز سے درج کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اندراجات دیکھیں؛

* "Clean, saf, pakeezu, pak, nirmul, soothra, kora, v. pure.
* cloth, kupru, parchu, bustur, v. Linen, (woolen), banat.
* Cousin, Chuchera, moomera, phoophera, khulera or khalatee-bhaee (female), chucheree- &c, buhin.
* Crow, khuwwa, kag, kaga, sabul."(30)

اس حصے میں الفاظ کو ان کی قواعدی حیثیت اور دیگر تفصیلات سے گریز کر کے سیدھا سیدھا معنی تحریر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے اس لغت کے اندراجات اورینٹل لنگوئسٹ سے قدرے مختلف اور مختصر ہیں۔ اس حصے میں البتہ یہ اہتمام ملتا ہے کہ اگر کسی لفظ کی تشریح کے لیے لمبا جملہ مقصود ہو تو اس کو اسی صفحے کے حاشیے/ پاورق میں درج کر دیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ یہ لغت ایک صفحے پر دو کالمی انداز سے تحریر کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے کا عنوان یوں ہے۔ "A Vocabulary of Hindoostanee and English" اس حصے میں اردو حروف کو رومن خط میں تحریر کیا گیا ہے۔ اردو انگریزی لغت کے اس حصے میں البتہ لفظ کے مترادف اور معنی کا اندراج کہیں کہیں طوالت اختیار کر گیا ہے۔ انگریزی حصہ مختصر لکھنے سے گل کرسٹ کی منشاء یہ ہوگی کہ انگریزی لغت کے سلسلے میں کافی کام موجود ہے جس سے قاری کی تشفی ہو سکتی ہے لیکن اردو لغت کا حصہ ناکافی تھا اس لیے اس حصے میں لفظ کے طویل اندراجات شامل کیے گئے ہیں۔ لفظ اور اس کے معنی کے اندراجات کو سمجھنے کے لیے یہ اقتباس بطور مثال پیش ہے؛

"Bud, bad, ill, ugly, wicked criminal u nlucky, bubo, (-ee) badness ill, evil, mischief, wickedness (-tur) worse, (-bo) stink, smell,

...ewd, ... vexed,... (-must)
(-nam) defamed, (-ee), blame, (purhez),
in continent, (-zuban), abusive, (-zun) Jealous,
(-zat) rascal, villain".(31)

''بد'' کا لفظ سمجھانے کے لیے صرف بُرا لکھنا کافی تھا لیکن یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ گل کرسٹ نے صرف بد کا
مطلب واضح کرنے کی بجائے اس کو بطور سابقہ استعمال کرکے تمام گروپ کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے۔ اس طریقے سے
اردو الفاظ کے اندراجات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ بد کو مشترک تصور کرکے اوپر لکھا ہے اور اس سے بننے والے باقی الفاظ کو بد کی
جگہ خالی چھوڑ کر اس کے آگے آنے والے لفظ کو درج کیا گیا جیسے بدتمیز، بدزبان، بدپرہیز میں سے سب کے ساتھ بد کا
اضافہ نہیں کیا گیا بلکہ بد کی جگہ حاشیہ لگا کر تمیز، زبان اور پرہیز درج کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ الفاظ کی قواعدی حیثیتوں کے
اندراجات کی طرف بھی توجہ نہیں دی گئی۔ غالباً اردو زبان کو قواعدی حیثیت بتانے سے زیادہ اہم اس زبان کے ذخیرہ الفاظ
سے غیر ملکیوں کو روشناس کرانا گل کرسٹ کو مقصود تھا نہ کہ اس کو اردو الفاظ یا تعریف کے باقی مباحث میں الجھا دیا جاتا۔ اس
طرح آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ K کے خانے میں ''ق'' اور ''ک'' دونوں مصمتوں سے بننے والے حروف کو داخل
کیا گیا ہے۔ مثلاً اس خانے میں قلم (Qulum) اور کلام (Kalam) دونوں کو ایک ہی جگہ درج کیا گیا ہے۔ اردو
لغت کو انگریزی حروف تہجی کی ترتیب میں لکھنا وہی طریقہ ہے جو اس سے قبل انہوں نے ''اورینٹل لنگوسٹ'' میں اختیار
کیا تھا۔ اس طرح ''س، ث، ص اور ش'' سے شروع ہونے والے حروف کو انگریزی حرف "S" کے خانے میں رکھا
گیا ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے انگریزی حروف تہجی کے خانوں میں اردو الفاظ کو ان کی اصوات کے تلفظ کے
تحت درج کیا گیا ہے نہ کہ ان کی لکھی گئی صورت کو سامنے رکھتے ہوئے۔ مثلاً اردو الفاظ (رومن میں) ثالث، سیوا،
سوا، صحیح، صبح، شبد، صابون وغیرہ کے الفاظ کو "S" کے خانے میں درج کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان کی ہکاری
آوازوں (Aspirated) اور ان سے بننے والے حروف کو ان کے متعلق مصمتوں میں "h" کے اضافے سے درج
کیا گیا ہے۔ اس طرح آخر میں "U" کے خانے میں کوئی لفظ درج نہیں بلکہ اشارہ کیا گیا ہے کہ اس کے الفاظ "A"
میں درج ہیں اور آخری لفظ "Z" کے خانے میں زیتون تحریر ہے جس کا مترادف olive تحریر کیا گیا ہے۔

The Stranger's East India Guide... میں درج ذخیرہ الفاظ کا جائزہ

یہ کتاب ۱۸۰۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ دوسری بار لندن سے ۱۸۰۸ء میں شائع ہوئی (جو راقم کے پیش نظر

ہے)۔ ہندوستان میں آنے والے اجنبی افراد کی ضروریات کے لیے یہ کتاب تیار کی گئی تھی۔ Vocabulary کے باب میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ یہ کتاب یہ انگریزی اردو (ہندوستانی) ذخیرہ الفاظ بنگال، مدارس اور بمبئی کی پریزی ڈینسیوں میں ملازمت اور دیگر نوآبادیاتی مقاصد کے لیے آنے والے افراد کے لیے ترتیب دیا گیا ہے جو ان علاقوں کے علاوہ ہندوستان کے باقی علاقوں میں بھی ان کی ضروریات کے مطابق ذخیرہ الفاظ کی نوعیت اور اندراج کا طریقہ ویسا ہی رکھا گیا ہے جو کسی بھی نوآموز کے لیے کارآمد ہو سکتا ہے۔ انگریزی الفاظ کے اردو معنی مختصر انداز سے رومن میں تحریر کیے گئے ہیں۔ جہاں ضرورت ہے وہاں حاشیہ کے نیچے الفاظ کی تفصیل موجود ہے۔ اندراج کا طریقہ کار یوں ہے؛

> "Butter, Mukhun, (boiled) ghee; Cabbage. Q kurum-kulla, kobee; Cap, topee; Carrot, gajar; chief, Sardar; cheap, sasta; city, shehr, nugur; Cloaths, poshak, libas, kupre; female, madu; Father, bap, pidur; flour, ata, myda; etc."(32)

اس اقتباس کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ذخیرہ الفاظ کی ترتیب کسی زبان دانی کے نقطہ نظر سے نہیں کی گئی بلکہ کھانے پینے، ہنسنے سے لے کر معاشرت کے ممکنہ پہلوؤں سے نبرد آزما ہونے کے لیے اجنبی غیر ملکی کے لیے چالیس صفحات پر مشتمل الگ سے یہ گوشہ مختص کیا گیا ہے۔ ان الفاظ کی مدد سے اگلے حصے میں مکالمات "Dialogues" کی مشقیں بھی دی گئی ہیں جن کی مدد سے کوئی بھی غیر ملکی کام چلاؤ قسم کی اردو زبان نہ صرف بآسانی سیکھ جاتا تھا بلکہ بولنے پر بھی قادر ہو سکتا تھا۔

Hindee Moral Preceptor میں درج لغت

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۸۰۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن لندن سے ۱۸۲۱ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب بنیادی طور پر فارسی زبان اور اس کی گریمر کے مباحث سے متعلق ہے۔ اس گریمر میں گل کرسٹ نے تین زبانی لغت کا تجربہ کیا ہے جس میں ہندی الفاظ کو فارسی اور انگریزی مترادفات سے واضح کیا گیا تھا۔ یہ اپنی

نوعیت کا واحد کام تھا جو انہوں نے اس سے قبل تحریر نہیں کیا۔ یہ کتاب دو حصوں میں تقسیم کی گئی تھی۔ حصہ اول فارسی گرامر کے موضوع پر شامل ہے جبکہ حصہ دوم میں ہندی، فارسی اور انگریزی ذخیرہ الفاظ کو شامل کیا گیا ہے۔ لغت کا حصہ شروع کرنے سے پہلے گل کرسٹ نے ۱۵ صفحات پر مشتمل اپنی موجودہ لغت کے مختلف اصولوں کو ترتیب سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ لغت کا یہ حصہ خاصہ طویل ہے۔ تقریباً دو سو بیس صفحات پر مشتمل لغت اپنے مشمولات کے حساب سے خاص اہمیت کی حامل ہے ہر صفحہ دو کالموں کی ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔

ذخیرۂ الفاظ کے اس حصے میں بھی گل کرسٹ نے رومن اردو کو ہی پیش کیا ہے۔ اردو فارسی انگریزی لغت کا یہ حصہ اندراجات کے حوالے سے کسی خاص یا مختلف انداز کا حامل نہیں ہے لیکن یہاں تک آتے آتے ہم دیکھتے ہیں کہ گل کرسٹ نے رومن رسم الخط کو مستقلاً اپنی تصانیف میں اپنا لیا تھا۔ یہاں بھی کثیر الفاظ کے کثیر معنی سے لغت کے اوپر وہی اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ایک لفظ کے کئی کئی معنی لکھ دینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ لغت نویس کسی خاص ۲، ۴ مطالب کے انتخاب کا سلیقہ نہیں رکھتا مثال کے طور پر یہ اندراج دیکھیے،

"Khoosh, pleased, delighted, excellent, delicious, cheerful, amiable, healthy, elegant, good, greatful, glad, happy, merry, pleasant, sweet, easy, neat, agree, etc.(33)

مذکورہ لفظ خوش کے مترادف کے طور پر پچاس کے قریب الفاظ دیے گئے ہیں جو قاری کے لیے الفاظ کا مطلب واضح کرنے کی بجائے ابہام کا شکار کر دیتے ہیں۔ اس طرح محض لفظوں کی اتنی تعداد کو کسی لفظ کے معنی کے طور پر دینا لغت کی خوبی نہیں بلکہ خامی بن کر سامنے آتا ہے۔ گل کرسٹ کی لغات میں یہ عدم توازن ہمیں اکثر جگہ محسوس ہوتا ہے۔

Hindoostanee Philology (1810) اور A Dictionary, English and Hindoostanee کا تقابلی جائزہ

۱۸۱۰ء میں جان گل کرسٹ نے ''ہندوستانی فلالوجی'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب اپنی کتب کی فہرست کا

صہ بائی جو بہت … ہندو …

ایڈیشن کے Reprint کے طور پر شا … بعد سات …

اردو گریمر پر ایک طویل مضمون شامل کیا گیا۔اس کے بعد …

بنائی گئی۔بنیادی طور پر یہ قواعد و لغت کا مجموعہ تھا جو خاصا معروف ہوا۔کتاب کے سرورق پر

نام کے ساتھ انگریزی ہندوستانی لغت اور قواعدی تعارف کے جلی حروف سے اس کے مشمولات کا اندازہ کیا جا سکتا

ہے۔ہندوستانی فلالوجی میں گل کرسٹ نے انگریزی الفاظ کے متبادل کے طور پر اردو ہندی اور تمام ممکنہ الفاظ کو درج

کیا ہے۔اس میں ایک پیش رفت یہ ہوئی کہ "انگریزی ہندوستانی ڈکشنری" کے برعکس اردو کے حروف کو صرف رومن

رسم الخط میں درج کیا ہے۔اردو عربی فارسی رسم الخط شامل نہیں کیا گیا حالانکہ اس کتاب سے پچیس سال قبل شائع

ہونے والی لغت میں نستعلیق اردو خط میں اردو الفاظ تحریر کیے گئے تھے۔دوسرا ان دونوں لغات کے تقابل سے اندازہ

ہوتا ہے کہ گل کرسٹ نے لغت کی ۱۷۸۶ء میں ۱۷۹۰ء والی دونوں جلدوں کے الفاظ کو ہی ہندوستانی فلالوجی میں من

وعن درج کر دیا ہے۔مزید اس میں نستعلیق رسم الخط ختم کر دیا گیا ہے تاکہ فلالوجی' اپنی پیش رو لغت کا چربہ محسوس نہ

ہوتی۔اردو رسم الخط ختم کرنے کی ایک وجہ تو اس مشابہت کو ختم کرنا ہوگی جس سے یہ کتاب لغت کی نقل محسوس ہوتی'

دوسرا یہ کہ ہندوستان قیام کے دوران مقامی اردو عربی فارسی عالموں اور کاتبوں کے ساتھ ان کو میسر تھا جن کی مدد سے

وہ نستعلیق خط میں لکھوا لیتے ہوں گے۔انگلینڈ میں کوئی ایسا کاتب نہ ملا ہوگا جو اتنے بڑے پیمانے کا کام جلد سر انجام

دے پاتا۔لیکن بات یہ ہے کہ اگر نستعلیق خط اس میں شامل کر دیا جاتا تو سوال اٹھتا ہے کہ اس کو انگریزی ہندوستانی کا

اضافہ شدہ ایڈیشن کیوں نہ کہا جاتا کیونکہ نستعلیق خط کے استعمال سے یہ کتاب لغت کا جدید ایڈیشن بن جاتی جو کوئی نئی

کتاب ثابت نہ ہوئی۔راقم نے دونوں بڑی کتب کے صفحات کے صفحات ملا کر تقابلی جائزہ لیا ہے' انگریزی ہندوستانی

لغت کے تمام الفاظ اور ان کے اندراجات، نستعلیق کے بغیر فلالوجی میں شامل کیے گئے ہیں اور نئے الفاظ کی شمولیت

کم ہے۔اس کتاب میں البتہ یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ جو متبادلات یا مترادفات لغت میں شامل ہونے سے رہ گئے وہ

شامل کیے گئے تھے۔انہوں نے فلالوجی میں انگریزی لفظ کے معنی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔نمونے کے یہ دو اندراج

ملاحظہ ہوں۔انگریزی ہندوستانی لغت کا اندراج یوں ہے'

"LABOUR' a. mihnut محنت' p. muzdooree مزدوری'
Mushuqqut مشقت' ' Kud کد' teha ٹیہا' ' A. jid جد'
Jid-o-jhid جد وجہد' diqqut دقت' dhoon دھن' Oodim ادوم'

v. toil (work) h.kam کام ‘Shooghul شغل ‘kaj کاج dhundha دھندا (exercise) a. kusrut کثرت ree,azut ریاضت wurzish ورزش (travail) h.peer پیر durd.i.zih دردزہ to be in labour, p. durd-i-zih men hone‘ دردزہ میں ہونا v. child-birth".(34)

اب اس لفظ سے متعلق مترادفات کو ہندوستانی فلالوجی میں یوں تحریر کیا گیا ہے۔

"Labour, mihunt muzdooree, koshish, su,ee, kudd, teha, jidd, jidd o jihd, diqqut, dhoon, ooddim, v. toil, (day, q.v) roz muzoree, rozgar, hireling, runj, zoohd, (pains) kudd-o-kawish, tuk-o-dou, trouble, the forty days after labour or child-birth are termed, kusrut (travail) peer, durd-i-zih to be a labour, durd-i-zih men hona v. child-birth..."(35)

اوپر کے اندراجات کے تقابل سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی فلالوجی میں گو الفاظ کے معنی میں اضافہ کیا گیا ہے لیکن ''انگریزی ہندوستانی لغت'' سے اخذ و استفادہ کی شرح کافی زیادہ ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ گل کرسٹ نے اپنی لغت کے اندراجات میں تھوڑا بہت اضافہ کر کے صرف نستعلیق خط میں لکھے گئے اردو حروف ختم کر کے محض رومن رسم الخط میں لغت کا حصہ ہندوستانی فلالوجی میں پیش کر دیا ہے۔ مزید یہ کہ لفظوں کی ترتیب دونوں کتابوں میں ایک جیسی ہے۔ گل کرسٹ کی لغت نویسی پر تحقیقی انداز سے ان مشابہتوں پر تفصیلی کام کی ضرورت ہے، جن کی طرف اس مقالے میں اشارے دیے جا رہے ہیں تاکہ گل کرسٹ کی انگریزی اردو ڈکشنری کے بکھرے ہوئے اجزاء کا الگ سے مقام و مرتبہ متعین کیا جا سکے دوسرا یہ کہ تمام کاموں میں سے جو حصے مشترک ہوں ان کو کسی ایک جامع انتخاب کی صورت میں شائع کیا جانا چاہیے۔ گل کرسٹ کی لغت نویسی کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن چند افراد ایسے بھی ہیں جنھوں نے گل کرسٹ کی لغت میں عصبیت پر مبنی رویے اور خامیاں واضح کی ہیں۔ اس سلسلے میں غلام عباس نے سہ ماہی ''اردو

نامہ'' کراچی کے جون ۱۹۶۱ء کے شمارے میں ''ڈاکٹر گل کرسٹ کی عجیب لغت نگاری'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا تھا جس میں گل کرسٹ کی لغت کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں؛

''ڈاکٹر گل کرسٹ نے اس کتاب میں کہیں ہندوستانیوں کو وحشی اور سفاک ظاہر کیا ہے۔ کہیں ان کی ابلہ فریبیوں کا پردہ چاک کیا ہے اور کہیں اردو پر مہمل اعتراض کر کے اسے تضحیک کا نشانہ بنایا ہے۔ اس ڈکشنری کے ورق الٹتے ہوئے سب سے پہلے جس لفظ پر میری نظر جمی وہ ہے مسٹریس (Mistress) تھا اس کے معنی اردو میں صاحبہ' خاتون' بھوانی' بی بی دیے گئے تھے۔ اس کے بعد لفظ بی بی کے بارے میں لکھا تھا کہ جتنا غلط استعمال اس لفظ کا ہوتا ہے شاید ہی کسی اور لفظ کا ہوتا ہو... لب لباب اس [گل کرسٹ کی] عبارت کا یہ ہے کہ ٹکے ٹکے کے آدمی جب ہمارے سامنے اپنی جورو کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے لیے بی بی کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ہماری صبر آزمائی کی انتہا یہ ہے کہ ہم اس معنویت کو برداشت کرتے ہیں... مختصر یہ کہ بادشاہ کی بیگم سے لے کر موچی کی جورو تک یہ سب کی سب بی بیوں کا درجہ رکھتی ہیں''۔(۳۶)

راقم کا مقصد غلام عباس کے اعتراض کا جواب دینا یا گل کرسٹ کی مدافعت میں بولنا نہیں ہے۔ اس سلسلے میں چند ایک باتیں یہ بیان کی جاسکتی ہیں کہ اول تو گل کرسٹ نے کہیں اپنا پلان بیان نہیں کیا تھا کہ وہ اردو زبان یا ہندوستانیوں کی لسانی و ادبی خدمت کرنے کے لیے ہندوستان آئے تھے دوسرا جو لفظ مقامی افراد کے لیے معمولی ہے اور کسی قسم کے تنوعات کو ظاہر نہیں کرتا' ضروری نہیں کہ وہ لفظ غیر ملکیوں کے لیے اس طرح معمولی ثابت ہو۔ دوسرا یہ کہ یہ اعتراض یوں بھی درست نہیں کہ ہندوستان کے مقامی افراد میں اشرافیہ اور عوام کے دو درجے موجود تھے تو جو قوم حکمرانی کے مقصد کے تحت شب و روز کوشاں تھی وہ مقامی محکوم آبادی کو کس طرح برابر کا درجہ دیتی۔ دوسرا یہ کہ اس اعتراض کو لکھنے سے پہلے گل کرسٹ کے اصل الفاظ دیکھے جانے ضروری ہیں تا کہ اس الزام کی حقیقت کا اندازہ ہو' گل کرسٹ نے لکھا ہے؛

"Mistress'a. sahibu صاحبہ' Maliku مالکہ' p.Khatoon

P. beebee بی بی 'than wich no word is more frequently misapplied. How absurd it is for us to hear, with any degree of patience, a porter or a scullion talking of his beebee &c; at the same time to humour the face ourselves, we have our saees kee bebee, our mushalchee kee bebee &c. In short they are all bebees with us from the king's wife to cobler's".(37)

ان جملوں کو غور سے دیکھیں تو عصبیت یا نفرت کی بجائے حیرت اور ابہام کا عنصر غالب ہے۔ اگر گل کرسٹ کو عصبیت زدہ ثابت کرنا ہو تو تب بھی یہ جملے معاون ہیں لیکن Absurd کا لفظ اس ابہام کو ظاہر کرتا ہے جو گل کرسٹ کو دورانِ تحقیق نظر آیا۔ انگریزوں کے ہاں عورتوں کو بلائے جانے کے لیے الگ سے القابات موجود ہیں لیکن ہندوستان میں مردوں کے برعکس عورتوں کے لیے لفظ بی بی ہی رائج تھا۔ غیر ملکی ساتھیوں کو اس ذیل میں یہ اطلاع پہنچانا ضروری تھا کہ یہاں پر بیوی سے لے کر ہر عورت کے لیے لفظ بی بی رائج ہے چاہے وہ بی بی بادشاہ کی بیوی ہو یا کسی غریب مشعلچی کی۔ یہ امر واقعی کسی غیر ملکی کے لیے حیران کر دینے والا تھا کہ درجہ بندی میں بٹا ہوا ہندوستان ہر معاملے میں انسانوں کے درمیان تفریق کا حامل ہے لیکن عورت کو ہر ہر سطح پر ایک ہی لفظ ''بی بی'' سے پکارا جاتا ہے۔ آگے بی بی کی مزید صورتوں کا بیان ہے جن میں کدبانو' خاوندنی' آتون' ملانی' معشوقہ' محبوبہ' منظورِ نظر' دلدار' چاہتی' پیاری' آشنا' آنکھ لگی' سُریت' حرم' رکھنی وغیرہ کے الفاظ لکھ کر وضاحت کی گئی ہے کہ یہ کس کس شعبے سے متعلق بیبیاں ہیں۔ لغت کے اندراجات پر ایک نظر اس پس منظر کو سمجھتے ہوئے بھی ڈالنے کی ضرورت ہے کہ لغت کے الفاظ کا بہت بڑا سرمایہ انہوں نے انٹرویو کرتے ہوئے عوامی بول چال کے نمونوں کی صورت میں جمع کر کے کتاب کا حصہ بنایا تھا۔ ان الفاظ کے اندراج سے دراصل گل کرسٹ نے ہندوستانی معاشرے میں موجود لفظ ''بی بی'' کا مفہوم اور اقسام کتاب کا حصہ بنائی ہیں۔ مزید جہاں پر گل کرسٹ لفظ ''بی بی صاحب'' کا ترجمہ انگریزی میں Lady Lord کرتے ہیں۔ واقعی اس کا مرکب لفظ کا انگریزی ترجمہ تو مضحکہ خیز ہوگا لیکن ان کی فہم یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ بی بی کے ساتھ صاحب کیسے لگ سکتا ہے یہ واقعی غلط العوام لفظ تھا' اصولاً تو بی بی صاحبہ ہی ہونا چاہیے تھا۔ اس غلطی کی طرف گل کرسٹ نے توجہ کی تو اس میں کسی سازشی تھیوری کو ڈھونڈ نا نا علمی رویہ نہیں ہے۔ اسی مضمون میں فاضل مقالہ

نگار مزید اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> ''غرض ڈاکٹر گل کرسٹ کو یہاں کی ہر چیز بری لگتی ہے یا وہ ہر بات میں برائی کا کوئی نہ کوئی پہلو ڈھونڈ لیتے ہیں...probe (سلائی) کا ذکر ہو تو کہتے ہیں کہ مستشرق کے سفاک حکمراں اسے اپنے مخالفوں کی آنکھوں میں پھروا کر اندھا کرا دیتے ہیں۔ ringworm (داد) کا ذکر ہو تو کہتے ہیں' اس کا علاج دادمردن (دیسی بوٹی) سے ہرگز نہ کیا جائے' اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ Peace (صلح) کا ذکر کرتے ہیں تو بیچ میں 'السلام علیکم'' کو لے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تنگ نظر مسلمان شبے کی حالت میں اس کے آگے ''لو کنت مسلم'' بڑھا دیتے ہیں یعنی تم پر سلامتی ہو بشرطے کہ تم مسلمان ہو۔ حقیقت میں ڈاکٹر گل کرسٹ کو نہ مسلمانوں سے دلچسپی تھی نہ ہندوؤں سے' وہ تو فقط انگریزوں کے گن گانا اور کمپنی بہادر کی چاپلوسی کرنا جانتے تھے۔ جس کا اظہار انھوں نے اس ڈکشنری میں جا بجا کیا ہے''۔ (۳۸)

گل کرسٹ کی لغت پر اعتراضات کی وجوہات تلاش کرنا ہمارے مقالے کا حصہ نہیں ہے۔ فنی سطح پر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی لغت میں کسی لفظ کے معنی میں کثیر الفاظ شامل کر دینا اور ان میں چند بہتر مترادف تلاش نہ کر پایا لغت نویسی کی خامی ہے۔ مزید خامیاں وہاں پر نظر آتی ہیں جہاں پر انہوں نے کسی ہندو مسلم ثقافتی مظہر پر اپنی ناقص رائے دینے کی کوشس کی اور وہ بیان مضحکہ خیز ثابت ہوا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے پیش نظر لغت کے سلسلے کی کوئی مشرقی روایت یا نمونہ موجود نہ تھا' مغربی روایت میں بھی فرگوسن کی ایک لغت نظر آتی ہے۔ چونکہ اس میدان میں بھی گل کرسٹ اردو لغت نویسی کے بنیاد گزار بن رہے تھے چنانچہ اس اولین لغت میں تسامحات' لغزشوں اور خامیوں کا در آنا بڑی بات نہیں ہے۔ اگر گل کرسٹ کے پیش کیے گئے کثیر اندراجات کی وجہ سے ان کی لغت کو بہت زیادہ معیاری ہونے کا درجہ نہیں دیا جاتا تو یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس لغت کے بعد اس کی بہترین صورتوں روبک' فیلن' ڈکن فاربس اور شیکسپیئر کی لغات کی صورت میں سامنے آتیں۔ گل کرسٹ کی لغت بعد میں آنے والے مستشرقین کے لیے ایک رہنما کتاب بن کر سامنے آئی۔ (۳۹) لغت نویسیوں کی اس کھیپ نے گل کرسٹ کی لغت سے نہ صرف اخذ و استفادہ کیا بلکہ اس میں موجود خامیوں سے اپنی لغات میں نہ دہرا کر معیاری انداز سے پیش کیا۔ گل کرسٹ کی لغت

کے اثرات ان کے بعد آنے والے مشرقی و مغربی لغت نویسوں پر مرتب ہوئے جن پر الگ سے تحقیقی کام ہونے کی ضرورت ہے۔

ان کی لغت میں ہم دیکھتے ہیں کہ کئی جگہ مواد کی فراہمی اور پیش کش سے نظر آتا ہے کہ اس کام میں مقامی افراد، منشیوں نے ان کی معاونت کی تھی۔ ان منشیوں کو اس کام کا معاوضہ دینے کا ذکر بھی گل کرسٹ کے خطوط میں شامل ہے جو عتیق صدیقی نے مرتب کر کے شائع کیے تھے۔ لیکن لغت کے دیباچے میں کسی جگہ ان منشیوں کے ناموں میں ان کی معاونت کا ذکر موجود نہیں ہے۔ دوسرا ان کی لغت کے سلسلے میں یہ امر بھی پیش نظر رکھا جانا ضروری ہے کہ جس وقت یہ لغت مرتب ہوئی اس وقت تک گل کرسٹ کے ہندوستان میں قیام کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ ۳، ۴ سال کے قلیل عرصے میں نہ تو کوئی غیر ملکی زبان تمام معیارات کے مطابق سیکھی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس پر کاملیت کا دعویٰ جچتا ہے۔ گل کرسٹ نے بھی کہیں نہ اپنی لغت کے معیاری ہونے کا دعویٰ کیا نہ ہی یہ زعم تھا کہ یہ لغت بڑے لسانی و ادبی مرتبے کی حامل ثابت ہوگی۔ ان کو بس ایک لگن تھی کہ اردو لسانیات کے میدان میں وقیع اور جامع کام ابھی تک تحریر و تالیف نہیں کیا گیا اس لیے اس مقصد کے تحت انہوں نے دن رات محنت کر کے ہزاروں الفاظ نہ صرف اکٹھے کیے بلکہ ان کے مترادف فارسی، سنسکرتی، اردو، عربی الفاظ کو بھی جمع کیا۔ دوسرا ہر لفظ کے بارے میں بنیادی معلومات دیں کہ اس کا تعلق فلاں زبان کی ساتھ ہے۔ یہ ایک بڑی بات ہے اگر زبان کے ناقدین آج دو سو سال بعد کے لغت کے معیارات کی کسوٹی پر گل کرسٹ کی لغات کو پرکھنا چاہیں تو ہوسکتا ہے یہ لغت زیادہ معیاری ثابت نہ ہو لیکن اپنے عہد کی یہ لغت اپنی نوعیت کی اہم ترین اور واحد لغت تھی جس نے آنے والے دور کے لغت نویسی کے معیارات کا تعین کرنے میں معاونت کی۔ گل کرسٹ کی لغت کو دو زبانی لغت نویسی کی روایت کا پہلا بڑا نقش سمجھ کر مقام دیا جانا چاہیے نہ کہ دو صدی بعد کے پسند و ناپسند یا لسانی معیارات کے تحت اس کی گوشمالی کی جائے۔ مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ گل کرسٹ نے تمام تر خامیوں کے باوجود ہزاروں کی تعداد میں الفاظ اور ان کے کثیر زبانی مترادفات کو تلاش و تحقیق کے عمل سے گزار کر اٹھارہویں صدی کی لسانی، ثقافتی اور ادبی زبان کے نمونے کے طور پر لغت کے اوراق میں محفوظ کر دیا ہے جو خاصے کی چیز ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ نعمت الحق، ڈاکٹر، اردو لسانیات (تاریخ وتنقید کی روشنی میں)، مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی، مخزونہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، (غیر مطبوعہ) ۱۹۹۵ء، ص ۴۵۲

۲۔ عبدالحق، مولوی، لغت کبیر (مقدمہ)، جلد دوم، (حصہ اول)، انجمن ترقی اردو کراچی، پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۴۶

۳۔ مسعود ہاشمی، ڈاکٹر، اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، پہلا ایڈیشن، ص ۹۱

۴۔ ایضاً۔ص ۷۲۔۷۱

۵۔ خلیل صدیقی، پروفیسر، لسانی مباحث، ص ۳۱۶

۶۔ عبدالحق، مولوی، اردو لغات اور لغت نویسی، مشمولہ: اردو لغت نویسی، ڈاکٹر رؤف پاریکھ (مرتب)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۱۔۱۳۰

۷۔ ایس۔کے۔حسینی، پروفیسر، اردو لغت نویسی اور اہل انگلستان، مشمولہ: اردو لغت نویسی، از ڈاکٹر رؤف پاریکھ، ص ۲۶۳۔۲۶۲

۸۔ مسعود ہاشمی، ڈاکٹر، ص ۲۷۔۲۶

۹۔ نذیر آزاد، اردو لغت نگاری، مستشرقین کا حصہ، مشمولہ: اردو لغت نویسی از ڈاکٹر راؤ پاریکھ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۲۵۳

۱۰۔ نعمت الحق، ڈاکٹر، ص ۴۶۴

۱۱۔ Hadley, George, Grammatical Remarks on the Practical and Current Dialect of the Jargon of Hindoostan with a vocabulary--- T. Cadell, in the Strand, London, P.3

۱۲۔ عتیق صدیقی، محمد، گل کرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی ہند، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء، ص ۶۹

۱۳۔ Gilchrist John, A Dictionary, English and Hindoostanee--- Part-1, Stuart and Cooper Press, Calcutta, 1786, P.vii

۱۴۔ Gilchrist, John, Appendix, quoted in Gilchrist and the

Language of Hindoostan, Sadiq-ur-Rehman Kidwai, Rachna, Prakashan, New Delhi,1972, P.42

۱۵۔ Gilchrist John, A Dictionary, English and Hindoostanee---Part-1, Stuart and Cooper Press, Calcutta, 1786, P.iii

۱۶۔ Gilchrist, John, A Dictionar--- (Preface) Part-1, P. 50-51

۱۷۔ Gilchrist, John, A Dictionary, English and Hindoostanee--Part-1 Stuart and Cooper Press, Calcutta, 1786, P.1

۱۸۔ Ibid.P.75

۱۹۔ ہندوستانی اور پنجابی الفاظ کی یہ فہرست لغت پر طائرانہ نظر سے اخذ کی گئی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ معنی کے اندراجات کے سلسلے میں اردو کے علاوہ دوسری زبانوں اور بولیوں سے بھی گل کرسٹ نے پورا فائدہ اٹھایا تھا

۲۰۔ Gilchrist, John, A Dictionary, English and Hindoostanee---P.1

۲۱۔ Ibid. P.418

۲۲۔ نذیر آزاد، اردو لغت نگاری، مستشرقین کا حصہ، مشمولہ: اردو لغت نویسی از ڈاکٹر راؤ پار یکھ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۵۵۔۲۵۴

۲۳۔ Gilchrist, John, A Dictionary, English and Hindoostanee---P.87

۲۴۔ انگریزی جملے اور ان کے اردو تراجم جان گل کرسٹ کی لغت کے ان صفحات سے ماخوذ ہیں۔ صفحہ نمبر ۴، ۲۷، ۴۷، ۶۷، ۸۰، ۱۲۶، ۹۱

۲۵۔ Gilchrist, John, A Dictionary, English and Hindoostanee---P.325

۲۶۔ نذیر آزاد، اردو لغت نگاری، مستشرقین کا حصہ، مشمولہ: اردو لغت نویسی از ڈاکٹر رؤف پار یکھ، ص ۲۵۵

۲۷۔ Gilchrist, John, Oriental Linguist---, Mirror Press, Calcutta, 1798, P.1-6

۲۸۔ ایضاً۔ص۹

۲۹۔ ایضاً۔ص۶۰۔۵۷

۳۰۔ Gilchrist, John, The Anti Jargonist---, Ferris & Co., Calcutta, 1800, P.198

۳۱۔ ایضاً۔ص۱۰۵

۳۲۔ Gilchrist, John, The Stranger's East India Guid to the Hindoostanee---, Hindoostanee Press, Calcutta, 1802, P.50-57

۳۳۔ Gilchrist, John, Hindee Moral Preceptor---, Part-1, Kingsbury, Parburry & Allen- 2nd edn, 1821, P.212

۳۴۔ Gilchrist, John, A Dictionary, English and Hindoostanee--- Part-II, P.489

۳۵۔ Gilchrist, John, Hindoostanee Philology,---London, 2nd edn. 1825, P.356

۳۶۔ غلام عباس، ڈاکٹر گل کرسٹ کی عجیب لغت نگاری (مضمون) مشمولہ اردو لغت نویسی، ص۳۰۲

۳۷۔ Gilchrist, John, A Dictionary, English and Hindoostanee--- P.556

۳۸۔ غلام عباس، ڈاکٹر گل کرسٹ کی عجیب لغت نگاری (مضمون) مشمولہ اردو لغت نویسی، ص۵۔۳۰۴

۳۹۔ Saidq-ur-Rehman Kidwai, Gilchrist and the Language of Hindoostan, Richna Parkashan, New Dehli, 1972, P.167

باب چہارم

جان بورتھ وِک گل کرسٹ کی قواعد نویسی کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

۱۔ جان گل کرسٹ کی قواعد نویسی کی اہمیت اور خصوصیات

۲۔ جان گل کرسٹ کی ''ہندوستانی گریمر'' کا خصوصی مطالعہ

۳۔ ہندوستانی زبان کی قواعد کا مجموعی جائزہ

۴۔ علم عروض کے مباحث اور گل کرسٹ کی اولیت

۵۔ موسیقی کے راگ اور راگنیوں کا بیان

۶۔ ہندوستان کی معاشرتی زندگی کے لوازمات کی تفصیل

۷۔ ہندوستانی گریمر میں مرزا رفیع سودا اور مسکین کے شعری حوالے

۸۔ ہندوستانی گریمر، اورینٹل لنگوسٹ، اینٹی جارگونسٹ، برٹش انڈین مانیٹر اور ہندوستانی فلالوجی میں درج قواعد کی مماثلتیں

۹۔ اجزائے کلام کی بنیاد پر اردو قواعد نویسی پر گل کرسٹ کے اثرات

الف: ''قواعد اڑدو'' از بابو کاہن سنگھ: ایک مطالعہ

ب: جان گل کرسٹ کی ہندوستانی گریمر اور مولوی عبدالحق کی قواعدِ اردو میں قواعدی مماثلتیں

۱۰۔ رسالہ گل کرسٹ کی تالیف اور کچھ تحقیقی مغالطوں کی نشان دہی

حوالہ جات وحواشی

جملوں کی ساخت سے بحث کرتی ہے' جبکہ ہجا کے باب میں زبان کے اصوات' حروف اور اعراب کے مسائل کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ یعنی زبان کے قواعد تین مضامین' ہجا' صرف اور نحو میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔(۳) ماہرین لسانیات نے قواعد کی مختلف تعریفوں سے وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ پروفیسر خلیل صدیقی قواعد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں'

> ''تحریر کلام کی ساخت' اجزا کے منصب اور تفاعل کے لحاظ سے محل وقوع اور ساخت کے اندر، ان کے باہمی تعلق اور عملی بحث کرتی ہے۔ اجزائے کلام کی ترتیب' باہمی تعلق اور عمل کے مباحث نحو کے موضوعات ہیں اور ان کی اپنی ساخت۔۔۔ محل وقوع تفاعلی حیثیت' تحریف' تبدیلی۔۔۔ صرف یا تشکیل کے [موضوعات ہیں]''۔(۴)

قواعد لسانیات کی ایک شاخ ہے جو الفاظ سے لے کر تحریر کے تمام مباحث کے متعلق اصول ونظریات کے بارے میں صحیح راستہ متعین کرتے ہوئے زبان کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ پہلے پہل قواعد کو صرف ونحو تک ہی محدود سمجھا جاتا ہے لیکن لسانیاتی سائنس میں نئی تحقیقات سے لسانیات کے ساتھ ساتھ قواعد کے مطالعے میں بھی نئے نئے اصولوں کا اضافہ ہوا ہے۔

قواعد(Gammar) کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان میں PrescriptiveGrammar (ہدایتی قواعد) Descriptive Grammar (توضیحی قواعد)' Pedagogical Grammar (تدریسی قواعد)' Theoritical Grammar (نظری قواعد) اور Reference Grammar (حوالہ جاتی قواعد)' Supra-sentenceGrammar کو اہم اقسام سمجھا جاتا ہے۔(۵) عام طور پر ہدایتی قواعد اور توضیحی قواعد کو ان کی نوعیت اور افعال کی وجہ سے ہر زبان میں خاص اہمیت حاصل ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہر زبان میں علماء عام طور پر ہدایتی(Prescriptive) قواعد کے اصولوں سے زبان کی بول چال اور ادبی اہمیت کے معیارات کو متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ قواعد دراصل ایک ہدایت نامہ ہوتا ہے کہ قواعد نویس اصولوں کی مدد سے افراد معاشرہ کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ زبان کو یوں استعمال کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے قواعد نویس کو اس بات کو مدنظر نہیں رکھتا کہ زبان کے عمومی استعمالات کیا ہیں اور ادبی زبان عوامی بول چال کو اپنا سکتی ہے یا نہیں' اسے اس

بات سے علاقہ ہوتا ہے ... اقدار کو پیش ... اس طرح ...

''بہت سی قواعد کی کتابیں جو سماجی اقدار کو پیش ... 'good' اور دوسری کو قبیح 'bad' کہہ کر مسترد کر دیتی ہیں۔ اس طرح ... ہدایتی قواعد (Prescriptive Gram.) کہلاتے ہیں''۔(۶)

دوسری صورت ''توضیحی (Descriptive)'' گریمر کی ہے۔ اس گریمر کو اصولوں کی روشنی میں زبان کے استعمال سے غرض نہیں ہوتی بلکہ توضیحی قواعد نویس زبان کے عوام و خواص کے استعمال کی ہر ممکن صورت دیکھ کر ان پر اصول متعین کرتا ہے۔ اول الذکر قواعد نویس کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ زبان کو یوں بولا جائے جبکہ موخر الذکر قواعد نویس یہ دیکھتا ہے کہ زبان کس طرح بولی جا رہی ہے۔ حوالہ جاتی (Reference) قواعد ایسی گریمر ہے جو زبان کو معیاری بنانے کے لیے جو اصول دیتی ہے، ان سے متعلق اہم حوالہ جات کو پیش کر کے، ایک تو یہ دلیل فراہم کرتی ہے فلاں شاعر یا ادیب کے ہاں معیار یوں ہے اور فلاں جگہ اس طرح، دوسرا اس سے زبان کی جامعیت سے بھرپور، وہ خاص سطح دریافت ہوتی ہے، جس سے زبان، لسانی قاعدوں اور کلیوں کی ذیل میں معتبر مقام حاصل کرتی ہے۔ اوپر کی دونوں قواعدیں اس قواعدی قسم سے معاونت لے کر اپنے اصولوں کو مستحکم کر سکتی ہیں۔ تدریسی قواعد (Pedagogida) ایسی قواعد ہے جس میں قواعد نویس کی کوشش ہوتی ہے کہ اول تو کسی بھی فرد کی مادری زبان کے اصول متعین کیے جائیں، تا کہ ایسی زبان جو بچہ کسی بھی قواعدی اصولوں سے بے خبر ہو کر سیکھتا ہے وہ بھی اصل میں کن قواعدی اصولوں کی پاسداری کرتی ہے۔ دوم یہ کہ یہ گریمر غیر ملکی افراد کو کسی بھی علاقے کی مقامی زبان سکھانے میں معاونت کے لیے مرتب کی جاتی ہے۔ چونکہ غیر ملکی افراد نے بھی زبان کی تحصیل کا عمل بچے کی طرح ابتدا سے ہی شروع کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ شاخ ان امور سے بحث کرتی ہے جو ایک غیر ملکی اور بچے کے زبان سیکھنے کے مراحل اور اصولوں اور ضابطوں پر بات کرے۔

روایتی قواعد (Traditional) لسانیات کے علم کے رائج ہونے سے قبل زبان اور اس کے جملہ امور سے متعلق آگہی فراہم کرتی تھی۔ روایتی قواعد کی اہمیت گو لسانیات کے علم نے کم کر دی ہے، لیکن اس کی اہمیت سے انکار یوں بھی ممکن نہیں ہے کہ لسانیات کا علم ابھی مشرقی زبانوں میں بھی بہت زیادہ ترویج نہیں پا سکا، چنانچہ جن علاقوں میں لسانیاتی اصولوں سے قاری کی آگاہی کم ہے وہاں روایتی قواعد سے کام چلایا جاتا ہے۔ فوق جملہ قواعد کا ذکر

خاص نظام رکھتی ہے۔ اس نظام کو دوسری کلاسیکی زبانوں سے سمجھنا اتنا سودمند نہیں ہوسکتا' جتنا اس زبان کی قواعد کو آزادانہ طور پر سمجھے جانے سے ممکن ہے۔ یہ منہاج اپنے طور پر اہم تھی لیکن ایسا کرنے سے ایک نئے قواعد نویس کو یہ مشکل پیش آنا لازمی تھا کہ اس کے لیے وہ اصول تو زبان کے نظام سے اخذ کرے گا، لیکن اس کے اطلاق کی صورتوں کو اجنبی زبان میں کیسے استعمال کرے گا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے گل کرسٹ اس قواعد منہاج کو استعمال میں لائے جس سے ان سے قبل کے قواعد نویس دور رہے تھے۔ گل کرسٹ عوامی زندگی میں گھل مل کر زبان کی بول چال کی سطح تک پہنچے۔ عوامی لب و لہجے اور تلفظ نے ان کو زبان کے عملی استعمالات سے آگاہی دی۔ ان کی کتب میں عوامی بول چال کے ساتھ ساتھ کلاسیکی ادبی زبان کے نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ اکثر جگہوں پر مرزا محمد رفیع سودا' مسکین اور دوسرے کلاسیکی اردو شعراء کے کلام کے نمونے دیتے ہیں۔ یہ نمونے اس بات کی غمازی ہیں کہ وہ صرف عوامی بول چال تک ہی محدود نہ رہے بلکہ انہوں نے کلاسیکی ورثے کو بھی سامنے رکھا۔ اس کے بعد تیسری سطح پر وہ پڑھی لکھی اشرافیہ کے ساتھ بھی جڑے رہے۔ اردو زبان کے اس مقامی زاویے کو زیادہ پختہ بنانے کے لیے انہوں نے اپنے ہم عصر اور ماقبل مستشرقین کی اس میدان میں کی گئی کاوشوں کو پیش نظر رکھا اور یوں ان تمام تجربات کے نچوڑ کو "ہندوستانی گریمر" (—A Grammar of the Hindoostanee Language) کے اوراق میں یکجا کردیا۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جانا مشکل نہیں ہے کہ اس چودہ سالہ سخت محنت نے قواعد کی اس کتاب کو قیمتی دستاویز میں تبدیل کردیا۔

Otto Jespersen کے خیال میں لاطینی زبان کے راہنما اصولوں کی روشنی میں دوسری زبان کو سمجھنے اور ان کے قواعد لکھنے کا رجحان اٹھارہویں صدی میں کم ہونا شروع ہوگیا تھا اور گھٹتے گھٹتے یہ رویہ انیسویں صدی میں بالکل ختم ہوگیا۔ عام طور پر لاطینی زبان کو ایک منطق بنا کر دوسری زبانوں کو اس منطق کے سانچوں سے گزارا جاتا تھا اور جو اصول یا کلیہ لاطینی کے نظام سے باہر ہوتا تھا اس کو نظر انداز کر کے صرف ان سانچوں میں فٹ بیٹھنے والے قواعدی اصولوں کی پیروی مدنظر رکھی جاتی تھی۔ لاطینی کے مکمل ماڈل کی روشنی میں دوسری زبانوں کو سمجھنے میں مکمل کامیابی ممکن نہ ہو پاتی تھی لیکن یہ رویہ اٹھارہویں صدی کے یورپی قواعد نویسوں میں عام تھا۔ (۷) گل کرسٹ نے لاطینی ماڈل کی پیروی نہیں کی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس لیے وہ اردو زبان کے اپنے حقیقی نظام کو دریافت کر پائے۔ جان گل کرسٹ نے بحیثیت استاد اپنے انگریز شاگردوں کو (اورینٹل سیمیزی میں) ہندوستانی زبان کی تعلیم دیتے ہوئے بھی لاطینی زبان کے اصولوں کے تحت سمجھانے کی بجائے اس زبان کے اپنے منفرد زاویے بتائے۔ البتہ یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ انہوں نے اس زبان کی مماثلتیں لاطینی زبان کے ساتھ دکھانے میں بخیلی نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے

شاگرد لاطینی زبان کے اصولوں سے واقف تھے اور اس تقابل سے ان کے لیے تفہیم آسان ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر صدیق الرحمان قدوائی لکھتے ہیں؛

"A study of Gilchrist's Grammar shows that he had endeavoured to find out and record the unique features of Hindustani. Sometimes, he did refer to the Latin, not as a model for Hindustani, but in order to compare both the systems, because the minds of most of his pupils had already been burdened with Latin, and a comparative study might promote theirunderstanding of the Hindustani Grammar".(8)

جان گل کرسٹ نے یہ تصور پیش کیا کہ اردو زبان کو آزادانہ انداز سے سمجھا جائے تو اس کی قواعد بہتر انداز میں مرتب کی جا سکے گی۔ اس زبان کے متوازی کوئی دوسری زبان ہندوستان میں موجود نہیں ہے جس کے تقابلی مطالعے سے اس زبان کو سمجھا جا سکے۔ یہ بات اس زبان کی اہمیت کو دو چند کر دیتی ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اٹھارہویں صدی کے منظر نامے میں ماقبل کی شعری روایت سے ہٹ کر اس زبان میں نثر پاروں کو اس لیے بھی مناسب جگہ نہ دی گئی تھی کہ یہ زبان سرکاری زبان فارسی کے مقابلے انتہائی کمتر درجے کی حامل تھی۔ لیکن گل کرسٹ نے اس کے اندرونی نظام کو سمجھ کر اس اہمیت کی طرف توجہ دلائی جوان کا اہم لسانی کام ہے۔ جان گل کرسٹ بلاشبہ وہ پہلے قواعد نویس ہیں جنھوں نے ایک منظم انداز سے ایک طرز فکر اور عملی کاوشوں کے تحت اس زبان کے مطالعے کو پیش کیا۔

۲۔ جان گل کرسٹ کی ''ہندوستانی گریمر'' کا خصوصی مطالعہ

جان گل کرسٹ کے ہندوستانی لسانیات (Hindoostanee Philology) کے منصوبے کا آغاز ۱۷۸۶ء

میں ہوگیا تھا۔ ۱۷۸۶ء اور ۱۷۹۰ء میں ہندوستانی لغت کے دو حصوں کی اشاعت سے ہندوستانی فلالوجی کا ایک حصہ مکمل ہوا تو گل کرسٹ نے اس کے دوسرے حصے، گریمر پر کام شروع کر دیا۔ ۱۷۹۶ء میں اس کی تیسری کتاب "A Grammar of Hindoostanee Language" شائع ہوئی۔ قواعد کے میدان کی یہ کاوش ہندوستانیات کے علومیے میں ایک بڑا اضافہ ثابت ہوا۔ اس منصوبے کی چوتھی کتاب "Appendix" ۱۷۹۸ء میں شائل ہوئی تو چار کتب کی تالیف پر مشتمل یہ منصوبہ مکمل ہوگیا تھا۔

گل کرسٹ سے قبل اردو قواعد پر لکھی گئی کتب موجود تھیں۔ کیٹلر اور شلز کی قواعدوں سے قطع نظر، ہیڈلے کی قواعد ہندوستان اور انگلینڈ میں اپنی اہمیت منوا چکی تھی لیکن گل کرسٹ کی یہ قواعد ان سب سے الگ اور منفرد ثابت ہوئی۔ اس سے پہلے کیٹلر، شلز، ہیڈلے اور ولیم جانز سمیت جتنے قواعد نویس گزرے تھے انہوں نے ہندوستانی (اور فارسی) زبان کی قواعد کو قدیم و مروج لاطینی اور یونانی قواعدی اصولوں کے مطابق لکھا تھا۔ ان افراد نے اصل میں اردو زبان کو ہندوستانی تناظر میں سمجھنے کی باقاعدہ کوشش نہیں کی تھی۔ گل کرسٹ نے ان قواعد کا مطالعہ کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس سے قبل لکھی گئی کتب اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں بہت زیادہ معاونت اس لیے نہیں کر پا رہی کہ ان کی منہاج قدیم یورپی زبانوں کی بنیاد پر رکھی گئی تھی۔ گل کرسٹ نے اس حقیقت کو بھانپ لیا اور یہ نقطہ نظر بنایا کہ ہر زبان کے قواعد کا اپنا نظام ہوتا ہے جو عوام، دیس، معاشرت اور مقامی افراد کی بول چال اور محاورے سے تشکیل پاتا ہے۔ چنانچہ اس نے اردو زبان کی قواعد کے لیے نیا نظام وضع کیا، جس کے بعد اس زبان سے لیا جانے والا مقصد زیادہ کامیابی سے انجام پانے کا امکان ہوا۔ ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی لکھتے ہیں،

> "Gilchrist belonged to the group of scholars who heralded the new era in the history of Language studies. He tried to break with the medieval tradition of applying to every language the Rules of Latin. Gilchrist being one of the discoverers of modern languages, was aware of the fact that each language had its won system, peculiar to itself and distinct from every other language. Therefore, it

...dependent of any 'standard' ...plained
derived from some classical languages".(9)

یورپ کے قواعد نویسوں کے مطابق لاطینی زبان کی اہمیت انگریزی سے زیادہ تھی۔ اسی وجہ سے انگریزی قواعدی کتب کو لاطینی قواعدی ماڈل کی بنیادوں پر استوار کر کے قواعد میں لکھی جاتی تھیں۔ یہ لوگ جب ہندوستان آئے اور یہاں کی زبان کی قواعد مرتب کرنا شروع کی تو انہوں نے کلاسیکی یورپی زبان کی بنیاد پر قواعدی ماڈل مرتب کرنا شروع کیے۔ دیکھا جائے تو کیٹلر اور شلز کی قواعدی کتب جرمن' لاطینی میں لکھی گئی تھیں اور بعد میں انگریزی میں ترجمہ ہوئیں۔ ہیڈلے کی قواعد بھی روایت سے باہر نہ آ سکی تھی۔ گل کرسٹ نے پہلی مرتبہ ان سے الگ راستہ دریافت کیا۔ گل کرسٹ کو اس روایت سے اختلاف تھا۔ اس نے اپنی قواعد کو الگ ماڈل دے کر دراصل کلاسیکی روایت سے انحراف کیا ہے جو اس کی انفرادیت کے طور پر تاریخ میں محفوظ ہو گیا ہے۔ صدیق الرحمان قدوائی کے بقول'

"This spell of classical tradition, started breaking in the end of the eighteenth century and finally came to an end in the ninteenth century. Gilchrist was enthusiastic advocate of modern languages. He criticised, sometimes even ridiculed, those who in Europe ignored English for the sake of Latin, and in India patronised Persian at the expense of Hindustani".(10)

گل کرسٹ کا اردو زبان کی طرف متوجہ ہونے کا سیاسی زاویہ اس پیراگراف سے بھی بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ جان گل کرسٹ ایک زیرک شخص تھا۔ اردو زبان پر کام کرتے ہوئے وہ اس زبان کے لسانی و معاشرتی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ سیاسی تناظر کو بھی مدنظر رکھ کر کام کر رہا تھا۔ جس سال کمپنی نے حکمرانی کے نقطہ نظر سے قانون پاس کیا' عین اسی سال گل کرسٹ نے اردو لغت کا پہلا حصہ شائع کر کے اپنی اور اپنے لسانی منصوبے کی اہمیت کو منوا لیا تھا۔ کمپنی اس

دور میں فارسی زبان کی اہمیت کی طرف زیادہ مائل تھی کیونکہ بہر حال اس وقت سرکاری زبان فارسی تھی اور فارسی نے ہی ابھی کافی سالوں تک ہندوستان کا مقدر رہنا تھا۔ گل کرسٹ کی اس ضمن میں اہمیت یہ بنتی ہے کہ جس دور میں ولیم جانز نے کمپنی کو فارسی زبان کی اہمیت وضرورت سے آگاہ کیا تھا اس دور میں گل کرسٹ کمپنی کو اردو زبان کی اہمیت باور کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ گل کرسٹ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اگر کمپنی ملازمین پہلے مقامی اردو سیکھ لیں تو اس کی مدد سے فارسی زیادہ آسانی سے اور جلدی سیکھ سکیں گے۔ انہوں نے یہ تجویز دی تھی کہ اگر دیسی زبان کمپنی کے ملازمین کو پہلے سکھائی جائے تو یہ فارسی سیکھنے میں زیادہ معاون ثابت ہو گی۔ چنانچہ ولزلی نے سول ملازمین کے لیے منشیوں سے فارسی سیکھنے سے پہلے گل کرسٹ سے دیسی زبان سیکھنا لازمی کر دیا تھا۔ اور اس مقصد کے لیے اورینٹل سیمینری بنایا گیا۔

گل کرسٹ نے قواعد و لغت نویسی کے لیے انوکھا طریقہ اختیار کیا۔ اردو زبان سیکھنے کے لیے اُتر پردیش کے مسلم علاقوں میں اس نے مسلمانوں جیسا حلیہ بنایا اور عوام میں گھل مل کر اس زبان کے الفاظ اور تلفظ کا مشاہدہ کیا۔ دوسرا اس نے مقامی ادیبوں کی جن کو وہ منشی لکھتا ہے اس مقصد کے لیے خدمات حاصل کیں اور ان سے اپنی قواعد اور لغت کا مواد اکٹھا کیا۔ لیکن ان منشیوں کی خدمات سے تشنگی مکمل ختم نہ ہوئی تو اس نے مسلم علاقوں میں مسلم حلیے کے ساتھ آمد و رفت کا طریقہ اپنایا۔ اس طرح وہ کم پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، بچوں اور عورتوں کی بول چال سے مواد اکٹھا کرتا رہا۔ ڈاکٹر نجیبہ عارف اپنے مضمون میں لکھتی ہیں؛

> ''گل کرسٹ کی مرتبہ یہ کتاب اردو کی پہلی مفصل کتاب ہے۔ اگر چہ اس کتاب کی تالیف کے دوران انھوں نے بول چال کی زبان کی بجائے کتابی اور ادبی زبان پر انحصار کیا ہے اور مرثیہ گو میاں مسکین اور مرزا سودا کی زبان کی تفہیم وتشریح کے لیے استعمال کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کے کلام میں ضرورتِ شعری کے تحت ایسے تصرفات کیے گئے ہیں جو فصاحت کے مروجہ معیار پر پورے نہ اترتے تھے تاہم اس قواعد کی تاریخی اہمیت اپنی جگہ پر مسلم ہے کیونکہ اس پر ہمیں اس دور کی معیاری اور مستند زبان کا صرفی ونحوی تجزیہ مل جاتا ہے''۔(۱۱)

گل کرسٹ نے ہندوستانی زبان جاننے والے مقامی منشیوں کے علاوہ اردو کے کلاسیکی ادب کا بطور خاص مطالعہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کلاسیکی استاد شعراء کے مطالعے نے ہی اس کی قواعد و لغت کو ادبی چاشنی بھی عطا کی اور زبان کا وہ زاویہ اس کی کتب میں آیا جس نے اس کو محض ایک قواعد نویس نہیں رہنے دیا بلکہ ایک اردو زبان کا ایک

سکالر بنادیا۔ جان گل کرسٹ نے کلاسیکی شاعری کو ذہن میں اتارا۔ وہ مرزا رفیع سودا کے شوقین تھے اور خود کو معنوی طور پر سودا کا شاگرد خیال کرتے تھے۔

۳۔ ''ہندوستانی زبان کی قواعد'' کا مجموعی جائزہ

جان گل کرسٹ نے ہندوستانی فلالوجی کے منصوبے کے تحت لغت کے دو والیم شائع کرنے کے بعد اس منصوبے کا تیسرا حصہ ''ہندوستانی گریمر'' کی اشاعت کو قرار دیا۔ کتاب کے سرورق پر گریمر کی اشاعت کو ہندوستانی فلالوجی کے سلسلے کا تیسرا حصہ لکھا گیا ہے۔ البتہ گریمر کے سلسلے میں یہ پہلا والیم ہے۔ کتاب کا عنوان یوں دیا گیا ہے۔ A Grammar of the Hindoostanee Language or Part third of Volume first of a system of Hindoostanee Philology. یہ کتاب ۱۷۹۶ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ کتاب کے سرورق کے مطالعے سے گل کرسٹ کی سودا کی شاعری سے رغبت، اپنائیت اور اس کی ادبی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سودا کے حوالے سے ان دو اشعار میں خراج عقیدت ملتا ہے جو پہلے صفحے پر (سر ورق پر) درج ہیں۔ شعر یوں ہیں۔

''اب سامني ميري جو كوئي پير و جوان هي
دعوي نه كري يهه كه ميري مونهه مين زبان هي
مين حضرت سودا كو سنا بولتي يارو
الله هی الله كه كيا نظم و بيان ہے

سودا کے ان اشعار کے ساتھ گل کرسٹ نے ان کو رومن اردو میں بھی ساتھ ہی پیش کیا ہے تاکہ جو اردو رسم الخط نہ پڑھ سکے اس کو رومن رسم الخط سے اشعار پڑھنا آسان ہو۔ مرزا رفیع سودا سے الفت اور شوق کا تعلق انہیں ساری زندگی عزیز رہا۔ سودا کی شاعری سے انہوں نے اردو زبان سیکھی ادب کے معیار و مزاج کا ادراک حاصل کیا۔ ان کی گریمر میں تمیں سے زائد اردو کلاسیکی شعراء کے اشعار کے نمونے ملتے ہیں لیکن رفیع سودا کے اشعار کی تعداد زیادہ ہے۔ سودا کے اشعار کو گریمر کی تفہیم کے لیے بطور مثال پیش کیا۔ نیز حکمرانی کے مقاصد کے تحت جو نظریہ انہوں نے دیا اس کا براہ راست تعلق سودا کی زبان و اسلوب سے متعلق تھا۔ رفیع سودا کی شاعری کی بکثرت مثالیں ان کی سودا سے محبت کا مظہر ہیں۔

هر جا ...

چو شند و قلم اصلاح بران جاري دارند

اس شعر کا انگریزی ترجمہ بھی ساتھ ہے جو یہ مفہوم دیتا ہے کہ اس کتاب میں آپ کو جہاں کہیں غلطیاں یا اصلاح طلب چیز نظر آئے تو مہربانی کر کے قلم لیں اور اس کو ٹھیک کر دیں۔ اس مفہوم کے آگے ڈاکٹر ''بالفور ہر کرن'' کا نام لکھا ہوا ہے۔ کتاب کے اگلے صفحے پر ان غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو کتابت اور طباعت کے مرحلے میں کتاب کا حصہ ہیں۔ اس کا عنوان ہے Errata یہ حصہ اس زمانے کی کتب کی اشاعت کا حصہ تھا کہ غلطیوں کی اصلاح اور صفحہ نمبر پہلے ہی درج کر دیا جائے تا کہ قاری وہاں پہنچ کر کسی غلطی کا شکار نہ ہو۔ غلطیاں ان کی املا اور صفحات نمبر کے ساتھ لائن کا حوالہ بھی موجود ہے۔ یہ حصہ دو صفحات پر مشتمل ہے۔ قواعد کی اس کتاب میں کل ۳۳۶ صفحات ہیں۔ اس کتاب کا دیباچہ یا پیش لفظ موجود نہیں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فلالوجی کے سلسلے کا ایک والیم ہے۔ الگ سے اشاعتی منصوبہ نہیں ہے۔ مزید فہرست مشمولات سے قبل یہ تشریح دی گئی ہے کہ Preface اور ضمیمہ جات نیز خریدکنندگان کے ناموں کی فہرست ہندوستانی لغت کے پہلے اور دوسری جلد میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس کتاب کو دس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب آگے مزید سیکشن میں منقسم ہے۔ باب نمبر ایک کا عنوان Elements ہے، دوسرا باب Noun سے متعلق ہے جس کو فہرست میں ظاہر نہیں کیا گیا البتہ اس کے آگے تین مزید سیکشن بنائے گئے ہیں جو Gender, the Article اور Declension (گردان) کے مباحث سے متعلق ہیں۔ تیسرا باب دو سیکشن میں ہے۔ باب نمبر چار میں Adjectives اور دوسرا حصہ Numerals کے عنوانات کے تحت ہے۔ باب نمبر پانچ کے چار حصے بنائے گئے ہیں۔ پہلا حصہ Verbs، دوسرا حصہ Moods and Tenses and their Conjugation، تیسرے حصے میں Auxiliaries اور چوتھے حصے میں The General Formation of Verb کا عنوان شامل ہے۔ باب نمبر چھ تین حصوں Adverb، Conjunction اور Postpostion and Intergections، باب نمبر سات ایک حصے پر مشتمل ہے جس کا عنوان The Derivation and compostion of words ہے۔ باب نمبر آٹھ حرف کے مباحث کے متعلق ہے۔ اس کا عنوان Syntax ہے۔ زبان نمبر نو علم ہجا اور تلفظ کے موضوعات پر ہے۔ اس کے دو حصے ہیں جن کو بالترتیب Orthometry اور Orthoepy کے تحت دیکھا جا سکتا ہے۔ باب نمبر 10 مختلف موضوعات اور اجزا پر مشتمل ہے۔ ان میں وقت اور اس کی تقسیم، گھنٹے ہفتے کے

دنوں کے نام و تفصیل' موسم' کیلنڈر کے مباحث و معلومات' وزن' ناپ تول' کرنسی اور اردو زبان لکھنے کی مشق جیسے موضوعات پر گل کرسٹ کی آراء اور معلومات ملتی ہیں۔ ان موضوعات کے مطالعے سے ہی اس قواعدی کتب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں ضرورت زندگی' ادب اور ثقافت کے مطالعے کے لیے ہندوستان کے ہر مظہر پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ اس کتاب سے نئے سیکھنے والے غیر ملکی کے لیے بہترین رہنما اصول دیے گئے ہیں۔ مشمولات میں زیادہ سے زیادہ معلومات سے قاری کی تشنگی کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فہرست مشمولات کے آخر میں کتاب کے جلد ساز کی رہنمائی کے لیے ہدایات بھی دی گئی ہیں تاکہ اس کو کتاب کی شیرازہ بندی میں آسانی رہے۔

جان گل کرسٹ کی قواعد نویسی کی منہاج

زبان کے قواعد کو تین بڑے اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں قواعد کے جملہ امور کو سمیٹا جا سکتا ہے۔ ان میں پہلا حصہ علم ہجا کا ہوتا ہے جس میں اصوات و حروف و اعراب کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ اسے علم ہجا کہتے ہیں۔ دوسرا حصہ صرف کا ہوتا ہے جس میں اشتقاق کی بحثیں ہوتی ہیں جبکہ تیسرا حصہ نحو سے بحث کرتا ہے جس میں الفاظ اور جملوں کا باہمی تعلق زیر بحث لایا جاتا ہے۔ گل کرسٹ کی گریمر اسی کا نمونہ ہے۔

''ہندوستانی زبان کی گریمر'' کے پہلے باب میں اردو زبان اور املا کے بنیادی مباحث کے اوپر جان گل کرسٹ کی دلچسپ اور معلومات افزا تحقیق موجود ہے۔ گریمر دراصل کسی بھی زبان کی بازیافت کا نام ہے جو اصولوں اور ضابطوں سے بولی جانے والی زبان کو مستند بناتی ہے۔ زبان کے سلسلے میں تلفظ' الفاظ' تراکیب' صرف و نحو بڑے اہم ہوتے ہیں جان گل کرسٹ نے گریمر کو صرف و نحو کی تقسیم میں نہیں بانٹا۔ اجزائے کلام اور دیگر قواعدی اجزاء کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ گل کرسٹ نے ان پر روشنی ڈالنے سے پہلے اردو زبان کے املائی نظام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اردو حروف تہجی میں تین بڑی زبانوں کے حروف شامل ہیں۔ جن میں ہندی' فارسی اور عربی شامل ہیں۔ گل کرسٹ نے تینوں زبانوں کے حروف کو علیحدہ علیحدہ نشان دہی کر کے ان کے اردو میں استعمالات' تلفظ کے مسائل' عام بول چال کے مسائل اور عوام و خواص کی بول چال کی مثالوں سے واضح کیا ہے۔ علم ہجا سے اپنی کتاب گریمر کا آغاز کرنا گل کرسٹ کی قواعد نویسی کی منہاج کو واضح کرتا ہے یہ طریقہ اس دور میں نیا تھا جو جان گل کرسٹ نے اپنایا۔ گل کرسٹ لکھتے ہیں'

"...I have regularly contrasted my othograhical synopsis below, its Arabic, Persian and Hinduwee correlatives; that every scholar may have it in his power to collate the English letters with their several homogeneous prototypes and assited by and expert moonshee, correct my system, wherever it is found to be anomalous, defective, erroneous or redundant".(12)

اقتباس کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جان گل کرسٹ نے کوشش کی ہے کہ اس زبان کے حروف تہجی میں شامل عربی فارسی اور ہندوی آوازوں کو اس طریقے سے علیحدہ کر کے واضح کیا جاسکے' کوئی بھی انگریزی جاننے والا صاحب اس کو اپنی انگریزی زبان کے ہم جنس الفاظ یا مترادف نمونوں کے ساتھ ملا کر پڑھ سکے۔ اس طرح اس زبان کے سیکھنے میں زیادہ آسانی حاصل ہوگی۔ نیز یہ کہ اس کتاب کے مندرجات میں جہاں کہیں ابہام یا جھول نظر آجائے تو اسے زبان کے کسی ماہر منشی سے سمجھا بھی جاسکتا ہے۔ ان الفاظ سے گل کرسٹ کی شخصیت کی یہ خوبی بھی سامنے آتی ہے کہ اس نے طویل عرصے کی ریاضت اور مشق سے یہ کتاب مرتب کی تھی لیکن اس کے باوجود اس میں کسی کاملیت کا دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ رہنمائی کے لیے اوپر کے جملے لکھے گئے ہیں کہ ان کو سمجھنے کے لیے مقامی رفیق کی خدمات لی جاسکتی ہیں۔

لفظ کی بناوٹ کی طرف جان گل کرسٹ نے سب سے پہلے توجہ دی ہے اور اس سلسلے میں اپنا طریقہ کار واضح کردیا ہے کہ وہ لفظوں کی بناوٹ' تشکیل اور املاء کے لیے Orthography کی بجائے Orthoepy کے اصول اپنا رہے ہیں۔ Orthoepy دراصل زبان کی تحریری علامتوں کا علم ہے۔ عام طور پر مقامی زبان بولنے والوں کے ذہن میں چونکہ تحریری سے تکلمی آوازوں سے زیادہ شناسائی اور قربت ہوتی ہے اس لیے تحریری شکل میں موجود لفظ کو بھی تکلمی وصوتی انداز سے پڑھنے پر قادر ہوتے ہیں لیکن غیر ملکی کے لیے آرتھوگرافی کے تحت پڑھانے میں غلطی کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ Orthoepy لسانیات کی ایک شاخ Phonology کے مترادف علم ہے۔ اس علم میں الفاظ یا زبان کی تحریری شکل سے قطع نظر تکلمی آوازوں سے بحث کی جاتی ہے۔ یعنی کوئی لفظ کیسے بولا

جاتا ہے' بولے گئے لفظ کو سن کر ہو بہو ویسا تحریر کر دینا Orthoepy کے علم کی ذیل میں آتا ہے۔ گل کرسٹ کا خیال تھا کہ گو دونوں علم زبان/ الفاظ کے تلفظ سے متعلق ہیں لیکن نو وارد انگریزوں کے لیے Orthoepy کے تحت الفاظ کا استعمال زیادہ سود مند ہوگا۔ گل کرسٹ اس ضمن میں لکھتے ہیں'

> "Though the method of rendering 'Asiatic words' here has been studiously founded more on the Orthoepy, than Orthography, of their respective character and language,...Asufool doulu آصف الدولہ (the present Conformably to the first kih that, کہ Purduha a curtain, پردہ unbur amber, عنبر Nauwwab) Suloot_will صلوتtuqwee piety, تقوی Mosee Moses, موسی ever be found, in the present work, thus Asuf ood Doulu, purdu, ki, Moosa, taqwa, Sulat; the natives invarlably pronouncing them in this way".(13)

جان گل کرسٹ سے قبل کے مستشرقین عام طور پر Orthography کے علم کے اصولوں کے مطابق رومن خط میں الفاظ لکھتے تھے جس میں غلطی کا واضح امکان موجود رہتا تھا' گل کرسٹ نے مثالوں سے سمجھاتے ہوئے اپنے علم تلفظ کی منہاج کی نشان دہی کی ہے۔ بات سیدھی ہے کہ انگریزی لفظ Colonel کو مقامی افراد' کرنل' کے لفظ سے پکاریں گے۔ اب اگر ہندوستانی لفظ سمجھنا ہو تو Kurnil لکھ کر ہی ان کو سمجھایا جا سکتا ہے۔ اس ذیل میں گل کرسٹ نے مقامی افراد کے لفظوں کی ادائیگی کے نظام کو غلط نہیں کہا بلکہ مثبت انداز سے ان کی ترمیم واختلاف کو اہم سمجھتے ہوئے رومن حروف میں دوسرے نظام املا و تلفظ کو بنیاد بنایا ہے جو ان کی انفرادیت ہے۔

Orthoepy کے نظام کے تحت گل کرسٹ نے رومن رسم الخط میں بھی تبدیلیاں کی تھیں۔ مثلاً آرایش لکھنے میں ی کی موجودگی بتاتا ہے لیکن بولنے میں 'ی' ساکن ہو کر ہمزاء کی آواز آواز میں بدل جاتا ہے۔ ایسے تمام الفاظ کے لیے گل سٹ نے یہ اصول بنایا تھا کہ بجائے ان الفاظ کو دیکھ کر رومن میں لکھا جائے۔ بہتر ہے کہ مقامی افراد سے اس کا صحیح تلفظ سن کر اسے رومن خط میں منتقل کیا جائے۔ (ایسے الفاظ میں خوش' خود' آزمائش کو بھی اس نے

شامل کیا ہے)۔

گریمر کے شروع میں گل کرسٹ یہ بات واضح کر رہے ہیں کہ یہ کسی مقامی فرد کی تدریس وتعلیم کے لیے نہیں بلکہ اس کے غیر ملکی انگریز ساتھیوں کے لیے سودمند ہوگا۔نو وارد انگریزوں کے لیے تلفظ کے مسائل کا حل پیش کرنا۔گل کرسٹ نے ضروری خیال کیا تھا کیونکہ ان کو اردو زبان کے بہت سے الفاظ ایسے نظر آئے تھے جو صرف چھوٹے سے واول کے خیال نہ کرنے کی وجہ سے مختلف معنی دیتے تھے۔اس کتاب کی تالیف کا ایک مقصد تلفظ کے تمام ممکنہ استعمالات کے مطابق زبان کا ایک ایسا روپ پیش کرنا تھا جس کو اپنا کر انگریز ان مسائل سے بچ سکتے تھے۔گل کرسٹ لکھتے ہیں؛

> The present work being expressly designed for the improvement and the advantages of British subjects only, a general and continental pronunciation has been little attended to; such foreigners, as may honour othtographical table and notes with a careful perusal, will percieve that they are by no means neglected...(14)

گل کرسٹ نے انگریزی اور اردو زبان کے مترادفات کی نشان دہی کرتے ہوئے رومن رسم الخط میں رہنما اصول بھی دیے ہیں۔بعض جگہ وہ دیکھتے ہیں کہ انگریزی زبان میں اردو آوازوں کے مترادف آوازیں موجود نہیں ہیں۔جن کی وجہ سے ان کے حروف کے استعمال میں شامل مسائل درپیش ہوسکتے ہیں۔یہاں وہ مختلف الفاظ سے ان کی صوت واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس مقصد کے لیے انہوں نے جرمن اور فرانسیسی حروف کی آوازوں اور الفاظ سے بھی مدد لے کر تلفظ کو واضح کیا ہے اردو زبان میں ہندوی کے تحت Ascpirated Sounds یعنی ہائیہ (ہکاری) آوازوں کا ایک پورا نظام موجود ہے۔جو مقامی افراد کے لیے ادا کرنا آسان ہے۔انگریزی زبان میں ہائیہ آوازوں کی نمائندگی کے لیے مرکب حروف سے کام لیا جاتا ہے۔ان آوازوں کے رومن رسم الخط کی

ملاتوں سے نشان ...
حروف کو ظاہر کرنے کے لیے d,r,t کے اردو ...
اور کھ کے لیے Kh کو غیر واضح خیال کرتے ہوئے g,h اور k,h کی علا...
کے پیش نظر عربی حروف خ اور غ کا رومن حرف ہوگا جس کو یہاں استعمال کیا گیا ہے۔ آگے چل کر ...
کون کون سے حروف ایسے ہیں جو عربی اور فارسی میں موجود نہیں ہیں۔ اور ہندوی زبان کے حروف ایسے جو عربی اور
فارسی دونوں زبانوں سے مختلف ہیں۔

جان گل کرسٹ نے ''گریمر'' کا آغاز 'علم ہجا' کے مباحث سے کیا ہے۔ پہلے باب کا عنوان
'Elements' ہے۔ اس باب میں اردو زبان کے حروف تہجی سے متعلق تمام تر معلومات کو سہل انداز سے مختلف
انگریزی اردو مثالوں کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ اس باب کی باریک بینیاں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی گریمر کی
تالیف کے پیچھے جان گل کرسٹ کی چودہ سال کی ریاضت اور ذہنی ورزش کارفرما ہے۔ 'الف' کی ذیل میں انگریزی
حرف 'a' کے مختلف استعمالات سے واول 'ا' کی مثالیں دی گئی ہیں۔ اردو زبان کے مصوتوں (واولز) ا، '' (پیش)
ی اور مختصر مصوتوں زبر زیر، پیش کو سمجھانے کے لیے انگریزی الفاظ بطور مثال دیے گئے ہیں جن سے واولز کو سمجھنا سود
مند ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر A کا بیان ملاحظہ ہو۔

> the بال is pronounced in ball, gall, hall & thus
> bal] آ ["A Hair and generally represents the
> Persian and Naguree_a dish, being رکابی is
> convertible with e, rikabee occassionally"(15)

ایک مصوتے کی آواز بعض اوقات دوسرے مصوتے سے بدل جاتی ہے جس کی مثال لفظ رکابی سے گل
کرسٹ نے پیش کی ہے۔ اس باب میں سب سے پہلے گل کرسٹ اردو زبان کے (مصوتے) اور مصمتوں
(Consonant) کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اعراب کے نظام پر گل کرسٹ کی خاص نظر ہے۔ اعراب مقامی
افراد کے لیے ضروری نہ بھی سمجھے جائیں لیکن بچوں کو اور غیر ملکیوں کو زبان سکھانے کے لیے لازمی چیز ہیں۔ اسی طرح
اعراب کے نظام کو سمجھ کر اپنے انداز سے پیش کرنے میں گل کرسٹ مدرسانہ کاوش سامنے آتی ہے۔

آج کی اردو حروف تہجی میں چھے مصوتے (Vowels) مستعمل ہیں بعض صورتوں میں یہ تعداد نو تک جا پہنچتی ہے۔ ان میں تین واولز 'ا، ی' 'و' (پیش) کی ہیں جن کو طویل مصوتے' (Long vowels) کا نام دیا جاتا ہے۔ مختصر مصوتوں (Short vowels) میں زبر، زیر، پیش شامل ہیں۔ اس دور میں بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ ان مصوتوں کی تعداد میں کمی ہو لیکن یہاں پر جان گل کرسٹ تسامح کا شکار ہوئے اور عربی/ فارسی رسم الخط میں تین مصوتوں کی نشاندہی ہی کر پائے۔ جبکہ ناگری خط میں انہوں نے مصوتوں کی تعداد بارہ (۱۲) بتائی ہے۔ اول الذکر رسم الخط میں تین واولز کے ساتھ اعراب کا نظام بتیس علامتوں پر مشتمل ہے جبکہ مؤخر الذکر کے اعراب کا علامتی نظام چھتیس سے کم نہیں ہے۔

اردو حروف تہجی کے بیان میں یہ بات اہم ہے کہ اس میں ایک ہی آواز کے لیے مختلف حروف علت ملتے ہیں۔ ان میں ''س'' کی صوت ''ث، ص، ث'' سے بھی لی جاتی ہے۔ اسی طرح ز کی صوت ذ (ذال) اور ظ (ظوئے) کے حروف سے بھی لی جاتی ہے۔ اسی طرح اردو حروف تہجی کے صوتیاتی مسائل ہندوستانی' باشندوں کے ادائے صوت کے عمل سے مزاحم تھے۔ مسلمان خ، غ اور گ وغیرہ کی آوازوں میں تمیز کر سکتے تھے لیکن ہندو اور دوسری اقوام ان میں تمیز نہ کر پاتے چنانچہ ابجدی اصوات کے ان مسائل کے باوجود ہندوستانی باشندے ان کا مفہوم ادا کر لینے اور سمجھ پانے پر قادر تھے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہندوی زبان میں عربی، فارسی اور کچھ حد تک ترکی زبانوں کے ذخیرہ الفاظ نے ان کے املاء اور تلفظ کو برقرار رکھنے کے لیے ان حروف کو حروف تہجی میں شامل کیا جانا ضروری تھا جو وقتاً فوقتاً حصہ بنتے چلے گئے۔ انگریزی زبان میں ''س، ژ، ث، ص'' کی آواز کے لیے صرف ایک حرف 'S' اور موخر الذکر اصوات کے لیے 'Z' کی علامت موجود ہے اس لیے ہندوؤں اور دوسری غیر مسلم آبادیوں جیسے مسائل انگریز کے نہیں تھے لیکن اس بارے میں گل کرسٹ نے انگریزوں کی رہنمائی کے لیے بڑی تفصیل سے ان حروف کی پہچان' ادائگی اور اردو اور ناگری رسم الخط میں ان سے متعلق حروف کو بطور مثال شامل کیا ہے جو اس کی اردو زبان کی تدریس کے لیے اہم پہلوؤں کی اہمیت واضح کرتا ہے۔ ان مباحث سے گل کرسٹ کی لسانی اہمیت کو زیادہ بہتر انداز سے یوں جانا جاسکتا ہے کہ وہ مقامی فرد نہ تھا پھر بھی حروف تہجی کے ان مسائل کا نہ صرف ادراک رکھتے تھے بلکہ اس کے لیے آسان رہنمائی بھی مہیا کی۔

''ق اور ک'' کی آوازیں تقریباً ایک سی ہیں ان آوازوں کے مخارج میں امتیاز عام طور پر عربی افراد اور گریمر کے ماہرین کے لیے تو آسان ہوسکتا ہے لیکن ہندوستانی عوام عام طور صرف ''کاف'' کی آواز سے ہی دونوں سے بنے ہوئے حروف بولنے پر قادر ہے۔ ایک ماہر لسانیات کے طور پر بھی گل کرسٹ نے ان میں امتیازات کو رومن

کی مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی۔ ق کی آواز عربی زبان سے اردو کا حصہ بنی لیکن اس کی ادائیگی کے لیے جو خفیف سا فرق ہے وہ عوام کے لیے مشکل امر ہے۔ انگریزی زبان میں بھی 'ک' کی آواز کے لیے دو حروف Q اور K موجود ہیں۔ گل کرسٹ اس کی مثال کے لیے قرآن کا لفظ پیش کرتے ہیں اور رومن خط میں اس کے ہجے Q کے ساتھ لکھتے ہیں جیسے 'Quran' اور K سے لکھنے سے منع کرتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے ایک انگریزی لفظ Liqour لیا ہے کہ اس کو Likker لکھنے سے جس طرح معنی میں فرق آ سکتا ہے اسی طرح قرآن کو K سے لکھنے اور عقل کو K سے لکھنے سے اکل بن جاتا ہے جس کے معنی اردو زبان میں مختلف ہیں۔ گل کرسٹ ان مباحث میں جہاں ضروری خیال کرتے ہیں واضح کرتے ہیں کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے وہ ان کی صوتی اختلافات کو قاری کے سامنے رکھے۔ گل کرسٹ لکھتے ہیں۔

"A Critic of this description will very gravely exclaim__ Why, the another must have been mad, or in liquor; when he expected that I would read Quran otherwise than Kworan,__ without reflecting that likkur was last in his own mouth, though written liquor; or that in speaking, he may with impunity, confound aukl , with Uql wisdom; while it is my duty to discriminate them there, as much as our Lexicographers find it so to..."(16)

گل کرسٹ مختلف مصوتوں کی تفہیم کے لیے مقامی زبانوں کے متنوع الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں' ان الفاظ کو فارسی رسم الخط کے ساتھ اس کا رومن رسم الخط میں بھی تلفظ دے کر سمجھاتے جاتے ہیں۔ اس عہد کی املا میں کھڑی زبر کا استعمال لفظوں میں نہیں تھا صرف آواز کھڑی زبر کی بولی جاتی تھی مثلاً موسیٰ کو موسي ہی لکھا جاتا ہے کیونکہ گل کرسٹ نے کھڑی زبر والے جتنے بھی الفاظ لکھے ہیں ان میں کسی پر بھی کھڑی زبر کی اعرابی علامت نظر نہیں آتی' چنانچہ وہ کھڑی زبر کے واول کو لفظ 'Short a' سے لکھتا ہے' مثال کے لیے اس کے الفاظ ہیں۔

"The short a, perhaps in stict properiety occurs in moosa Jessus,.."(17)Moses موسي, eesa عيسي .

واولز کی مثالوں کے لیے ان الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے' گیارہ' اگیارہ' دہیان' علم' عہد' عزت' عمر' عذر' موں' عرض وغیرہ۔ ان واولز کے رومن حروف سے گل کرسٹ کے رومن نظام املا کا اہم باب بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

تلفظ اور مختلف اردو الفاظ کی تفہیم کے لیے گل کرسٹ متبادل الفاظ مقامی زبانوں سے ہی نہیں لیتے بلکہ جرمن' فرنچ اور یونانی زبان سے بھی الفاظ کو بطور مثال قواعد میں لاتے ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے ہے کہ وہ انگریزی کے ساتھ دوسری بڑی اور اہم یورپی زبانیں بھی جانتے تھے۔ کثیر اللسانی مزاج ان کو ولیم جونز کے قریب کرتا ہے۔ اہم بات یہ تھی کہ وہ ہندوستان کی محض ہندوی' ہندی' بنگالی' زبانوں کے ہی ماہر نہیں تھے بلکہ اس حصہ کے مختلف علاقائی لہجے جن کو ہندوستانی زبان کی بولیاں کہا جاسکتا ہے ان میں بھی امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کو برج اور متھرا کے علاقوں کی برج بھاشا کے ادب اور بولی پر بھی خاصا عبور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کھڑی بولی اور برج بھاشا میں ایک ہی لفظ کی ادائیگی کی مختلف صورتوں کو برج کے نمائندہ اشعار سے پیش کیا ہے۔ برج اور کھڑی بولی میں لفظوں کی ساخت اور اسماء کی ادائیگی کا فرق ہے جب کہ قواعدی نظام دونوں بولیوں کا اردو زبان کا ہی ہے۔ ذیل کے اشعار برج کی بولی کے نمائندہ کے طور پر مثال پیش کیے جاتے ہیں جن کو نہ صرف رومن رسم الخط میں ٹرانسکرپٹ کیا گیا ہے بلکہ انگریزی ترجمے __ ان کے نفیس مضمون کو بھی واضح کرتے ہیں'

"[1) Thus in the Roman, Ruho ek din uwud,hi ud,hara sumj,uth mun dookh burho upara.

رہوا یکدن اودہ ادہارا　　سمجہت من دکہہ برہوا پارا

"Reflect that one day only remained for him to perform his promise, may anxiety encreased witout bounds" "[2] So pit mat khuho suk,hee ky sa jin put,hu,e bun. bal uk yeso

جن پت بن بالک یسو　　سو پت مات کہو سکہی کیسو

ترجمہ"[What parents must they be, sister

ہندوستان کے مقامی باشندوں میں بھی عوام وخواص کی الفاظ کی ادائیگی میں فرق تھا۔ مقامی زبان کے بہت سے الفاظ گل کرسٹ نے منتخب کیے تھے (جن کا واضح حصہ لغت والے باب میں ہے) جس کے متعلق ان کی تحقیق تھی کہ اشرافیہ اور پڑھے لکھے منشی ٹائپ افراد کے لیے ان کی ادائیگی آسانی صحت کے ساتھ ہوتی ہے جبکہ وہی الفاظ کم پڑھے لکھے، دیہاتی مزاج کے افراد کے ہاں بدل جاتی ہے۔ مثلاً مسجد کا لفظ عوامی سطح پر مسجد بھی بولا جاتا ہے۔ گل کرسٹ کا کہنا یہ تھا کہ اس طرح کے الفاظ کے تلفظ سے لفظ غلط نہیں ہوتا بلکہ اس کے استعمالات دو سطح میں تقسیم ہو جاتے ہیں اس لیے ان دونوں کے فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے مزید نزدیک اور نجیک، خالص، نخالص، چوترہ چبوترہ، اضافہ جافہ آہستہ آہستہ جیسے الفاظ کو بھی انہوں نے بطور اشرافیہ اور عوام کے بول چال کے نقطہ نظر سے واضح کیا۔

گل کرسٹ نے انگریزوں کو عام گھریلو اور سرکار میں استعمال ہونے والے الفاظ کی خاصی طویل فہرست دے کر ان کی باریکیوں کو سمجھاتے ہوئے اس کا اعادہ کرنے کی تجویز دی۔ ان کا خیال ہے کہ ان الفاظ کی مشق سے الفاظ کے تلفظ کے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ نیز ان کے معنی رومن تلفظ اور انگریزی معانی سے یہ تاثر دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ واولز کے ہلکے پھلکے تغیر سے بھی الفاظ کے معنی کچھ کے کچھ ہو سکتے ہیں۔ نمونے کے یہ الفاظ یوں لکھے گئے ہیں؛

The Rreader will dowell to pronounce every letter as distinctly as he can; for though this at first many seem rather harsh and afected, he will be very able to speak correctly enough without any great exertion, and consequently dress, بانا Bana with no singualarity or defect to couplate; بادنا to please, Bahana بہانا B,hana buna done bunna to be done, bhana to flow, to make flow; بہانہ a sham, buhana بہانا buhanu

The fore going must be more than sufficient to convince the scholar of this truth_that without the greattest pairs are taken to acquire the true pronunciation of such words, he will often beexposed to err himself and misconcieve others".(19)

گل کرسٹ کے سامنے ایک اہم مسئلہ ہائیہ حروف (Aspiratory Sounds) کی علامتوں اوران کے اندراج کا تھا۔ یہاں پر وہ غیر واضح رہے۔ وجہ یہ بھی تھی کہ ہائیہ آوازیں خالصتاً ہندوی زبان کا خاصہ تھیں اور یہ کہ عربی فارسی زبانوں میں ہائیہ الفاظ نہیں پائے جاتے چنانچہ اس عہد کا عربی فارسی رسم الخط متعلقہ بنیادی حرف کے ساتھ'ہ' کے اضافے سے بنادیا جاتا تھا۔ مثلاً گھاس کو گہاس لکھا جاتا تھا۔ بھیڑ کو بہیڑ۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس عہد کے پڑھے لکھے لوگ بھی لکھنے میں ان ہائیہ آوازوں کو موزوں تحریری علامت نہ پا سکے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ شوشے دار"ھ" کا املا میں رواج نہ تھا۔ ب کے ساتھ ہ اگ کے ساتھ ہ کے اضافے سے یوں تاثر ملتا تھا کہ جیسے ہائیہ حروف حروفِ تہجی کا مستقل حصہ ہیں نہیں بلکہ یہ دو آوازوں کے ساتھ مرکب ہو کر ایک آواز بنتی ہیں۔ حالانکہ ایسا نہ تھا۔ ہائیہ حروف باقاعدہ الگ سے آوازیں ہیں جس طرح باقی مصمتے حروفِ تہجی میں اپنا الگ وجود رکھتے ہیں اسی طرح ہائیہ حروف جن میں بھ'تھ پھ'ٹھ... کھ'لھ 'مھ وغیرہ مستقل حروف ہیں جن کو اس دور کے علم ہجا میں الگ سے لکھا جاتا تھا اور حروفِ تہجی کے بارے میں وہی نقطہ نظر دیتے ہیں جو یہاں یوپی' سی پی کے علاقوں میں رائج تھا۔ اس کو ہم کسی طور پر گل کرسٹ کی غلطی یا تسامح کا شکار نہیں کہہ سکتے۔ لفظوں کے ہجے کر کے پڑھنے کا طریقہ بھی بتانا گل کرسٹ نہیں بھولے۔ یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ گل کرسٹ نے آگے چل کر ہندوی' فارسی' عربی حروفِ تہجی کی فہرست دینے کے بعد ہندوستانی زبان یعنی اردو کے حروفِ تہجی کی فہرست میں ہائیہ حروف کو شامل کر کے ان کی تعداد ساتھ تک بیان کی تھی۔

As thePersian alphabet has no real aspirated letters like the Naguree, more than our own , the Moosulmans with us, are obliged to call

intheassistance on these occassions of one;

perfume, they say نکہت thus in the word nuk, hat

(Mootuharrik) kaf (sakin) Zubur nuk; he

(mootuharrik), te (sakin zabar hut: nuk, hut

نوں متحرک کاف سک زبر نکہي متحرک تي ساک زبر ہت یعنی نکہت ۔(۳۰)

اسم کے بیان میں (of the Noun)

اردو قواعد نویسی کے ضمن میں یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ انگریزوں اور دیگر یورپی افراد کی مثالوں سے قطع نظر، مقامی اور ادیبوں یا ماہرین زبان نے اس زبان کی قواعد مرتب کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی جس کی وجہ سے اور قواعد کے سلسلے میں کوئی رہنما کتاب موجود نہ تھی جس سے مغربی افراد استفادہ کرتے اور بہتر بناتے۔ انیسویں صدی میں ''دریائے لطافت'' (انشا) اور ''صرف اردو'' (امانت اللہ شیدا) کی قواعد نویسی سے مقامی قواعد نویسی کی روایت کا آغاز ہوتا ہے۔ مقامی قواعد نویس عربی فارسی قواعد کو کلمے کی تین درجی تقسیم (اسم فعل حرف) کی بنیاد پر قواعد لکھتے تھے۔ اردو میں ابھی تک کوئی قواعد مقامی افراد نے نہیں لکھی تھی۔ جان گل کرسٹ کی قواعد نویسی کے طریقہ کار کی اہمیت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ انہوں نے پہلی مرتبہ اجزائے کلام (Parts of Speech) کی بنیاد پر ۱۷۹۶ء میں اردو کی اہم، معیاری اور باقاعدہ قواعد نویسی کا آغاز کیا۔ اس میدان میں یہ اولیت ان کے اعزاز کے ساتھ قواعد نویسی کی تاریخ میں موجود رہے گی۔ (اگلے صفحات میں اجزائے کلام کی بنیاد پر قواعد نویسی کا مزید جائزہ پیش ہے)۔ انہوں نے اجزائے کلام (Part of Speech) کی بنیاد پر اپنی ہندوستانی گریمر مرتب کی منہاج کو استوار کیا۔ اس سلسلے میں علم ہجا اور حروف تہجی کے باب کے بعد پہلا باقاعدہ باب ''اسم (Noun) ہے۔ اسم کے سلسلے میں پہلا سیکشن انہوں نے انگریزی قواعد کے طریقے پر Article کا بنایا ہے۔ اردو زبان میں یہ بات توجہ طلب ہے کہ آرٹیکل کا استعمال نہیں ہے۔ انہوں نے انگریزی آرٹیکل (A, an, the) کی طرز کے حروف تلاش کرنا چاہے تو تحقیق سے انہیں ادراک ہوا کہ اردو زبان میں آرٹیکل موجود نہیں ہیں۔ دراصل اردو زبان کا قواعدی ڈھانچہ اور نحوی نظام آرٹیکل حروف کی ضرورت محسوس نہیں کرتا البتہ کچھ ایسے حروف جن کی مدد سے آرٹیکل کا ہلکا پھلکا تاثر لیا جا سکتا ہے ان کو گل کرسٹ نے باب کے حاشیے میں بیان کر دیا ہے جو کہ دیکھا جا سکتا ہے۔ گل کرسٹ نے البتہ اسم معرفہ اور اسم نکرہ کو آرٹیکل کہا ہے۔ گل کرسٹ لکھتے ہیں۔

... has neither
an indefinite, nor the difinite articles; unless
and ی one, adjunct hee ایک the numerals ek
that may وہ this, woh یہ the pronouns yih
some times be considered as such." (21)

اس اقتباس کی رو سے گل کرسٹ دعویٰ کرتے ہیں کہ آرٹیکل اردو زبان میں لاطینی زبان کی طرح موجود
نہیں ہے۔ نیز یہ کہ بعض اوقات کچھ ضمیریں (Pronouns) آرٹیکل کا کام دیتی ہیں۔ یہاں پر دو اجزاء کو حاشیے
میں لکھ کران کی توضیح کی گئی ہے۔ گل کرسٹ کا خیال ہے کہ گو انگریزی یا لاطینی قواعد کی رو سے آرٹیکل موجود ہیں لیکن
definite آرٹیکل کو اردو میں حرف تعریف یا معرفہ اور Indefinite کو حرف تنکیر یا نکرہ کی مثالوں میں تلاش کیا
جاسکتا ہے۔ گل کرسٹ اردو جملوں اور فارسی اشعار سے مثالیں پیش کرتے ہیں جو اس کے ادبی مطالعے کی نظر میں
"آرٹیکل" کے بارے میں گل کرسٹ کے نقطہ نظر کے بارے میں ڈاکٹر صدیق الرحمان قدوائی لکھتے ہیں؛

"While explaining the absence of article in Urdu, he points to the existence of more than one word which are not 'articles' in the strict sence of the term but function as substitutes for the article in different contexts. He proves his points by analyzing a couplet from Sauda".(22)

یہاں پر یہ بات پیش نظر رہے کہ گل کرسٹ نے اپنی مہم سے عربی زبان سے آرٹیکل کی تلاش کر کے قواعد
میں درج کیا ہے۔ عربی زبان میں "اَل" کے کسی بھی اسم کے ساتھ استعمال کرنے سے اسم معرفہ بن جاتا ہے۔ ان کا
کمال یہ ہے سب سے پہلے انہوں نے اسم معرفہ اور اسم نکرہ کو آرٹیکل کے مترادف کے طور پر پیش کیا۔ اسم معرفہ او
ر اسم نکرہ کو آرٹیکل مان کران کی تشریح اور مثالوں سے باب میں مختلف مباحث لکھے گئے ہیں۔ عربی زبان میں 'اَل' لگا
کر کسی بھی اسم کو معرفہ بنایا جاتا ہے۔ انہوں نے 'ul' کے تحت معرفہ بناتے ہوئے اشعار سے مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

یہاں پر گل کرسٹ غیر یقینی سی صورتحال کا شکار نظر آتے ہیں۔ وہ پوری طرح 'ال' کے استعمال کو سمجھنے میں کامیاب نہیں رہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ یہاں پر انہوں نے زیادہ الفاظ اور وقت ان پر خرچ نہیں کیے۔ غالباً شمسی اور قمری حرف سے پہلے 'ال' کے استعمال کی مختلف صورتوں میں گل کرسٹ واضح نہیں ہو سکے تھے۔ اردو حروف تہجی میں بعض حروف ایسے ہوتے ہیں جن سے پہلے ال میں 'ل' کی آواز واضح ہوتی ہے اور بعض میں یہ آواز ساکن ہو جاتی ہے۔ ان کو الشمس اور القمر کی مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اسم معرفہ کے عربی قاعدے کو گل کرسٹ نے میر سوز کے اس شعر اور عربی زبان کے جملے سے یوں ظاہر کیا ہے۔

The Arabic article ul is seldom met with, and only in sentences and proverbs from that language; but as they sometimes are used in this country, one or two instances may not prove unacceptable. Such سچ کہو قاصد آتا ہے وہ ماہ Keheeo qasid ata he wo mah الحمد اللہ الحمد اللہ (میر سوز) ul hamdo Lillah, ul hamdo lilah] مزید مثالیں The القرآن کتابنا الماضی لا یذکر mention not the past Qoran is our Scripture (ulqaran kitabana)(23)

گل کرسٹ اس اصول میں غیر واضح تھے کہ ہر دفعہ 'ال' کے استعمال سے اسم معرفہ کیوں نہیں بن رہا۔ دراصل اضافت اور مرکب الفاظ نیز شمسی قمری حروف کا استعمال عربی اور فارسی زبانوں میں موجود تھا اور انہی کے توسط سے اردو زبان کا حصہ بنا۔ مرکبات اور تراکیب کا نظام انگریزی زبان میں موجود نہ ہونے سے ان کو یہ صورت حال پیش آتی تھی۔ گل کرسٹ کا یہ کام اہم ہے کہ آرٹیکل اردو زبان میں موجود نہیں ہیں لیکن اس نے تحقیق سے اپنے ہم وطنوں کے لیے اسم معرفہ و نکرہ اور ان کے استعمالات سے اس کی اطلاقی شکل ڈھونڈ کر دکھائی تھی جو نئی بات تھی۔ یہاں ایک بات توجہ طلب ہے کہ اسم معرفہ اور اسم نکرہ کو اس باب میں گل کرسٹ نے انگریزی نام Proper Noun اور Common Noun کے ساتھ نہیں لکھا۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ کیا اس عہد میں انگریزی گریمر میں Proper اور Common کی اصطلاحات موجود تھیں یا نہیں Definite اور Indefinite

آرٹیکل کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا؟ بہر حال اس بات میں گل کرسٹ نے صرف عربی فارسی معرفہ بنانے کے قاعدے کو پیش کر کے ان کو واضح کیا ہے جس کے لیے عربی جملوں فارسی اشعار کے ساتھ ساتھ میر سوز کے شعر سے بھی مدد لی گئی ہے۔ الحمد اللہ الحمد اللہ کی مثال سے دراصل وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عربی سے بعض اوقات الفاظ اور محاورے من وعن لے لیے گئے ہیں یہ اس کی مثال ہے۔ اس ضمن میں صدیق الرحمان قدوائی لکھتے ہیں۔

> Gilchrist also observes that since the article exists in Arabic, the proverbs and sentences borrowed from that language retain in Urdu their original form as in following couplet:
>
> سچ کہیو قاصد آتا ہے وہ ماہ الحمد اللہ الحمد اللہ۔ (۲۴)

اسم جنس Gender

گل کرسٹ کا کہنا ہے کہ تمام اسما مذکر ہوتے ہیں یا مونث۔ اردو میں مذکر کی نشانی یہ ہے کہ نام کے آخر میں الف (یعنی a,u) آتا ہے اور تانیث کے لیے نام کے آخر میں ee't'ish آتا ہے۔ انہوں نے اس تعریف اردو حروف کی بجائے صرف آخر کے رومن حروف کو لے کر بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس حصے میں چھ مختلف اصولوں کی مدد سے اردو/ ہندی/ ہندوستانی زبان میں تذکرو تانیث کو پیش کیا گیا ہے۔ اصول نمبر ایک کے تحت یہ کلیہ کہ جن اسماء کے آخر میں a' u کے حروف آئیں تو وہ مذکر اور ee't'ish سے مونث ہو جاتا ہے، کوئی حتمی بات نہیں ہے۔ بعض ایسے اسماء ہوتے ہیں جو الف کے حرف پر ختم ہوں تو مونث ہوتے ہیں۔ ان کو اس کا ادراک ہے۔ انہوں نے اصول میں تو اس استثنائی مثال یا فہرست کی بات نہیں کی لیکن حاشیے میں ایسے الفاظ کی فہرست دی ہے جن میں یہ اصول الٹ کام کرتا ہے۔ حاشیے میں تحقیق اور دلچسپی سے مسلم ہندو آبادی کے ادا کیے گئے الفاظ کو پیش کر کے سمجھایا گیا ہے کہ ایسے الفاظ گو الف پر ختم ہوتے ہیں لیکن یہ مذکر نہیں بلکہ مونث ہوں گے۔ مثال کے طور پر ان الفاظ کو گل کرسٹ نے مونث کہا ہے،

> The exception to these general rules, are to numerous for insertion or notice here;... we

still perplexes the matter more, is the Moosulman considering many words masculine, which the Hindoos insist on being feminine; and vice versa. Of the first we have an instance in Jatra]برکھا[burkha is second the of ; departure]جاترا[rain, which are there for inserted among the exceptins to the first rule, thus: [these are feminine in nature] burkha, rain; ghat,a a cloud; jara, cold; suza, punishments; zeba, ornament...(25)

اصول نمبر۲ میں عربی الفاظ پر بات کی گئی ہے۔ ایسے اسماء (عربی) جوالف اور عین پر ختم ہوتے ہیں تو مذکر الفاظ ہوں گے جبکہ ایسے الفاظ جن کے آخر میں ee'a'y'sh مزید کہ دریاؤں پرندوں کے نام بھی مونث ہوں گے۔ پرندوں کی ذیل میں البتہ یہ وضاحت موجود ہے کہ بعض پرندے جو نام کی مناسبت سے مذکر ہوں وہ مذکر ہی سمجھے جائیں گے۔ حروف تہجی میں کون سے حروف مذکر ہوں گے اور کون سے مونث ہوں گے اس طرف بھی گل کرسٹ کی خصوصی توجہ رہی ہے۔ حروفِ تہجی کے لیے ''ب اور ک'' کی مثالیں تحریر کی گئی ہیں۔ جن میں ''ب'' کو مونث اور ''ک'' کاف کو مذکر بنا کر اپنے اس اصول کی انہوں نے وضاحت کی ہے۔ تفصیل کے لیے طویل حاشیے دیے ہیں جن سے اصولوں کی توضیحی فہرست دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثالوں میں Dissyllabes اور Monosyllabes کی اصطلاحات کی مثالیں ہیں۔ عربی الفاظ کی تذکیر وتانیث کے اصول تحریر کرتے ہوئے سنسکرت کے ایسے الفاظ جو کہ عربی اسماء کی طرح کے نہیں لیکن عربی مذکر مونث کے الٹ ہیں ان کی علامت اور مثالوں سے وضاحت ملتی ہے۔ اصول نمبر تین میں ملکوں کے نام، پہاڑوں، جھیلوں، لکڑی (درخت مراد)، مہینوں کے نام اور حروف تہجی کے وہ حروف جن کی آوازیں مذکر آوازوں کی حامل ہوں ان کو مذکر سمجھا جائے گا۔ اسی سلسلے میں گل کرسٹ اپنا تجربہ لکھتے ہیں کہ مختلف صوبوں میں مذکر مونث کے اصولوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ بعض اوقات مقامی آبادی یہ بھی نہیں جانتی کہ فلاں لفظ مذکر کیوں ہے۔ فلاں مونث کیوں ہے۔ مثلاً شمشیر، کمر وغیرہ مونث نہیں، ایسے الفاظ کو مونث کیوں لکھا جائے تو لوگوں کے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ اور اگر مذکر لکھ دیا جائے تو غلط کیوں تھا؟ اس کا

بھی جواب ملنا مشکل تھا چنانچہ ... ان کو مونث پر اتفاق کرنا اس طور ان سے ...
کرسٹ کی تشفی نہیں ہوئی۔ یہاں پر
سمجھتی ہے اس لیے عام بول چال کو معیار مانتے ہوئے ان کو مونث لکھا سمجھا جا سکتا ہے۔
گل کرسٹ نے چوتھے اصول میں مزید ایسے غیر واضح الفاظ سے بحث کی ہے جو مذکر ہیں' کس قاعدے
سے مذکر ہیں اس پر کوئی رائے درج نہیں کر سکے۔ مثلاً گھاو (اس عہد میں واؤ کے اوپر ہمزہ (ء) کا رواج نہیں تھا اس
لیے گھاؤ کو گھاو لکھا گیا ہے) موسم وغیرہ مذکر ہیں۔ دوسری طرح آسامی اور آدمی ایک ہی کلیے پر ہیں لیکن آسامی
مونث ہے اور آدمی مذکر۔ یہ بات' خاص طور پر سمجھاتے ہوئے گل کرسٹ نے کلاسیکی شاعری سے مثالیں لی ہیں۔
گل کرسٹ کا خیال ہے کہ تذکیر و تانیث کے عملی مثالیں مسکین کے مرثیے کے ان ٹکڑوں سے بہتر انداز میں سمجھی جا سکتی
ہیں جو کتاب میں دیے گئے ہیں۔ نمونے کے لیے مسکین کا ایک شعری ٹکڑا پیش ہے'

باندھی ہوئی بچوں کی یہ سنکی آہ و زاری [باندھے ہوئے بچوں سے یہ سن کے آہ و زاری]
حارث لعین کی عورت بھیتر ارو پکاری [حارث لعین کی عورت بھیتر ار و پکاری]
عورت کی سر مین پہلی شمشیر وسنی ماری [عورت کے سر میں پہلے شمشیر وس نے ماری]
پہر اپنا مار ڈالا بیٹا کنوارا بالا [پھر اپنا مار ڈالا بیٹا کنوارا بالا](۲۶)

ان اشعار کی پیشکش صرف مذکر مونث کی تمیز کرنے کے لیے پیش نہیں کیے گئے تھے بلکہ ان کی مدد سے گل
کرسٹ نے وہ کام لیا جو ان سے قبل کے قواعد نویس لینے سے محروم رہے۔ حارث لعین کی عورت کو مونث کا صیغہ لے
کر انہوں نے جملے (مصرعے) میں ہونے والی دیگر نحوی تبدیلیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو اپنی جگہ خاص اہمیت کی
بات ہے۔ عورت کے ساتھ فعل بھی مونث کے کلیے کے تحت تبدیل ہوتا ہے۔ یعنی پکاری۔ اب اگر مرد کی بات ہوتی تو
فعل مذکر کا کلیہ لگایا جاتا یعنی پکارا استعمال ہوتا۔ مصرعے اور جملے کی ساخت کے اندر تذکیر و تانیث سے تبدیلیاں
وقوع پذیر ہو رہی تھیں اس کی طرف گل کرسٹ کی خاص توجہ تھی اس کا ثبوت یوں ہے کہ لفظ پکاری پر انہوں نے طویل
حاشیہ لکھا اور اس پر نحوی بحث کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں'

"Declinable adjectives, pronouns, verbs and participle
ka even, most all agree in gender with their Faminine

noun: whence the above kee pokaree, Pokara, Ka, for

[maree pokaree, Betee a daughter, the [کی پکاری ماری

verse would have stood thus:- p,hir upnee mardalee

balee [پھراپنی مارڈالی بیٹی کنواری بالی] "...)27(

betee koonwaree

بارہ ماسہ کے اشعار اور مرزا رفیع سودا کی شاعری سے طویل شعری اقتباسات سے تذکیروتانیث اور قواعدی حرفی نحوی تبدیلیوں پر گل کرسٹ نے سیر حاصل بحث کی ہے جو اپنے عہد کے حساب سے ہی اہمیت کی حامل نہیں تھی؛ عصر حاضر کے قواعدی اصولوں سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ یہاں یہ تذکرہ بھی لطف سے خالی نہیں ہے کہ قواعد سکھاتے سکھاتے گل کرسٹ نے ہم وطن انگریزوں کے لیے کلاسیکی اردو شاعری میں خاصی دلچسپی کا ساماں بہم پہنچایا تھا جس کو کسی بھی طرح لسانی وادبی خدمت سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔

ضمیر کے مباحث

ان مباحث کو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں پہلی فصل ضمیر کے مباحث سے متعلق ہے اور دوسری فصل میں ضمیر استفہامیہ/ استفہامی مباحث دیے گئے ہیں۔ پہلی فصل کا عنوان Pronouns, Personal and Demonstrative' ہے۔ Pronoun کو جان گل کرسٹ کی اپنی لغت سے دیکھا جائے تو اس کے مترادف اور متبادل الفاظ میں اسے ضمیر کہا گیا ہے۔ Demonstrative Pronouns کو اسم اشارات اور Interrogative پروناؤن کو ضمیر استفہامیہ کے الفاظ سے واضح کیا گیا ہے۔ ضمیر ذاتی (Personal (Pronoun پر بات کرنے سے قبل کا' کی' کو حروف کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ حروف عام طور پر اس زبان میں ملکیت ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن ان حروف کو ضمیروں کی ذیل میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو زبان میں واحد متکلم؛ جمع متکلم؛ واحد حاضر اور جمع حاضر کے لیے عام طور پر مجھے؛ تجھے؛ ہمیں؛ تمہیں؛ جیسے الفاظ ضمیروں کا کام دیتے ہیں۔ اوپر کا' کی' کے' کو کے حروف کی ملکیت سے ہٹ کر ایک اور شکل ظاہر کرتے ہیں گل کرسٹ لکھتے ہیں کہ ان ضمیروں کے متبادل مجھ کو؛ ہم کو؛ تجھ کو بھی مستعمل ہیں۔ مزید انگریزی حروف me'thee'us'you کو اردو زبان میں بالترتیب ہم (we) کے اشاروں سے لکھا اور بولا جاتا ہے۔ جان گل کرسٹ نے آگے چل کر مقامی ہندوستانی افراد کی زبان پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ کم علمی؛ کاہلی سستی اور تفاخر کے جھوٹے احساس کی وجہ سے میں کے صیغے کی

بجائے ہم یعنی جمع کے صیغے میں بات کرتے ہیں۔ان کے واحد متکلم کو ہم پکارنے سے وہ جمع نہیں بن جاتے، وہ واحد ہی رہتے ہیں لیکن اس سے واحد متکلم کا صیغہ دب کر جمع متکلم کے صیغے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں ہم کے صیغے میں بات کرنا اشرافیہ، متمول طبقے اور سرکار دربار کی گفتگو کا خاصہ تھا جس کو آگے چل کر نوابوں نے بھی اپنایا ہوا تھا لیکن جان گل کرسٹ کو اس صیغے سے مناسبت پیدا نہ ہوئی اور انہوں نے اس کو ہندوستانی افراد کی سستی کاہلی اور جھوٹی انا کی تسکین کا امر ہی خیال کیا۔ یہاں پر اس کی دو وجوہات بنتی ہیں۔ اول یہ کہ وہ اس کی تہذیبی وثقافتی اہمیت کو سمجھ نہ پائے یا معترف نہ ہوئے، دوسرا یہ کہ انگریزی زبان میں اس کے لیے چونکہ اسی طرح کی ضمیریں مستعمل نہیں ہوتیں اس لیے ان کو اس کے استعمال پر ناگواری ہوئی۔ نو وارد انگریزوں کو البتہ اس قاعدے سے متعلق آگاہی دینا ضروری تھا۔اس وجہ سے اس بحث کو واضح کرنا ضروری خیال کیا گیا تھا۔

واحد متکلم اور واحد حاضر کی بحث میں جان گل کرسٹ نے اپنے غیر ملکی قارئین کی توجہ اس امر کی طرف بطور خاص دلائی ہے کہ اردو زبان میں بعض صورتوں میں واحد متکلم اور واحد حاضر کی ضمیر مختلف شکلوں اور لفظوں میں تبدیل ہو جاتی ہے جو صرف زبان کا ایک رنگ ہے اس سے گریمر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔اس کلیے کی مثال کے لیے ان کا خیال ہے کہ اگر کسی سرکاری افسر یا بے تکلف دوست سے مخاطب ہونا ہو تو واحد متکلم کی طرف اشارہ میں کی بجائے 'بندہ' غلام داس 'فدوی وغیرہ کے لفظ سے کیا جائے گا۔اس کے تسلسل میں مزید یہ کہ سرکاری منصب دار یا اشرافیہ کے اس فرد کے لیے بھی تم یا آپ نہیں لکھا جاتا بلکہ سرکار' خداوند نعمت وغیرہ کے القابات سے تعظیم پیش کی جاتی ہے۔اس کی مثال کے لیے ایک طویل فہرست پیش کر کے غیر ملکی حاکموں کو ان الفاظ سے آشنا کیا گیا ہے تاکہ وہ یہاں کے ماحول' مزاج' عوامی معاشرت اور تعظیم واکرام کے لہجوں اور لفظوں سے آشنا ہو جائیں۔ یہ فہرست گل کرسٹ کی وسعت مطالعہ و مشاہدہ کا ثبوت ہے۔گل کرسٹ لکھتے ہیں'

"The third is not frequently introduced for both the first and second person, when the former wishes to appear every submissive, civil or friendly to the latter. On such occassions, bund, ghulam, dass, doulat Khua, khyr ande_sh, friend and wll wisher; occuring for I. And Ap, Khood bu doulut, sahib, self;

peeromoorshid, khawind, Khoddawand, Khoda wand, n,emut, mabap, bundu purwar, master, patron, protector; hoozor, qibla, worship; Surkar, hoozoor, governement preference; junabi alee, muha raj, dhurum moorat, hinghness, idol; for you, in this manner._ Ap &c. kub purma, enge gholam&c. ko, when will you order me?".(28)

واحد متکلم' حاضر اور غائب کی گردان موجود ہے جو آج کے گردان کے اصولوں پر بھی پوری اترتی ہے۔اس کا مطلب ہے گردان کے اس سٹائل کو گل کرسٹ نے مشرقی عربی فارسی روایت کے زیر اثر من وعن منتخب کر کے گریمر میں شامل کیا ہے اور یہ کہ اس کو گریمر کا ضروری جزو گردانا ہے۔گل کرسٹ کی گردان کے نمونے اٹھارہویں صدی کے اردو ضمیروں کے مختلف مستعمل حروف والفاظ کا ایک لسانی تحقیقی جائزہ ان اوراق میں محفوظ ہو گیا جس سے اس صدی کے زبان کے لسانی ڈھانچے کو بھی بہتر انداز سے سمجھا جا سکتا ہے۔ان گردان کی ضمیروں میں وہ الفاظ موجود ہیں جو اسی انداز سے اس صدی کی کلاسیکی شاعری کا حصہ بن کر محفوظ ہو چکے ہیں۔ مثلاً ضمیر میں ہموں نے (ہم نے)' تموں نے (تم نے) وِس (وہ مرد یا عورت) وِنہوں نے (آج کل انھوں نے) تبدیلی ہو کر اکیسویں صدی کی اردو زبان کا حصہ بنیں ہیں لیکن اٹھارہویں صدی کے کسی نثر پارے کے ساتھ ساتھ گل کرسٹ کی کتابوں میں محفوظ ہو کر اس عہد کی لسانی تاریخ کے ثبوت کے طور پر موجود ہیں۔گل کرسٹ نے مزید بتایا کہ مختلف ضمیروں میں خود نج' ہی اور ای ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر بھی آ سکتے ہیں جن سے جملے کے مفہوم ومعنی میں فرق نہیں پڑتا مثلاً میں خود' میں نج' میں آپ' میں ہی' ایک ہی مفہوم دیتے ہیں۔ اسی طرح ضمیروں سے ملکیتی آوازوں پر بھی گردان شامل ہے۔ جیسے مرا' میری' تیرا' تیری' اپنا' اپنی' اسکا' اسکی' وسکا' وسکی' اس کا' اسکی وغیرہ۔

اس فصل میں بھی گل کرسٹ نے اوپر کی مباحث کی عملی مثالوں کے لیے اردو کلاسیکی شاعروں سے ڈھیروں مثالیں پیش کی۔گل کرسٹ نے اس ذیل میں مرزا رفیع سودا اور یقین کے مختلف اشعار پیش کر کے ضمیروں کی مختلف رائج صورتوں کی نشان دہی بھی کر دی تھی اور ان کے استعمالات سے بھی اپنے مخاطبین کو آگاہی دی۔ مثال کے طور پر یہ اشعار سامنے رکھے جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ گل کرسٹ نے ضمیر کی تمام ممکنہ اشکال کو اشعار سے واضح کر دیا تھا۔ان

سے ضمیر واضح ہو جاتے ہیں'

ے شراب شوق سي سرشار ہين ہم
کبھي بي‌خد کبھي ہشيار ہين ہم

ے خدمت مين کيا جاکي وہين عرض ہمون نے
کيا ہوتا ہي ارشاد سو فرماي حضرت

ے وہ پاني بھرنے والي سنکر کي وکہ اوسکو کا
کہني لگي تمہاري بابا کا نام کيا تھا
رو کر کہا بچون ني مسلم تھا نا وسکا
کس کس محبتون سي تھا ہم کو اوسني پالا'' (۴۹)

جان گل کرسٹ سے قبل کے قواعد نویسوں کو اسم کے مباحث نے اتنا الجھن میں نہیں ڈالا تھا جتنا ضمیر کے مختلف الفاظ کے استعمالات سے انہیں پریشانی ہوئی تھی۔ ان کا ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ وہ قواعد کو کتابی اصولوں سے سیکھ کر نتائج تک پہنچنے کی کوشش میں رہے اور یوں عوام سے ان کی مثالوں کا ناطہ نہ جڑ سکنے کی وجہ سے درست نتائج تک پہنچنا صرف یہ کہ ان کے لیے مشکل امر بن گیا تھا بلکہ وہ انہی مبنی بر تسامحات اصولوں کو ہی اپنی قواعدوں کا حصہ بنانے پر مجبور تھے اور یوں ان کے قارئین بھی اسی غلطی کا شکار ہو جاتے تھے جو قواعد نویسوں کے لیے الجھن کا باعث تھیں۔ جان گل کرسٹ نے ان مسائل پر بڑی دقت نظری سے تحقیق کی اور درست نتائج تک پہنچنے میں کامیاب رہے۔ شروع میں ان کے لیے بھی یہ امر باعث حیرانی تھا کہ کس طرح واحد متکلم 'میں' (I) کے لیے میں اور ہم دونوں صیغے عام استعمال میں ہوتے ہیں۔ اب چونکہ مستشرقین کی زبان انگریزی تھی اور انگریزی زبان صرف "you" کے لفظ (ضمیر) سے کام چلا لیتی تھی چنانچہ ان کو حفظ مراتب اور عقیدت و تعظیم، خود تعظیمی کے لیے ان الفاظ کے استعمالات تک پہنچنا ممکن ہوا تو تب کہیں جا کر ضمیر کا بظاہر پیچیدہ لیکن سادہ نظام ان کے تشفی کی وجہ بنا اور یوں نتائج کی درستی کا استخراج ہوا۔

جہاں تک ضمیر کے مباحث اور استعمالات کا تعلق ہے، جان گل کرسٹ کو اس معاملے میں بڑی پیچیدگیاں دیکھنا پڑیں۔ ان کو بڑے عرصے بعد ضمیر کی مختلف شکلوں اور استعمالات کے بارے میں کامل آگاہی ہوئی تو یہ

استعمالات اس کے لیے حیرانی کا باعث بنے کہ کس طرح میں اور ہم ایک ہی شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے انگریزی زبان صرف you کے لفظ سے کام چلاتی ہے اور یہ کہ اس میں عزت تعظیم تعریف' القاب' تمیز سے ماورا ایک ہی مفہوم ہوتا ہے اور وہ ہے تم جبکہ اردو زبان کے معاملے میں یہ بات اہم تھی کہ واحد متکلم خود کو میں بھی کہتا تھا اور ہم بھی پکار سکتا تھا۔ یہ بات اردو زبان بولنے والوں کو تو واضح کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مقامی افراد خود کو میں اور اشرافیہ یا عوام سے اوپر کا نمائندہ ''ہم'' کے صیغے میں بات کرتا تھا۔ گل کرسٹ کے خیال میں ''ہم'' جمع کا صیغہ تھا۔ لیکن اس کے واحد کے لیے استعمال نے ان کی ضمیر کے استعمالات کے نئے طریقہ کار کو اسی انداز سے سمجھنے کی توجہ دلائی۔ ضمیر کے سلسلے میں گل کرسٹ نے اس خطرے کو محسوس کر لیا تھا کہ اگر برطانوی افراد نے ضمیر کے استعمالات میں موجود باریکیوں کو نظر انداز کر دیا تو نہ صرف یہ کہ وہ عوام کی بول چال' تمیز تعظیم' حفظ مراتب کی قدر کھو دیں گے بلکہ مقامی آبادی کی طرف سے ہو سکتا ہے وقوف بنائے جائیں۔ اس اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا وہ گریمر کے آخری حصے میں بھی نہیں بھولے اور Pronunciation کے باب میں بطور خاص Pronoun کے ان نکات کو واضح انداز سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں'

"The proper colloquial use of the personal pronouns, is rather difficult to explain, from the great variety that exists in this particular, only and from the confusion of singular and plural numbers, that has been the natural consequence of such diversity of address to superiors, equal, inferiours, friends &c... Any particular mode in this respect may subject us alternately to the reproach of being unpolite, arrogant or servile, as the medium is indeed not easily observed in our intercourse with the maltifarious inhabitants of this widely

extended country. At the courts, and in the capital cities of the moosulman princes in India, the singular myn I, and its cases, are mostly in use among polite people when talking of themselves..."(30)

گل کرسٹ اپنے برطانوی ہم وطنوں کو آپ، ہم کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ عام طور پر واحد متکلم ”میں“ کے صیغے میں بات کرتا ہے لیکن شاہی انداز (Royal style) کے تحت مقامی شہزادے، نواب اور دیگر اشرافیہ کے افراد ”ہم“ بمعنی ”میں“ بھی استعمال کرتے ہیں۔ دوسری طرف تو اور تم بے تکلفی کی گفتگو میں سامنے والے کو مخاطب کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر سامنے والا عمر یا مرتبے میں بڑا ہو تو ”آپ“ بمعنی تم استعمال کرتے ہیں۔ یہ سارے افتراقات بتانے سے گل کرسٹ کی منشاء یہ تھی کہ اس کے ہم وطن جب حکمران ہوں تو ان کو مخاطب اور خود کو بتانے کے لیے ضمیر کے وہ استعمالات مدنظر رکھنا ضروری ہوں گے جو مقامی نواب زادے اور اشرافیہ کے افراد اپنے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ”تم یا تو“ کو سامنے والے کے مرتبے کے مطابق استعمال کرنے کی وضاحت دراصل اسی مقصد کے تحت تھا کہ حفظ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سامنے والے کو مخاطب کیا جائے۔ اس بحث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک تو گل کرسٹ زبان کے استعمالات کے عوامی اور غیر عوامی روپ سے بخوبی آشنا تھے دوسرا یہ کہ اس کی بڑی حد تک کوشش تھی کہ انگریز افسران مقتدر افراد اس سلسلے میں نہ دھوکا کھائیں اور نہ اپنے مرتبے کو گرنے دیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سٹیڈ مین جونز لکھتے ہیں،

"Towards the end of Gilchrist's Grammar, there is an interesting discussion of the Hindustani pronouns in which he characterises this part of the grammar as fraught with danger for the British learners... Gilchrist argues that if colonial agents attempt to speak Hindustani and

do not take the trouble to select the right pronouns, the risk accusations of impoliteness, arrogance or servility. His concerns about how the servants of the company will be percieved by Indian arise from the nature of colonial government itself."(31)

صفت کے بیان میں

صفت کے باب کو دو ذیلی عنوانات کے تحت دیکھا گیا ہے۔ پہلے حصے میں صفت کی اشکال کی مختلف صورتوں پر تفصیلی بحث کر کے اصولوں کے تحت وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس باب کا دوسرا سیکشن Numerals کے عنوان کے تحت لیا گیا ہے۔ Numerals کے مباحث کو 'صفت' کی ایک شاخ کے طور پر جدید گریمر میں پیش کیا جاتا ہے۔ مولوی عبدالحق کی قواعدِ اردو میں صفت کے باب میں اس کی پانچ اقسام صفت ذاتی 'صفت نسبتی' صفت عددی' صفت مقداری اور صفت ضمیری کے نام ملتے ہیں۔ اس میں انہوں نے صفت عدد کو الگ سے نہیں دیکھا لیکن جان گل کرسٹ کی قواعد میں صفت عددی کو ایک حصے میں لکھ کر شامل کرنے سے اس حصے کی اہمیت سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوتی ہے کہ گنتی کی مختلف دیسی اور متنوع صورتوں کا استعمال غیر ملکی افراد کی ضرورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے علیحدہ کیا گیا ہے تاکہ صرف گنتی/مقداری صورتوں کا ہی صرف بیان دیکھنا مقصود ہو تو فہرست مشمولات سے ہی یہ حصہ قاری کو نظر آ جائے۔ صفت کی تعریف کرتے ہوئے مولوی عبدالحق لکھتے ہیں'

> الفاظ صفت وہ ہیں جو کسی اسم کی حالت یا کیفیت یا کمیت کو ظاہر کریں۔
> صفت ہمیشہ اسم کی حالت کو محدود کر دیتی ہے' مثلاً بے کار لوگ' جاہل آدمی'
> شریر لڑکا۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ (۳۲)

دوسرے سیکشن کا عنوان "Numeral Adjective" ہے۔اس حصے میں اعداد کی مختلف صورتوں کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ اعداد کی گنتی کی وہ صورت بطور مثال پیش کر دی گئی ہے جو اس دور کے ہندوستان میں رائج تھی۔ ان صورتوں میں عدد توصیفی (Cordinal) عدد ترتیبی واسم اختصار (Ordinal) اسم جمع' کسری اعدادی اور ضربی اعداد کی مختلف صورتوں کا بیان ملتا ہے۔ گنتی کی "Cordinal" صورت کو ہندو افراد کی بول چال سے ظاہر کیا گیا ہے جو گل کرسٹ کی مسلمانوں اور ہندوؤں کے اعداد کی صوتی علامتوں سے آگاہی کا ثبوت ہے۔ان کا خیال ہے کہ اعداد کی توصیفی صورت ہندوؤں کے بولنے کے باعث ہندوستانی زبان کا حصہ بنی ہے۔ مسلمان افراد تین کا عدد استعمال کرتے ہیں جبکہ ملک کی اکثریت جو کہ ہندوؤں کی ہے وہ تینوں کا عدد بھی عام بولتے ہیں۔ مثال یوں دیتے ہیں کہ تین آدمی جاتے ہیں' اس کو رومن اور انگریزی دونوں ''یں'' لکھ کر تین کی صورت تو توصیفی کی مثال بھی دیتے ہیں کہ تینوں پیتے ہیں' ہم تینوں غریب فقیروں کو کچھ دیجئے وغیرہ۔ تینوں کے اصولوں پر وہ گردان بنانے کا طریقہ سکھاتے ہیں کہ اس طرح کوئی بھی طالب علم تھوڑی سی مشق سے تینوں' چاروں' پانچوں کی گردان کو آسانی سے خود بنا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں صرف اصول سامنے رکھنا ضروری ہے کہ عدد اکیلا ہو تو تین لکھا جائے گا۔ بولنے میں اس کی Cardinal صورت کے تحت مذکورہ بالا تبدیلی لائی جائے گی اور اسی اصول پر باقی اعداد کو سیٹ کیا جا سکتا ہے۔

گنتی کے بارے میں گل کرسٹ اپنا تجربہ بتاتے ہوئے اس اہم اور دلچسپ امر کی طرف بطور خاص روشنی ڈالتے ہیں کہ ایک سے سو تک کی گنتی کے اعداد زبانی یاد کرنے میں ایک چیز پر دھیان رہے کہ انہیں انیس کے عدد پر آ کر گیارہ سے شروع ہوا کلیہ ٹوٹ جاتا ہے اور عجب (گل کرسٹ کے لیے) بات سامنے آتی ہے کہ اٹھارہ کے بعد کا عدد جو اس ترتیب کے ساتھ نو آرہ ہونا چاہیے وہ نو آرہ کی بجائے انیس ہے اور اُنیس' انتیس' انچاس' انسٹھ' اور انہتر تک کے یہ اعداد کسی بھی لحاظ سے کسی ایک کلیے کے تحت بنائے گئے محسوس نہیں ہوتے۔ یہ بات مستشرقین کے لیے تھی۔ اس سے اردو گنتی کی تنوع صوتی حیات کا اندازہ ہوا۔ اس طرح بیس اور نو کو کلیے کے مطابق نو بیس ہونا چاہیے تھا لیکن یہ لفظ انتیس تھا۔ غالباً یہاں پر گل کرسٹ انگریزوں کے کلیے یعنی ٹوینٹی نائن کی طرح کی کسی شکل کو نہ پا کر حیرت کا اظہار کرتے نظر آ رہے ہیں لیکن یہ بحث اپنی جگہ دلچسپ ہے کہ جس طرح ایک غیر ملکی جو کہ اردو زبان کو مقامی فرد کے طور پر نہیں دیکھ اور سیکھ رہا وہ کن کن مسائل کا شکار ہوتا ہے۔ گل کرسٹ لکھتے ہیں؛

"These numerals so irregular as to induce

me to exhibit from one to hundred, [a reader] by observing that the nineth, in every decimal series from ninteen to seventy nine, instead of being progressive, as with us, is specified by a singular kind of retrogressive enumeration: Thus nou-arouh would regularly in some degree be ninteen, were not this expressed elliptically by oonees, resolvable into eko no bees, one less than twenty, the nonal of which is not nou-bees, twnty-nine, but oon-tees (ek no tees) one less than thirty".(33)

گل کرسٹ کا انیس انتیس کی بناوٹ پر سوال اٹھانا ایک اہم پہلو کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ انیس کس کلیے کے
تحت بنایا گیا ہے' سترہ' اٹھارہ کی طرح اس کو نو آرہ ہونا چاہیے تھا جو نہیں ہے۔ اسی طرح اس کو اک نا بیس یعنی ایک کم
بیس بھی کہا جا سکتا ہے۔ انتیس کو ایک کم تیس یا نو بیس کہہ کر بنایا جاتا تو کوئی کلیہ سمجھ بھی آتا۔ اسی طرح نواسی' ننانوے
کے اعداد کو صوتی صورت بھی ان کو ایک غیر ملکی کے طور پر واضح نہیں ہو پا رہی تھیں۔ یہ سوال اس سے قبل کے دیگر قواعد
نویسوں نے نہیں اٹھائے تھے۔ انہوں نے اردو اعداد کی مختلف صورتوں کو من وعن لے کر قواعد کا حصہ بنا دیا تھا لیکن ان
سوالوں کی طرف ان کی توجہ نہیں تھی۔ گل کرسٹ کے یہ سوالات اس دور میں اہم تھے اور آج بھی ان سوالوں کے
جوابات اور اردو گنتی کے اعداد کی مختلف اور متنوع آوازوں کی ترکیب پر تحقیق کرنے سے یہ گتھی سلجھائی جا سکے گی کہ یہ
الفاظ اردو زبان نے کن زبانوں سے لیے یا کس کلیے کے تحت اعداد کی مذکورہ بالا شکل عوامی بول چال کا حصہ بنی۔

اس تمام بحث کے بعد ایک اسکالر کے لیے ہدایت نامہ جاری کیا گیا ہے کہ گنتی کے کے استعمالات کی مختلف
صورتوں میں موجود وہ فرق کو سمجھنے مثال کے طور پر ۱۰۱ ایک سو ایک اور ۱۰۰۱ ایک ہزار ایک کے لکھنے اور بولنے میں جو
فرق ہے اس کو سامنے رکھا جائے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ایسا کرنے سے گل کرسٹ نے اعداد کے بولنے کے ایک اور

فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو اردو زبان میں عام طور پر استعمال ہے۔ مثال کے بیس ایک، چالیس ایک سے مراد اکیس یا اکتالیس نہیں بلکہ اگر اعداد کے ساتھ ہی ایک لگ جائے تو ایک صرف کے معنی میں استعمال ہوگا یعنی بیس ایک سے مراد صرف بیس یا تقریباً بیس اور اسی طرح دوسرے اعداد میں ایک کے استعمال کو اسی طریقے سے مزید سمجھا جاسکتا ہے۔ اس چھوٹے سے سابقے سے گل کرسٹ کی زبان کے عمومی استعمالات اور نازک سی باریکیوں کی طرف کتنی نظر ہے اس سے اچھی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔

گنتی کے ٹیبل میں ایک سے سو تک کی گنتی کو انگریزی، اردو اور سنسکرت کے اعداد کے ساتھ ساتھ نستعلیق رسم الخط اور اس کے ساتھ دیے گئے رومن رسم الخط کی متنوع صورتوں میں درج کیا گیا ہے۔ گنتی سے اس دور کے املا کے نظام پر بھی نظر پڑتی ہے کہ ٹھ کا حرف اس عہد کی اردو میں مستعمل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ گیارہ کی املا اگارہ Egarah تھی۔ اس طرح آج ۶۷ کو اردو میں سڑسٹھ کہا جاتا ہے۔ اس دور میں سٹسٹھ لکھا گیا ہے جس سے گنتی کے اعداد کی آوازوں کے ارتقاء کا پتہ چلتا ہے۔ اعداد کی بولنے میں دوسری شکلوں مثلاً پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا، دسواں وغیرہ کی معلومات دینے کے بعد سینکڑا، لاکھ، ہزار، اور کروڑ کے اعداد و اصوات کو ظاہر کرکے ان کے مترادفات کو انگریزی زبان میں ساتھ لکھا گیا ہے جو مغربی افراد کے لیے اہم معلومات کا ذریعہ بنتا ہے۔ مقامی زبان کے جمع بنانے کے طریقے کو اس انداز سے واضح کیا گیا ہے کہ وں، کے ساتھ جمع بنائی جاتی ہے مثلاً سینکڑوں، ہزاروں وغیرہ جبکہ فارسی میں جمع کے لیے ہزارہا، یعنی ہا کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ حصہ بھی ہر انداز سے بھرپور معلوماتی ہے۔ اسی طرح کسری اعداد کو جن مقامی آوازوں سے ملایا اور ظاہر کیا جاتا ہے ان کو بڑی تفصیل کے ساتھ اکٹھا کرکے پیش کیا گیا ہے۔ اس لسٹ کو دیکھ کر جان گل کرسٹ کی مقامی زبان سے دلچسپی اور اردو زبان کے اعداد کے بارے میں استعمالات ان کی وسعت مطالعہ مشاہدہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس ذیل میں تہائی، سوا، ڈیڑھ، پونے دو، سوا چھ، پونے پچاس، سوا ہزار، اڑھائی وغیرہ کی لسٹ دیکھ کر ان کی اس محنت کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ فی صدی کو بھی پیش کیا گیا ہے جو آج کے ماہر لسانیات کے لیے یوں بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ اس سے ۱۸ ویں صدی میں رائج اعدادی نظام اور ان کی املا و اصوات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ فی صد کے نظام کو واضح کرنے کے لیے ایک فی صد کے لیے مستعمل املا ایکوترا Ecotra، دو فی صدی کے لیے دیوترا De,otra، دس فی صد کے لیے لفظ دھوترا Duhotr یا Duh ekee دہ ہکی وغیرہ کی لسٹ بھی درج ہے۔ اس بات کے مطالعے سے کسی بھی نووارد انگریز کو مقامی فرد کی طرف سے دھوکا دینا یا فراڈ کرنا آسان نہ رہتا تھا، یہی گل کرسٹ کا مقصد تھا کہ ان اعداد کے استعمالات سیکھ جانے کے بعد انگریز افسران و تاجر کس حساب سے مقامی افراد سے لین دین کے معاملات میں نقصان سے بچ سکتے تھے۔ دوسری

بات یہ کہ اس گریمر کے مطالعہ سے مقامی افراد کی بھی معلومات میں اضافہ ہونا ناگزیر تھا کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ مقامی آبادی بھی دی گئی ان تمام باریکیوں سے مکمل واقف ہو سکتی۔ اس بات میں گل کرسٹ نے صفت کے مباحث میں صفت عدد کو علیحدہ حصہ بنا کر اس میں درج باریک سے باریک فرق والی معلومات دے کر مقامی افراد سے زیادہ زبان جاننے کا نمونہ پیش کیا ہے جو اس سے پہلے کے مستشرقین کے ہاں اتنا تفصیلی نہیں دکھائی دیتا۔

فعل کا نظام

اردو زبان کی گریمر لکھنے میں جن گوشوں نے جان گل کرسٹ کو زبان کے نظام کی پیچیدگیاں سمجھنے میں اہم کردار ادا کیا ان میں Verbal System خاص کردار کا حامل ہے۔ اردو افعال کے مطالعے سے ان کو ادراک ہوا کہ افعال کی بناوٹ کے قاعدے پیچیدہ ہیں اور کسی لگے بندھے اصولوں سے ان کی بناوٹ کو سمجھا جانا آسان نہ ہو گا۔ اردو زبان کے کچھ افعال ایسے بھی تھے جو تحقیق سے بے قاعدہ پائے گئے اور گل کرسٹ نے ان کو اس باب میں بڑی دقت نظری سے پیش کیا تھا۔ افعال کے مطالعے سے ان کو پتہ چلا کہ ان میں موجود ایسے افعال جو لازم اور متعدی دونوں حالتوں میں استعمال ہوتے ہیں وہ انگریزوں کو مشکلات پیدا کرتے ہیں اور کریں گے۔ ان افعال (Ergative Verbs) کے نظام کو سمجھنے کے لیے انہوں نے مغربی قواعدی روایت کے اصولوں سے ہٹ کر تحقیق کی۔ اس سے قبل ہیڈلے اس میں ناکامی کا شکار اس لیے ہوئے تھے کہ وہ ان کو لاطینی/اطالوی/انگریزی نظام فعل کے مطابق سمجھنے کی کوشش میں تھے چنانچہ ان کی تحقیقات میں کمی رہ گئی تھی۔ رچرڈ سٹیڈمین جونز لکھتے ہیں۔

> ...Hindustani ergative is often troublesome for English speaking learners because it is difficult to assimilate and produce, the uniformity and regularity of verbal system is attractive because it renders the language easier to learn and use. However, just the ergative was problematic for Gilchrist on a deeper philological level, owing to its

apparent voilation of the principles of the orderly sentence structue as set out within the theory of general grammar...(34)

گل کرسٹ کے لیے الجھن ان افعال کی وجہ سے تھی جو لازم اور متعدی دونوں صورتوں میں استعمال ہوتے تھے اور ان کے سمجھنے کے لیے کوئی کلیہ ان کے پیش نظر نہ تھا۔ موجودہ گریمر کی روایت کو دیکھیں تو ان افعال کو افعال ناقص کے تحت فعل کی تیسری شاخ کے طور پر قواعدی کتب میں شامل کیا گیا ہے۔ مولوی عبدالحق کی ''قواعد اردو'' میں فعل کو تین بڑی شاخوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے:

''فعل کی بلحاظ معنوں کے تین قسمیں ہیں۔ ا۔ لازم ۲۔ متعدی ۳۔ ناقص۔ فعل لازم وہ ہے جن میں کسی کام کا کرنا پایا جائے مگر اس کا اثر صرف کام کرنے والے یعنی فاعل تک رہے اور بس... فعل متعدی وہ ہے جس کا اثر فاعل سے گزر کر مفعول تک پہنچے... فعل ناقص وہ ہے جو کسی پر اثر نہ ڈالے بلکہ کسی اثر کو ثابت کر کے جیسے احمد بیمار ہے' اس جملے میں نہ کوئی فعل ہے اور نہ مفعول کیونکہ کام کرنے والا ہے نہ کوئی کسی پر کام واقع ہوتا ہے۔ افعال ناقص اکثر یہ آتے ہیں۔ ہونا' بننا' نکلنا' رہنا' پڑنا' لگنا' نظر آنا' دکھائی دینا' ان میں ہونا ہمیشہ فعل ناقص کے طور پر استعمال ہوتا ہے لیکن باقی افعال کبھی لازم ہوتے ہیں اور کبھی ناقص... جیسے وہ مکار معلوم ہوتا ہے' وہ پاگل ہو گیا''۔ (۳۵)

Ergative Verbs ہی دراصل وہ ناقص فعل کی صورتیں تھیں جو مختلف حالتوں میں استعمال ہو کر معنی میں تبدیلی پیدا کرنے کا باعث بنتی تھیں۔ ان کے نظام کو سمجھ کر گل کرسٹ مطمئن ہو گئے کہ فعل کی فہم سے یہ زبان سیکھنا غیر ملکیوں کے لیے زیادہ مشکل نہیں رہے گا بلکہ اس سے زبان کے جملہ امور با آسانی سمجھ سکیں گے۔ فعل کا باب فعل کی گردانوں سے شروع ہوتا ہے جس سے فعل کو مصدر سے بنائے جانے کے بنیادی طریقوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہاں وہ یہ واضح کرنا بھی نہیں بھولے کہ انگریزی زبان میں تذکیر و تانیث سے فعل کی حالت پر فرق نہیں پڑتا لیکن

اردو زبان کے سلسلے میں یہ بات بطور خاص یاد رکھنے کی ہے کہ اس کا فعل فاعل کی جنس کے حساب سے اسی کلیے کے مطابق بدل جاتا ہے جس کے تحت تذکیر و تانیث عام طور پر تبدیل ہوتی ہے مثلاً میں مارتا ہوں' (مذکر) میں مارتی ہوں (مونث)' لڑکا جاتا ہے' لڑکی جاتی ہے وغیرہ۔ گل کرسٹ گردان کی صورتیں بتاتے ہوئے کہتے ہیں؛

> We are now arrived at that part of Hindoostanee, which of all others will prove the most agreeable andsatisfactory, the whole of the verbs being reducible under on conjugation, whose changes of mood and tense are as abvious and easy, as the personal inflections are simple and uniform... the singular is almost constantly distinguished by the termination a, for the masculine and ee, for the faminine nominative; the former in the plural has e; the latter een, ee, an, or remains unnchanged. Myn میں مارتی I (a male) beat: myn martee میں مارتا martal (a female beat;....(36)

اس گردان میں مذکر کی واحد جمع' مونث کی واحد جمع کے لیے فعل جس طرح تبدیلی ظاہر کرتا ہے۔ اس کا بیان ملتا ہے۔ مثلاً وہ مارتا کی (واحد) کی جمع وی مارتی (وے مارتے) اور وہ مارتی کی جمع وی مارتین (وے مارتیں)' ہم مارتی ہیں۔ گل کرسٹ کے دیے گئے نظام املا سے اس عہد کی اردو املا کے نظام کو سمجھا جا سکتا ہے۔ گل کرسٹ نے اس باب کے شروع میں جو دعویٰ کیا تھا کہ فعل کے مطالعے کی چند باریکیوں کو نظر میں رکھا جائے تو یہ زبان سیکھنا اتنا مشکل نہیں رہتا۔ اس پر رچرڈ سٹیڈ میں جونز لکھتے ہیں؛

> "Thus Gilchrist's statement that all Hindustani verbs are 'reducible under one conjugation' is more than mare assurance that the lanuage will be easy to learn. Read against Wilkin's assault on the classical lanuages, it constitutes an assertion of the ratisnality of the'vernacular'. And of course, to be able to demonstrate that the lanuage is analogous and rational will help Gilchrist in elevating Hindustani from the status of 'jargon' to that of a polite and polished medium of exchange".(37)

فعل کے بعد متعلقات فعل، امدادی فعل اور اس کے دیگر اجزاء کو مختلف گردانوں کے استعمال سے کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ انگریزی میں Preposition کا اردو زبان میں عام طور پر اطلاق نہیں ہوتا، اس کے مقابلے میں انہوں نے Postposition کے عنوان کے تحت حروف کے استعمالات کو واضح کیا ہے۔ اس باب میں سودا اور مسکین کے علاوہ شہید، محترم نامی شعراء کے شعروں سے مباحث کو واضح کیا گیا ہے۔ Interjection کی ذیل میں کچھ الفاظ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مثلاً حوالے کے طور پر یہ الفاظ دیے گئے ہیں۔ شاباش، آفرین، واہ واہ، سبحان اللہ، کیا بات ہے، مرحبا، دھنی دھن، جزاک اللہ، صد رحمت اور ان کے دیگر مترادفات کی صورت میں مقامی الفاظ کی فہرست دی گئی ہے۔ ان الفاظ کی مدد سے خوشی و رسوماتی مواقع پر بولے جانے والے جملے بھی رومن رسم الخط میں دیئے گئے ہیں۔ تاکہ زبان سیکھنے والوں کے لیے مختلف مواقعوں پر مناسب الفاظ کی موجودگی فراہم کی جاسکے۔

لفظ کے مشتقات کو سمجھنے کے لیے گل کرسٹ نے خاص طور پر سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے الفاظ کی نہ صرف بناوٹ کے طریقے تحریر کیے بلکہ طویل فہرست کی مدد سے سابقوں لاحقوں کو نمایاں کر کے ان کی مدد سے بنائے جانے والے الفاظ کا خاصہ ذخیرہ کتاب میں شامل کیا۔ ان کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی تھی کہ اردو الفاظ کی تصریف کے عمل

میں لاحقوں اور سابقوں کی خاص اہمیت ہے۔ان کی مدد سے ہی اردو زبان کو عربی ٗ فارسی اور دیگر زبانوں سے الفاظ لینا اور ان کو اردو کے لب ولہجے اور روزمرہ میں ڈھالا جا سکتا ہے۔الفاظ کے اشتقاقات کے اظہار کے لیے مختلف فہرستوں کو The Adjunctive ٗThe Prepositive اور The Intermediate کے میبل پر ظاہر کیا گیا ہے۔غرض گل کرسٹ نے تمام ضروری سابقوں لاحقوں کی مدد سے تصریف اور Particles اشتقاقات کے عمل کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے جو قواعدی لحاظ سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

Syntax کے عنوان سے گل کرسٹ نے نحو کے مباحث کو گریمر کا حصہ بنایا ہے یہ حصہ مختصر معلومات اور دیگر مباحث پر مشتمل ہے۔نحو کی ذیل میں اردو زبان کے جملوں کی ساخت سے لے کر استعمالات کے مباحث کو چند صفحات میں سمیٹ دیا گیا ہے۔اس باب میں نحو کے مباحث کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ گل کرسٹ نے طویل اور توضیحی نحوی مباحث کو پیش کرنے سے گریز کیا ہے۔اس ذیل میں بیس اصولوں کی مدد سے جملے کی ساخت پر بحث کی گئی ہے اور یہ بحث تکنیکی سے زیادہ معلوماتی ہے۔جملوں کی نثری مثالوں کی بجائے کلاسیکی شعراء کی طویل شعری مثالوں سے مدد لی گئی ہے۔ان شعراء میں حسن ٗ سجاد ٗ سوز ٗ سودا ٗ آصف ٗ ضیاء ٗ درد ٗ ولی ٗ ملول ٗ فغاں ٗ خوش دل ٗ یقین ٗ شہید اور جوشش کے نام نمایاں ہیں۔گل کرسٹ نے اس زمانے میں اپنی لغت کے ذخیرۂ الفاظ اور مترادفات کی تلاش وتحقیق کے لیے بڑا عرصہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں گزارا تھا۔حیرت کی بات ہے کہ نحو کے لیے ان الفاظ کے جملوں میں استعمالات کے عمل سے استفادہ کی کوشش نہیں کی گئی۔نحو کے حصے میں لاطینی اور انگریزی روایت کا اطلاق بھی نہیں ملتا۔یوں گماں ہوتا ہے کہ گل کرسٹ اس حصے کو مرتب کرتے ہوئے تساہل کا شکار ہوئے ہیں۔

Etymology کے اصولوں کے تحت لفظ کی تاریخ ٗ اس کا جملوں میں استعمال اور بامعنی جملوں کے نثری نمونے دیئے جانے ضروری تھے جو نہیں دیئے گئے۔اس باب کے ضمن میں جملے کی ساخت اس کے ضروری اجزاء کا تعارف بھی پیش نہیں کیا گیا۔اس میں یہ بتایا جانا ضروری تھا کہ جملہ کی ترکیب کس انداز سے اس دور کی اردو زبان میں رائج تھی۔اردو جملے کی ساخت میں یہ دیکھا جانا بھی لازم تھا کہ وصف اسم سے قبل آتا ہے یا بعد میں۔مزید یہ کہ اسم کے ساتھ مرکب توصیفی ٗ تمیز ٗ تمیز فعل ٗ مرکب اضافی ٗ مضاف اور مضاف الیہ کی الگ سے نشان دہی نہیں کی گئی۔مرکبات کے دو بڑے اجزاء میں مرکب ناقص اور مرکب تام کی نشاندہی بھی اس حصے میں نہیں ملتی۔حالانکہ مرکبات ناقص اور تام کے مباحث پر کسی بھی قواعد نویس کا نظر ڈالنا ضروری ہوتا ہے۔نثری جملوں کی مثالیں پیش نہ کرنے سے اردو تراکیب کی نشاندہی نہیں ملتی البتہ شعراء کی شاعری کے نمونوں کی تراکیب کو رومن رسم الخط میں ظاہر کیا گیا ہے۔گل کرسٹ کی قواعد اجزائے کلام کی بنیاد پر لکھی گئی ہے۔لیکن اجزائے کلام کے مطابق جملوں کا استعمال

نظر نہیں آتا۔ چند اشارے اس ذیل میں دیے گئے ہیں جو نا کافی ہیں۔ ہجا اور صرف پر تفصیلی مباحث کی بنیاد پر گل کرسٹ جس توصیف کے مستحق ٹھہرتے ہیں نحو کے حصے میں ان کی طرف سے روا رکھی گئی غیر سنجیدگی یا کم علمی ان کی قواعدی اہمیت کے لیے کی گئی ستائش اور پذیرائی پر حرف لاتی ہے۔ مختصر یہ کہ صرف کے حصے کے مقابلے میں نحو کا حصہ کمزور ہے اگر گل کرسٹ اس پر سنجیدگی اور محققانہ ژرف نگاہی سے کام کرتے تو یہ خامی ان کی قواعد کا حصہ نہ بنتی۔

۴۔ علم عروض کے مباحث اور گل کرسٹ کی اولیت

جان گل کرسٹ کو ایک اور اعزاز حاصل ہے کہ اردو میں پہلی مرتبہ انہوں نے علم عروض پر تفصیلی مباحث کا باقاعدہ آغاز کیا اور ان کو گریمر کا حصہ بنائے۔ یہ بات خاص اہمیت کی حامل ہے کہ گل کرسٹ کے ہندوستان آنے سے قبل کسی مقامی ادیب یا عروض کے ماہر نے علم عروض پر کوئی کتاب یا رسالہ قلمبند نہیں کیا تھا۔ یہ اعزاز بھی گل کرسٹ کے کھاتے میں جاتا ہے کہ وہ پہلے فرد اور پہلے مستشرق تھے جنھوں نے ''ہندوستانی گریمر'' میں Prosody کے عنوان کے تحت اصولِ تقطیع اور علمِ عروض، بحور کی تعداد اور مختلف مستعمل صورتوں پر تفصیلی روشنی ڈالی تھی۔ واضح رہے کہ امام بخش صہبائی کے بارے میں یہ بات ثابت کی جاتی ہے کہ اُن کی کتاب ''ترجمہ اردو حدائق البلاغت'' کو اردو عروض کے سلسلے میں لکھی جانے والی پہلی کتاب کا درجہ حاصل ہے جو کسی مقامی ادیب نے قلمبند کی۔ یہ کتاب ۱۸۴۲ء میں شائع ہوئی۔ اسی سال محمد عزیز الدین گھٹالہ دید نے ''مرآۃ الاشعار'' کے نام سے علم عروض (اردو) کے مشمولات پر باقاعدہ کتاب تحریر کی تھی۔ ایک ہی سال میں شائع ہونے والی دونوں عروضی کتب کی اولیت مقامی ادیب ہونے کی وجہ سے تسلیم کی جاتی ہے۔ (۳۸)

جان گل کرسٹ نے یہ مباحث انگریزی زبان میں لکھ کر قواعد کی کتاب کا حصہ بنائے۔ گل کرسٹ سے قبل اردو عروض پر فارسی زبان میں شیخ عابد دل عظیم آبادی ''عروض الہندی'' کے نام سے ۱۷۶۲ء میں کتاب لکھ چکے تھے لیکن اس کا جو نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے وہ ۱۸۰۱ء کا تحریر کردہ ہے جو گل کرسٹ کی ''ہندوستانی گریمر'' کی اشاعت (۱۷۹۶ء) کے بعد کا ہے۔ چنانچہ گل کرسٹ وہ پہلے انگریز تھے جنھوں نے اردو علم عروض پر تفصیلی روشنی ڈالی اور کتاب کی اشاعت سے اولیت کے حامل قرار پائے۔ ڈاکٹر زبیر خالد اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے میں تحریر کرتے ہیں؛

> ''اردو پر انگریزی میں پہلی تحریر ہمیں جان گل کرسٹ John Gilchrist

A' ء میں اس کتاب 1796 کی لکھی ہوئی ملتی ہے۔ کلکتہ سے
Grammar of the Hindoostanee language or
part third of volume First of 'A system of
کے صفحات نمبر ۲۶۱ تا ۲۷۱ پر اردو' Hindoostanee Philology'
عروض کا بیان ہے۔اس میں ہجائے کوتاہ و بلند کی مغربی علامات۔ اردو؛
استعمال ہوئی ہے''۔(۳۹)

جان گل کرسٹ نے ''ہندوستانی گریمر''میں علم عروض (Prosody) کے اضافے سے ایک الگ تجربہ کیا اور اس کے مباحث سے گریمر کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا۔علم عروض اور تقطیع سے متعلق اصول و قاعدے اور مباحث کو روایتی قواعد کا حصہ نہیں بنتے لیکن اس باب سے اگر چہ قواعد کی قسم تدریسی قواعد (Pedagogical) کے اصولوں کو مدنظر رکھیں تو قواعد نویسی کے ذیل میں ہر اس بحث کا اضافہ خامی نہیں بنتا جو کسی بھی طور پر زبان کے تدریسی پہلوؤں سے متعلق ہو۔گل کرسٹ کا مقصد ان عروض کو گریمر میں شامل کرنے کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک تو قواعد کی ایک ہی کتاب میں زبان و ادب سے متعلق تمام بنیادی معلومات کو درج کر دیا جائے دوسرا یہ مباحث اگر الگ سے کسی کتاب میں نہ بھی سمٹ سکیں تو ان کو قواعد میں تحریر کر کے محفوظ کر دیا جائے۔علم عروض کے باب کے اضافے سے گل کرسٹ کی گریمر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ باب کے عنوان میں ہی مترادفات کے ساتھ مباحث کو واضح کر دیا گیا ہے۔یعنی Chapter of Prosody کے پہلے حصے میں Orthometry شامل ہے۔اس کا مترادف Versifiction باب کا ذیلی عنوان بنایا گیا ہے۔باب کے ابتدائی حصے میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس حصے میں شعری مثالیں ریختہ (اردو شاعری کی زبان) شاعر سے لی گئی ہیں۔اس باب میں پہلی بار گل کرسٹ نے (لفظ اردو) اردو زبان کا ذکر کیا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جان گل کرسٹ اردو کا نام جانتے تھے۔ اردو زبان کس زبان کو کہتے تھے اس کی وضاحت ذیل کے اقتباس سے بخوبی ہوتی ہے؛ وہ لکھتے ہیں:

"The Poetical measures of Hindoostanee,
have no common source with the Persian,
namely the Arabic: and as no author that
recollect, has professedly written on the

...rules to the lanugage we are now treating of, I shall endeavour to handle this subject as for as it relates to the Rekhtu,--- a few specimens from the various sorts of works in the ' mixed Dialect, also called OOrdoo,اردو' or the polished language of the court, and which even at this day pervades with more or less purity, that vast provinces of a once powerful empire"(40)

اشعار کی تقطیع سے قبل بحروں کا تعارف واہمیت' ان کی ارتقائی صورت' عربی اور فارسی شعراء کے ہاں بحور کا استعمال' تعداد اور ان کے نام اور ہندوستانی شعراء کا ان کو اپنانا ان پر مختصر معلومات باب کا حصہ بنائی گئیں ہیں جو دلچسپ ہیں۔ جز کیا ہے' ارکان کیا ہیں؟ ان سوالات کا جواب دینے کے بعد پندرہ مختلف بحروں کے نام اور ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ تقطیع کیا ہوتی ہے' کیسے کی جاتی ہے' ارکان کا شمار کس طرح کیا جاتا ہے' ان سب معلومات سے گل کرسٹ کی دلچسپی کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ ان تکنیکی گوشوں کی طرف تو مقامی آبادی کی معلومات بھی اتنی زیادہ نہ ہوں گی جتنی دلچسپی اور تفصیل سے گل کرسٹ نے ان کو بیان کیا ہے۔ ارکان کی تقطیع میں ساکن' متحرک' سبب خفیف' سبب ثقیل' وتد مجموع یا مقرون' وتد مفروق' پر معلومات شامل ہیں۔ تقطیع کو گل کرسٹ نے کس طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی' اس اقتباس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے :

"The Arabic call a metrical foot, rookn رکن and have adopted a series of words, as regulating standards for their various feet ارکان urkan, which are used by Poets that scanning verses, in this way,

مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
mufayeeloon	mufayeeloon	mu,fayeeloon	mufayeeloon
....	....	....	....
hupychhane nomen soorut	koeekisturhi hurika	bhulasouda kikoochse khooch	zumanekoki ooszalim
زمانے کو کہ اوس ظالم	بہلا سودا کہ کچھ سی کچھ	کوئی کس طرح ہی ہر ایک آن	پی چھانی میں صورت

(۴۱)

تقطیع کے اصولوں میں رومن حروف واعداد کے استعمال سے ارکان کی تقطیع، مثمن، مسدس، بحر ہزج، بحر رمل، بحر مقتضب، بحر مجتث، بحر سریع، بحر جدید، بحر قریب، بحر خفیف، بحر مشاکل، بحر متقارب، بحر متدارک، نثر مقفیٰ یا مسجع پر تفصیلی انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے جن کے مطالعہ سے اٹھارہویں صدی کے غیر ملکی اور مقامی بھی فائدہ اٹھا کر عروض تقطیع سے واقفیت حاصل کر کے شاعری کی تکنیکی جہات سے نہ صرف لطف اندوز ہو سکتے تھے بلکہ وزن اور بحر کی کمی بیشی کو محسوس بھی کر سکتے تھے۔ ان بحور کے علاوہ غزل کے لوازمات مطلع، حسن مطلع، مقطع، تخلص کے بارے میں معلومات بھی باب کا حصہ ہیں۔ گل کرسٹ کی توجہ زیادہ تر غزل اور مرثیے پر مرکوز رہی تھی جس کی اکثر مثالیں کتاب میں جگہ جگہ موجود ہیں' اس باب میں شاعری کی دوسری ہئیتیں واصناف جن میں مستزاد' ترجیع بند' قطع بند' مثلث، مثمن، مثنوی' قطع' غزل' قصیدہ کا حدو تذکرہ باب کا حصہ ہے۔ اس باب کے مشمولات پر گو انہوں اجمالی انداز سے ہی روشنی ڈالی ہے لیکن اس کے باوجود اس باب کی اپنی اہمیت اور اس کی موجودگی سے گریمر کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔

۵۔ موسیقی کے راگ اور راگنیوں کا بیان

گل کرسٹ کو موسیقی کے مقامی راگوں سے متعلق بھی بہترین معلومات تھیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح ایک قواعد و لغت نویسی کے خشک و بے کیف میدان میں لکھنے پڑھنے والا اسکالر نہ صرف یہ کہ کلاسیکی شاعری کا بہتر ذوق رکھتا ہے' اور حسب موقع ان کے حوالے یوں پیش کرتا ہے کہ غیر ملکی ہونے کا شائبہ تک نہیں ہونے دیتا بلکہ اردو شاعری کی مترنم بحروں والی نظم غزل کو گائے جانے سے متعلق بھی اہم معلومات رکھتا ہے۔ غزل' رباعی' مثنوی اور باقی اصناف کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے قاری کو یہ بتانا بھی ضروری خیال کیا کہ اوپر ذکر کی گئی مختلف اصناف شاعری کو

ہندوستان میں مختلف مواقع پر مختلف انداز سے گایا بھی جاتا ہے۔ مسلم عہد حکومت میں موسیقی کا ذوق ہندوستان کے اہم عنصر کے طور پر اپنا لیا گیا تھا۔ گل کرسٹ کا خیال ہے کہ ہندوستانی گیتوں کے پیچھے موجود ''راگ مالا'' جس میں مختلف راگ، راگنیاں، پُتر اور سروں کا پورا نظام سنسکرت عہد اور شاعری سے اخذ کردہ ہے جو ہندو اور مسلم دونوں اقوام نے ہندوستان کے ثقافتی ورثے کے طور پر اپنا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ موسیقی کے اس ورثے کو ہندوستانیوں نے گو عہد قدیم کی یادگار کے طور پر اپنا لیا ہے لیکن ہندوستان کے موسیقار، فنکار، رقاص اور موسیقی کے فن سے متعلق جڑے ہوئے افراد نے اپنے سائنسی وژن اور فنکارانہ صلاحیتوں کی بدولت ترقی دے کر پروان چڑھایا ہے۔ آگے چل کر مسلم اور ہندو گویوں کو جن مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے ان کے بارے میں معلومات موجود ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> "As most of these lyric poems are set to musick, and sung by the indian Musicians, dancers &--- The Moosulman performers called Kulwant, Quwwal, D,haree & c, not only set the Persian and Rekhtau ghuzul, ode, mursee,u, elegy, Tappa, a gloo, kh,eal, a catch, gowl, an air, turanu, a symphony, to musick: but the Hinduwee (d,hoorpud, geet, kurka &c) songs also, being chiefly quided in the modulation of all these by the Sanskrit Rag and Ragnee--- whereon the whole musical system of India seems to have been originally founded, and which has been in great measure adopted by the Moosulmans also;"(42)

اس اقتباس کے بعد گل کرسٹ نے سنسکرت سے اخذ/قبول کردہ موسیقی کا نظام جس کو انہوں نے راگ مالا کا

نام دیا ہے کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ راگ کی تفصیل کے لیے باقاعدہ ٹیبل بنا کر راگ اس کی راگنی کی مختلف اقسام، ان کی خصوصیات، ان راگوں کے لیے موزوں وقت اور موسموں کی تفصیل کے ساتھ ساتھ آخری خانے میں Pootr (پتر) کا ذکر کیا ہے جو انہی راگوں کی مزید چھوٹی قسم یا توضیح دکھائی دیتی ہے۔ راگ اور راگنی کے تال میل کے سمجھنے سے پہلے موسیقی کے اس بنیادی عنصر کا پتہ ہونا ضروری ہے جس سے یہ راگ جنم لیتے ہیں۔ راگوں کا یہ نظام بنیادی طور پر جس ماخذ سے نکلتا ہے اسے موسیقی کی زبان میں ٹھاٹھ کہا جاتا ہے۔ ٹھاٹھ اصل میں وہ بنیادی اہمیت کا حامل عنصر ہے جسے موسیقی کے مقرر سروں کا پیمانہ کہا جائے تو موزوں ہے۔ ٹھاٹھ ہمیشہ سمپورن ہوتا ہے۔ سمپورن سے مراد یہ کہ یہ سات سروں (سا۔رے۔گا۔ما۔پا۔دھا۔نی) پر مشتمل ہوتا ہے یہ سات سر دنیا بھر کی موسیقی کے بنیادی سر ہیں جن سے ہٹ کر کسی قسم کی موسیقی بھی اعتبار کے درجے کو نہیں پہنچتی۔

راگ ٹھاٹھ سے نکلتے ہیں۔ ایک ٹھاٹھ کے نیچے متنوع اقسام کے راگ موجود ہوتے ہیں جو سامع کے موڈ اور مزاج کے مطابق موسیقی ترتیب دینے میں معاون ہوتے ہیں۔ راگ کو اصل میں وہی نام ملتا ہے جو نام ٹھاٹھ کا ہوتا ہے۔ دنیا بھر کی موسیقی صرف ۱۰ ٹھاٹھوں سے جنم لیتی ہے۔ ان دس ٹھاٹھوں کے کئی راگ بنتے ہیں۔ جان گل کرسٹ نے موسیقی کی تفصیل دیتے ہوئے راگوں کو پیش کیا ہے۔ ان میں راگ (بھیروں)، راگ مالکوس، راگ ہنڈول، دیپک راگ، راگ سری راگ، راگ میگھ کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر پہلا راگ (بھیروں) کے عنوان سے دیا گیا ہے۔ یہ راگ دراصل طلوع آفتاب کے قبل کا راگ جو عام طور پر عبادت کا راگ یا بھجن گائے جانے کے لیے موزوں خیال کیا جاتا ہے۔ گل کرسٹ نے نہ صرف یہ کہ اس کے تعارف میں طلوع آفتاب کا ذکر کیا ہے بلکہ اس سے بننے والی راگنیوں جن میں بہروی، بیراری، مدہ مادہ، سندھوی، بنگالی کا ذکر کر کے ان کے لیے موزوں وقت اگلے خانے میں دیا ہے جو کہ نہ صرف راگوں کے موڈ اور مزاج کی خصوصیات پر بنیادی معلومات کا حامل ہے بلکہ غیر ملکیوں کے لیے مقامی راگوں اور ان کے استعمالات سے جڑی ہوئی نزاکتوں کو سمجھنے میں معاونت کے لیے کارآمد ہے۔ بھیروں (بہرون) راگ کے خانے Pootr میں ہرکہہ، تلک، پوریا، مادھو، سوہ، بلیلیہ، مدہ، پنچم کا ذکر ہے۔

مالکوس راگ کے لیے بہتر وقت سردیوں کے موسم کے ساتھ ساتھ رات کے پچھلے پہر کا وقت دیا گیا ہے۔ یہ راگ لوڑی، گوری، گن کلی، کنبھاوتی، ککبہ کی راگنیوں اور مارو، مروار، برہنس، چندر، نند، بہنور، کھوکھہ کی ذیلی اقسام کے ساتھ موجود ہے۔ یہ راگ دنیا کے قدیم ترین راگوں میں سے ہے۔ یہ راگ بھی بھیروں ٹھاٹھ کا راگ ہے۔ پانچ سروں کے اس راگ کو اوڈو بھی کہا جاتا ہے۔ مالکوس کا سارا راگ کومل سروں میں ہے۔ تیسرا راگ ہنڈول راگ ہے۔ یہ راگ کافی ٹھاٹھ کا راگ ہے جو عام طور پر بہار کے موسم میں گایا جاتا ہے۔ موسم کی کیفیات کو اس راگ

سے بہتر انداز سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس راگ کو رام کلی' دسیا کہ' للت' بلاول' پلنجری' کی راگنیوں اور چندریمب' منگل' سوبھا' آنند' ہوڈ' پروہن' گورا اور بہاس کی ذیلی شاخوں میں دکھایا گیا جن کی تفصیل موجود نہیں ہے صرف نام ملتے ہیں۔

دیپک راگ گرمی کے موسم میں عام طور اساتذہ نے اس راگ کو گانے کا حکم دیا ہے۔ اس کی راگنیوں میں دیسی' کاموڈنٹ' کدارا' کانہڑا' کرناٹی' اور پتر میں کنتل' کمل' کلنگ' چنچک' کسنبھہ' رام' لہل' ہمال کے نام شامل کیے گئے ہیں۔ پانچواں راگ سری راگ سردیوں کی دوپہر کو گایا جانے والا راگ ہے جو مالسری' مارو' دھناسری' بسنت' اساوری کی راگنیوں اور سندھو' مالو' گونڈ' گن ساگر' کنبھہ' گنبھیر' سنکر' بھاگرا کے پتر میں موجود ہے۔ میگھ راگ ساون رت کا گایا سنا جانے والا راگ جو رم جھم کے خوبصورت موسم کی لطافتوں کو محبوب اور محب کے لیے یادگار بنا دیتا ہے۔ اس راگنیوں میں ٹنک' ملار' گوجری' بھوپالی' دلیکار کی راگنیوں اور جالندھر' سارنگ' نٹ نارائن' سنگر ابہرن' کلیان' گجدہر' گدہار' سہانا کے پتر میں موجود ہوتا ہے۔ موسیقی کے راگوں کی مختصر سی جھلکیاں گل کرسٹ کے وسعت مطالعہ اور متنوع جہاد کو سامنے لاتی ہیں۔ بلاشبہ موسیقی سے متعلق یہ کام بھی اپنی جگہ اہم ہے۔ اس کے اصولوں کی مشق کرائی گئی ہے۔ قواعد کے سلسلے کے آخری ابواب اپنے مزاج کے حساب سے خاصے اہم ہیں اور دلچسپی سے بھرپور ہیں۔

۶۔ ہندوستان کی معاشرت زندگی کے لوازمات کی تفصیل

گل کرسٹ نے متفرقات (Miscelleneous) کے عنوان کے تحت ان تمام معلومات' اشیائے ضروریہ کی تفصیل و پیمانے اور ہر اس پہلو کے متعلق تفصیلی معلومات جمع کر دی ہیں کہ جس کا ہر نو وارد غیر ملکی کو اپنی عملی زندگی سے سابقہ پڑنے کا احتمال بھی ہو سکتا تھا۔ باب نمبر دس میں وقت کی تقسیم گھنٹے' منٹ' دن ہفتے مہینے سال' اور ان کی پیائش سے متعلق ہندوستانی افراد کا نقطہ نظر اور طریقہ بھی درج کر دیا ہے۔ اس ضمن میں جتنی باریکیوں کی طرف ان کی نظر گئی ہے (جن کی مثالیں دی جاتی ہیں) ان سے ان کی ہندوستانی زبان (اردو) سے متعلق نزاکتوں اور چھوٹی سے چھوٹی معلومات کے اس بات میں شامل کرنے سے کتاب کی اہمیت تو اس دور میں بڑھ ہی گئی تھی' آج کے دور میں بھی اس عہد کے ہندوستانی معاشرت کو سمجھنے کے لیے معاشرتی عوامل کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔ ان تمام متفرق موضوعات کے ساتھ ساتھ زبان اور اس کے املائی نظام اور تحریری اصولوں کی طرف بخوبی نظر کی گئی ہے۔ آخر میں ان تمام مصنفین کا قلمی نام' اصل نام اور ان کے بارے میں مختصر معلومات کو کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے' جس سے کتاب کے پڑھنے والوں کی تشنگی کم ہو گئی ہو گی۔ یہ بات آج تو گریمر سے متعلق نہ بھی ہو پھر بھی اس عہد کی ضروریات کو سمجھ کر

شامل کردیے جانے سے گریر ایک ایسے سیاح کی معاشرت سے متعلق معلومات کو اکٹھا کردینے والا معلوماتی کتابچہ بن گئی ہے جس کی اپنی جگہ اہمیت موجود ہے۔

وقت کے پیمانوں کی مقامی تقسیم سے متعلق معلومات کا ایک ذریعہ عوامی بول چال اور کے ساتھ گل کرسٹ کے میل ملاپ سے جڑا ہوا ہے دوسرا ذریعہ ایشیاٹک ریسرچ کے پہلے والیم سے متعلق ہے جس سے اخذ واستفادے کا ذکر انہوں نے باب کے شروع میں ہی کردیا ہے۔ وقت کے مختلف چھوٹے بڑے پیمانوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس بات کا اظہار کرنا وہ نہیں بھولتے کہ مقامی افراد وقت کی پیمائش کسی خاص سائنسی اصولوں یا کلیوں کی مدد سے نہیں کرتے بلکہ یہاں اس کام کے لیے مقامی اصطلاحات اور اندازے رائج ہیں جن کی مدد سے وقت' دن رات کا تعین کیا جاتا ہے۔ گل کرسٹ ان مقامی پیمانوں کی صحت سے متعلق شک کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کسی خاص' واضح اور منظم پیمانوں کے کلیے کی عدم موجودگی ان کی قطعیت میں ابہام پیدا ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے۔ بہرحال اس خیال سے قطع نظر ہندوستان انہیں پیمانوں پر وقت کی تقسیم کررہا تھا جس کی تفصیل اس باب کے شروع میں دی گئی ہے۔ ان کے مطابق یہ تقسیم ہوں کی گئی ہے کہ ۶۰ تل یا اُنو پَل (Til or Unoopul) ایک بائی پَل (Bipul) کے برابر ہوتے ہیں ۶۰ بائی پَل' ایک پَل کے برابر' ۶۰ پَل (Pul) ایک گھڑی کے برابر' ۶۰ گھڑیاں ۲۴ گھنٹوں یعنی دن اور رات کے برابر ہوتی ہیں۔ ۶۰ گھڑیوں کو ہندوستان میں Dhund بھی کہا جاتا ہے۔

اس باب کا قواعد کے سلسلے میں براہ راست کوئی تعلق نہیں بنتا لیکن اگر گل کرسٹ کی فلالوجی کے منصوبے کی غرض وغایت کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو کتاب میں موجود ہر ہر متعلق اور غیر متعلق جز کی پیش کش کا جواز سمجھ میں آجاتا ہے۔ گل کرسٹ کے پیش نظر محض لغت وقواعد کی کتاب چھاپ کر پیسے اور عزت کمالینا اہم نہ تھا بلکہ ان کی کوشش یہ تھی کہ ہندوستان میں آنے والے کسی بھی غیر ملکی ہم وطن کے لیے ذرا سی بھی معلومات جو اس کے لیے ضروری ہوں' کہیں کتاب میں شامل ہونے سے رہ نہ جائیں۔ اور یوں مقامی آبادی میں اثر ونفوذ سے لے کر حکمرانی تک کے مقاصد کے لیے عوامی زندگی سے جڑے ہوئے عام سے عام مظہر کو بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے تھا جو انگریزوں کو روزمرہ زندگی میں پیش آتا۔ ہندوستان میں دنوں کے نام مختلف علاقوں میں خاصے اختلاف سے بولے جاتے تھے۔ گل کرسٹ نے ٹیبل بنا کر ہندوستانی' ہندوی' فارسی اور انگریزی ناموں کے تقابل سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا مقصد یہ بھی ہوسکتا تھا کہ نوآبادیاتی حکمرانی کے لیے جو افسران متعین کیے جائیں گے وہ جس علاقے میں بھی جائیں گے تو ان کے لیے اس علاقے میں موجود دنوں کے ناموں اور دیگر معلومات معاون ہوں گی۔ اتوار' سوموار/ پیر' منگل' بدھ' جمعرات' / پچھی' جمعہ' سنیچر یا بار تو ہندوستانی کے ٹیبل میں' ربی بار' سومبار' منگل بار' بدھ بار' لکھی

بار،سکر بار،سنی بار کو ہندوی ناموں کے ٹیبل میں اور شنبہ یک شنبہ کو فارسی ٹیبل میں رکھا گیا ہے۔ان سب کے مترادف کے طور پر انگریزی ٹیبل موجود ہے جس سے ملا کران کو پڑھا سمجھا جاسکتا ہے۔وار یا بار کے بارے میں گل کرسٹ یہ معلومات بھی بہم پہنچاتے ہیں کہ یہ لاحقہ سنسکرت سے موجودہ زبانوں میں آیا ہے اور یہ کہ سنسکرت اور لاطینی زبانوں میں دنوں کے یہ نام تقریباً ملتے جلتے ہیں اور ایک ہی اصول پر بنائے گئے ہیں یعنی یہ نام نظام شمسی کے سیاروں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔اس کے بعد ہفتہ' اٹھوارہ' عشرہ' چاندرات' چودھویں رات' پورن ماشی' اماوس کی رات اور ساتھ ہی دیسی اور مسلم مہینوں کے ناموں کے ٹیبل موجود ہیں جو عربی فارسی رسم الخط کے ساتھ ساتھ رومن میں موجود ہیں' مہینوں کے دنوں' ان کے اعداد' تعویذی اصول' سولر نشانات' ہندوستان میں گرہن کے راستے (ٹریک)' ہندوستان کے جغرافیے کی بنیادی معلومات' نقشے میں یہ معلومات کہ یہ کتنے طول بلد عرض بلد پر واقع ہے۔اس باب کے مشمولات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ گل کرسٹ کے پیش نظر بہر حال ماہرانہ' مدرسانہ اور محققانہ انداز نظر موجود تھا جس نے ہندوستان کی معاشرت' تہذیب' ثقافت' زبان' موسم' مزاج' جغرافیہ' رسوم ورواج وغیرہ سے مکمل آگاہی قاری کے لیے قواعد کی کتاب میں پیش کر دی تھی۔یہ بلاشبہ ان کا اہم لاثانی اور لافانی کارنامہ تھا جو تاریخ کے اوراق نے محفوظ کر لیا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کی ایک ماہر سیاح کے سفرنامے کے طور پر بھی دیکھا پڑھا جاسکتا ہے۔

۷۔ ہندوستانی گریمر میں مرزا رفیع سودا اور مسکین کے شعری حوالے

جان گل کرسٹ کو مرزا رفیع سودا سے ایک خصوصی عقیدت تھی اور وہ عقیدت اس طور پر بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ وہ سودا کو اپنا معنوی استاد تسلیم کرتے تھے۔گل کرسٹ کا یہ دعویٰ اپنی جگہ پر خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے اردو زبان مرزا رفیع سودا کے کلیات سے سیکھی۔اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ وہ جب ۱۷۸۲ء میں بمبئی آئے تو ہندوستانی (اردو) زبان سیکھنے کے لیے حسب قاعدہ ان کو جارج ہیڈلے کی ''ہندوستانی گریمر'' مطالعہ کے لیے پیش کی گئی۔وہ اس کتاب کی زبان،مندرجات اور طریقہ کار سے زیادہ مطمئن نہ ہو سکے تھے چنانچہ ایک دوست نے ان کو یہ کتاب چھوڑ کر مرزا رفیع سودا کی کلیات پڑھنے کا مشورہ دیا تو یہ مشورہ ان کو زیادہ سود مند نظر آیا اور یوں وہ سودا کی کلیات کی مدد سے اردو زبان سیکھنے اور پڑھنے کے قابل ہو گئے۔سودا کی کلاسیکی شاعری کے مطالعے نے ان کو مزید اردو کلاسیکی شعراء کے مطالعے کی طرف راغب کیا جو آگے چل کر مختلف حوالوں سے ان کے کام آیا۔ان کی کتاب ''اے گریمر آف ہندوستانی لنگویج'' میں اجزائے کلام' علم ہجا' نحو' علم عروض اور ہندوستان کی معاشرتی زندگی کی مثالوں کی وضاحت کرتے ہوئے جگہ جگہ سودا اور مسکین کے اشعار اور مرثیے بطور مثال پیش کیے

گئے ہیں، جن کا ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے۔ گریمر کا پہلا باب Elements علم ہجا کے مباحث اور مشمولات پر سیر حاصل تبصرے کا حامل ہے۔ اس باب میں اردو قواعد کے مختلف عناصر کے اصول بتانے کے بعد ان کی تشریح اور مثالوں کے لیے مرزا رفیع کی شاعری سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر گل کرسٹ نے واولز اور کانسونیٹ کی بحث کرتے ہوئے سودا کی یہ غزل درج کی ہے۔ ان اشعار کو ہم جدید املا کے طریقے سے لکھ رہے ہیں تا کہ پڑھنے میں آسانی رہے۔

باتیں کدھر گئیں وہ تیری بھولی بھولیاں
دل لے کے بولتا ہی جو تو اب یہ بولیاں
ہر بات ہے لطیفہ و ہر یک سخن ہے رمز
ہر آن ہے کنایہ و ہر دم ٹھٹھولیاں
حیرت نے اس کو نیند نگر نے دی پھر کبھو
آنکھاں جس آرسی نے ترے منہ پہ کھولیاں
اندام گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے چاک
یوں خوش چھون کے تن پہ مسکتی ہیں چولیاں
سودا کے دل سے صاف نہ رہتی تھی زلف یار
شانہ نے بیچ پڑ کے گرہیں اوس کی کھولیاں

(ہندوستانی گریمر، ص ۵)

قواعد کے دوسرے باب میں جو Article کے مباحث سے متعلق ہے اس میں بھی مثالوں کے لیے سودا کے یہ اشعار کتاب کا حصہ ہیں۔

جیوں غنچہ تو چمن میں بند قبا جو کھولی — پھر گل سے اے پیارے بلبل کبھو نہ بولی
آوے گا وہ چمن میں تڑکے ہی مے کشی کو — شبنم سے کہہ دے بلبل پیالے گلوں کے دھولے
باغ جہان میں آ کر کچھ ہم نے پھل نہ پایا — اک دل ملا کہ جس میں ہیں سیکڑوں ملولے

اب کچھ اشعار قدیم املا کے مطابق، تا کہ قارئین کو اُس دور کی املا سے کچھ واقفیت ہو سکے۔

اب خدا حافظ ہی سودا کا بھی آتا ہی رحم
ایک تو بستا ہی دیوان تس پہ آتی ہے بہار

سا لہا ہم نی نالۂ شب گیر کیا
آہ ایک روز تیری دل میں نہ تاثیر کیا

گل کرسٹ نے سودا کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے
دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے

میں حضرتِ سودا کو سنا بولتے یارو
اللہ ہی اللہ کہ کیا نظم و بیاں ہے

ہندوستانی گریمر میں گل کرسٹ نے قواعدی عناصر کی تشریح وتوضیح کے لیے قریباً بتیس (۳۲) کلاسیکی شعراء کے شعری نمونے درج کیے جن کے ناموں کی مکمل فہرست گریمر کے آخری صفحات پر درج ہے۔ مرزا رفیع سودا اور مسکین کے شعری حوالے سب سے زیادہ ان کی گریمر کا حصہ بنائے گئے۔ مسکین اور سودا کی شعری مثالوں کی بہتات کا مقصد دراصل اس معیاری اور عوامی بول چال کا عملی نمونہ فراہم کرنا تھا جس کو بروئے کار لا کر انگریز حکومت کے لسانی مسائل حل کیے جا سکیں۔ گل کرسٹ نے سودا کی غزل کو معیاری اور اشرافیہ کی زبان کے خانے میں رکھا۔ اشرافیہ کی نستعلیق قسم کی زبان کا نمونہ انہوں نے عدالتی امور کی انجام دہی کے لیے تجویز کیا۔ جبکہ مسکین کے مرثیے کی زبان کو خوبصورت اور عام فہم قرار دیتے ہوئے اس کو انگریزوں کے لیے سیکھنے اور امورِ دفتری چلانے کے لیے موزوں تجویز کیا۔ یہ دو شاعر دراصل اردو زبان کے دو روپ تھے جن کی نشاندہی اور تشکیل، گل کرسٹ کے "Language of Command" منصوبے کا مقصد تھا۔ اس نقطہ نظر پر تفصیلی روشنی باب نمبر ۵ میں ڈالی گئی ہے۔ ہندوستانی گریمر میں پیش کیے گئے مسکین کے مرثیے کے چند اجزا برائے مطالعہ تحریر کیے جاتے ہیں (مسکین کے مرثیے کی املا کو جدید املائی روپ میں تحریر کیا جا رہا ہے)

(۱) باندھے ہوئے بچوں سے یہ سن کر آہ و زاری
حارث لعین کی عورت بے تیرا رو پکاری

عورت کے سر میں پہلے شمشیر وس نے ماری
پھر اپنا مار ڈالا بیٹا کنوارا بالا

(ہندوستانی گریمر ص ۴۵)

(۲) جس دم فرات اوپر پہونچا بڑا وہ خونخوار
اپنے غلام کے ہاتھ دی اپنی ننگی تلوار

کہنے لگا کہ میں کیا چھوٹوں اوپر کروں وار
تو ان بچوں کا سر کاٹ اے نوجواں لالا

(ہندوستانی گریمر ص ۴۶)

(۳) حارث لعین جو چونکا یعنی یہ شور کیا ہے
دیا جلا کے ڈھونڈا، کوئی اپنے گھر گھسا ہے
ہمسایوں کے گھر میں کوئی چور کیا پڑا ہے
آخر بچوں کو پکڑا حجرے ستی نکالا
(ہندوستانی گریمر ص ۶۰)

(۴) وہ پانی بھرنے والی سن کر کے دکھ اونہوں کا
رو کر کہا بچوں نے مسلم تھا نام وس کا
کہنے لگی تمہارے بابا کا نام کیا تھا
کس کس محبتوں سے تھا ہم کو اوس نے پالا
(ہندوستانی گریمر ص ۶۰)

گریمر کے آخری صفحات میں جان گل کرسٹ نے ان تمام شاعروں کا قلمی نام، اصل نام اور وطن/شہر کا نام لکھا ہے۔ اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے ان شعراء کو ہندوی اور ہندوستانی شاعروں کی ذیل میں ظاہر کیا ہے۔ جسے اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے کہ ہندوستانی زبان دراصل اردو زبان کو ہی لکھا گیا ہے۔ ان شعراء میں امیر خسرو، شاہ ولی احمد، مرزا محمد رفیع سودا، میر تقی میر، درد، فغاں، آبرو، مظہر، یقین، سوز، قدرت، مسکین، جرات، جعفر زٹلی اور محمد افضل افضل جیسے مشہور و معروف شعراء کے نام درج کیے گئے ہیں۔ ان کا تعلق جس شہر سے تھا اس کا ذکر کرنے کے بعد اس بادشاہ کا نام بھی درج ہے جس کے عہد حکومت میں یہ لوگ موجود تھے۔ ان میں عبدالحئی تاباں کے بارے میں حاشیے میں انہوں نے بڑی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ یہ بات لکھی ہے کہ مرزا سودا بھی تاباں کے خاصے معترف تھے۔ ان شعراء کے بھاکھا یعنی خالص ہندوی شعراء کے نام اور ان کے کام کے اعتراف میں گل کرسٹ نے بخل سے کام نہیں لیا بلکہ کلاسیکی ہندوی شاعری کے طالب علم کی توجہ ان شعراء کے مطالعہ کی طرف دلائی ہے۔ ان شعراء میں خوب گنج، تلسی، بہری، سورداس، کبیر اور نانک کے نام ملتے ہیں۔

ہندوستانی گریمر کے آخر میں منکسر مزاج مصنف اور مولف کے طور پر گل کرسٹ نے اپنے کام میں غلطیوں کے ہونے کے امکان کو رد نہیں کیا اور اس ضمن میں وجہ بتائی ہے کہ اگر کوئی غلطی پائی جائے تو اسے ان کے منشیوں کی ان کی فہم کی خطا سمجھ کر نظر انداز کیا جائے۔ دوسری بات یہ بھی کہی ہے کہ امید ہے کہ جتنی محنت اور لگن سے یہ کام مرتب کیا گیا ہے اس میں غلطی کی گنجائش کم ہوگی۔ آخر میں اس کام میں کسی بھی طور ان کے کام آنے والے اصحاب جن میں موسیقار وغیرہ بھی شامل تھے ان کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔

۸۔ ہندوستانی گریمر، اورینٹل لنگوئسٹ، انٹی جارگونسٹ، برٹش انڈین مانیٹر اور ہندوستانی فلالوجی میں درج قواعد کی مماثلتیں اور تقابل

"ہندوستانی زبان کی قواعد" (A Grammar of Hindoostanee Language) کلکتہ سے ۱۷۹۶ء میں شائع ہوئی تھی جو گل کرسٹ کے ہندوستانی فلالوجی کے منصوبے کا دوسرا بڑا حصہ تھی۔ یہ کتاب قواعد کے میدان میں تفصیلی، جامع اور لسانی اہمیت کے معاملے میں ایسی کتاب ثابت ہوئی تھی جیسی اس سے قبل کسی مستشرق کے قلم سے نہ لکھی گئی تھی۔ مشرقی روایت تو قواعد کی کتب کے میدان میں تہی دامن تھی۔ اس کتاب کی اشاعت نے جہاں اردو زبان کی ایک بہترین قواعد سے مملو کیا وہیں پر گل کرسٹ کے کیریئر کا ایک بڑا اضافہ بن کر آئی۔ اس کتاب کو مرتب کرتے ہوئے مصنف کے پیش نظر یہ نکتہ ہمیشہ رہا کہ جارج ہیڈلے کی قواعد ہندوستان اور انگلینڈ میں اپنی مقبولیت بنا چکی تھی اور یکے بعد دیگرے اس کے ایڈیشن شائع ہو رہے تھے۔ گل کرسٹ نے ہیڈلے کی قواعد سے ہٹ کر ہر ہر باب پر اتنی محنت کی کہ ہیڈلے کی قواعد سے بہتر قواعد بن کر سامنے آئی۔ گل کرسٹ کی قواعد کے بعد میں بھی کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ گل کرسٹ کی کتب میں ایک بات کا تواتر سے راقم نے مشاہدہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنی بعد میں آنے والی کتب میں قواعد کے اہم حصے شامل کیے تھے جن کا تجزیہ کیا جانا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر دوران تحقیق یہ بات سامنے آئی ہے کہ گل کرسٹ کی "ہندوستانی گریمر" (۱۷۹۶ء) میں جتنی تفصیل سے قواعدی مباحث بیان کیے گئے ہیں کسی اور کتاب میں نہیں پیش کیے گئے لیکن یہ قواعدی مباحث دوسری کتب میں بھی شامل کیے گئے ہیں جن میں اورینٹل لنگوئسٹ، انٹی جارگونسٹ، ہندوستانی فلالوجی اور برٹش انڈین مانیٹر اور رسالہ گل کرسٹ میں قواعد کا حصہ شامل ہے۔ ذیل میں قواعدی مباحث کا تعارف و جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ہندوستانی زبان کے بارے میں گل کرسٹ کا نقطہ نظر کیا تھا، اس کتاب کے تعارفی باب کے مطالعے سے اس کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہندوستانی زبان ملک بھر کے تمام افراد (ہندو، مسلم، دیگر افراد) کی مشترکہ زبان ہے جو ہر جگہ بولی سمجھی جانے کی وجہ سے شہرت کی حامل ہے۔ مسلمانوں کے ہندوستان ورود کے بعد عربی فارسی الفاظ و آہنگ کی آمیزش یہ ہندوستانی زبان کے روپ میں ظاہر ہوئی (جو موجودہ اردو کہلاتی ہے)

"اورینٹل لنگوئسٹ" (۱۷۹۸ء) "ہندوستانی گریمر" کے دو سال بعد کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں دیباچے کے طور پر اڑتیس رومن نمبر والے صفحات سامنے آتے ہیں۔ تفصیلی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس دیباچے اور "انگریزی ہندوستانی لغت" کے طویل مقدمے کے مشمولات میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ اس کتاب کے مقدمے کا

موضوع بھی (ہندوستانی) اردو زبان کے بارے میں بنیادی معلومات کا بیان ہے۔ اس میں گل کرسٹ کی ہندی' ہندوستانی اور ہندوی زبانوں میں فرق والی مثال اور ڈائیگرام دی ہے جو ان کی باقی کتب میں بھی دہرائی نہیں گئی ہیں کہ یہ اردو کی ترکیب و تشکیل میں عربی فارسی الفاظ کے شامل ہونے کی مثال کے لیے سیکسن' لاطینی اور انگریزی کو لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں انگریزی اور اردو زبان کے مترادف معنی کی حامل ایک لغت مختصر صفحات میں لکھ کر شامل کی گئی ہے (جس کا ذکر لغت والے باب میں آچکا ہے)۔ اس کتاب میں شروع کا حصہ جو کہ دیباچے کے طور پر کتاب میں شامل ہے اس میں قواعد کی ضروری مختصر بحثیں شامل ہیں جن میں حروف تہجی' ناؤن' آرٹیکل' پوسٹ پوزیشن' صفت' فعل' اردو زبان میں گنتی' دن' مہینوں کے نام' وقت کی پیمائش کے پیمانے شامل ہیں۔ اس کتاب میں قواعد کے اجزا شامل کرنے سے مقصد یہی تھا کہ اس ایک کتاب کو Vade-Mecum (دستی کتاب) قسم کی کتاب بنادی جائے تا کہ جو غیر ملکی ضخیم قواعد و لغات ساتھ نہ رکھنا چاہے وہ اس دو صفحات کی کتاب کو آسانی ساتھ رکھ سکے۔ کتاب میں انگریزی اردو اور اردو انگریزی ذخیرہ الفاظ پر مشتمل لغت کا حصہ بھی دیا گیا ہے جو سیاحوں کی ضرورت کے مطابق الفاظ اور ان کے معنی و مترادف کے علاوہ "Dialogues" (مکالمات) منتخب کہانیاں' جنگ نامے' ہندوستانی شاعری کے نمونے اور اردو غزلوں کو موسیقی کی زبان میں کمپوز کر کے کتاب کا حصہ بنایا گیا۔

"The Anti-Jargonist" کلکتہ میں ۱۸۰۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بھی کم و بیش انہی موضوعات پر لکھی گئی تھی جس پر ''اورینٹل لنگوئسٹ'' دو سال قبل شائع ہو چکی تھی۔ انٹی جارگونسٹ اردو زبان پر جامع و مختصر کتاب تھی۔ زبان پر مباحث بھی لغت کے مقدمے اور اورینٹل لنگوئسٹ میں موجود دیباچے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کے قواعد سے متعلق مشمولات یہ ہیں' شروع میں اردو زبان کے تشکیل و ترکیب سے متعلق بحث ہے۔ قواعد کے حصے میں ناؤن' آرٹیکل' پوسٹ پوزیشن' پروناؤن' صفت' فعل' کے عنوانات کے تحت موجود ہیں۔ اسی ترتیب کے ساتھ یہ عنوانات اورینٹل لنگوئسٹ میں بھی موجود ہیں۔ دنوں مہینوں کے نام' (اسلامی' ہندوؤ دیسی مہینوں کے نام) وقت کے پیمانے اور مکالمات اس کتاب میں اور اورینٹل لنگوئسٹ میں تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ اس کتاب میں چند ایک اجزاء نئے ہیں جن کی موجودگی اس کتاب کو اول الذکر سے مختلف بتاتی ہے ورگرنہ قواعد و لغات اور مکالمات کے حساب سے یہ کتاب اورینٹل لنگوئسٹ سے مختلف نہیں ہے۔ "The British Indian Monitor" ۱۸۰۶ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے سرورق پر کتاب کا عنوان یوں ہے۔

The Tritish Indian Monitor; or the Anti-Jargonist, Strangers Guide, Oriental Linguist and as Various other works, compressed...

Hindootanee Lanugage.(1806)

کتاب کے عنوان میں اس بات کا اعتراف موجود ہے کہ اس میں اورینٹل لنگوئسٹ اور انٹی جارگونسٹ کے مشمولات کا عکس موجود ہے۔ اس کتاب کی فہرست عنوانات پر نظر ڈالیں تو درج ذیل قواعد کے حصے شامل ہیں۔ ہندی رومن تلفظ واملا‘ اردو زبان کے مختلف اجزاء‘Prepositives‘Adjunctives‘Intermediate‘ Postpositions Simple‘Faminine‘Compound‘Conjunctions‘ Interjections‘Conjugation‘Noun‘Article‘Gender‘Adjetives‘ Pronouns‘Verb اور دنوں اور مہینوں کے نام وغیرہ‘ اس کے علاوہ مشتق کے مباحث‘ کے ساتھ ساتھ مشقیں(Exercises) شامل کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں قواعد کے اجزاء کا تفصیلی بیان ملتا ہے۔

۱۸۱۰ء میں گل کرسٹ نے تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب "Hindoostanee Philology" کے نام سے لندن سے شائع کی۔ یہ کتاب صحیح معنوں میں قواعد ولغت کے مشمولات کے تحت بڑی کتاب بن کر سامنے آئی۔ اس میں لغت کے حصے پر پچھلے باب میں بحث ہو چکی ہے۔ اس میں طویل مقدمہ شامل ہے جس میں قواعد کے درج ذیل عنوان ملتے ہیں۔ حروف تہجی‘ واولز‘ انگریزی اردو حروف واصوات میں مماثلتیں‘ ہندی۔ رومن رسم الخط کے مباحث‘ حدود‘ طریقہ کار‘ عربی فارسی‘ دیوناگری حروف تہجی‘ میرامن کے اردو زبان کے بارے میں ارشادات‘ اور ولیم جونز کے رومن رسم الخط کا طریقہ وتعارف‘ اسم‘ آرٹیکل‘ گردانیں‘ Postpositions‘ تذکیروتانیث‘ اسم صفت‘ ضمیر‘Conjugation‘ نحو اور ان پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے۔ رومن گنتی میں شمار کیے گئے چونسٹھ صفحات مقدمے/دیباچے کے طور پر ”ہندوستانی فلالوجی“ کا حصہ بنائے گئے ہیں جن میں غالب حصہ قواعدی مباحث کا ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۲۵ء میں لندن سے Kingsbury, Parbury and Allen کے زیر اہتمام لیڈن ہال سٹریٹ سے شائع ہوا تھا۔ اس ایڈیشن میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی بلکہ یہ ۱۸۱۰ء والے ایڈیشن کا ہی دوبارہ پرنٹ شدہ ایڈیشن تھا۔

اوپر مذکور پانچوں کتب میں قواعد کے حصے کی موجودگی کا ذکر کرنا دو وجوہات کی وجہ سے ضروری تھا۔ ایک تو یہ کہ مستقبل میں اگر کوئی محقق گل کرسٹ کی قواعد نویسی پر تحقیق کرنا چاہے تو اسے آگاہی حاصل ہو کہ قواعد کی بحثیں ان کی کس کس کتاب میں موجود ہیں‘ دوسری وجہ یہ ہے کہ گل کرسٹ کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے کہ کیا وجہ تھی کہ انہوں نے کسی مضبوط قواعد اور لغت کی کتاب کو معیار بنا کر اس کے متعدد ایڈیشن شائع کرانے کی بجائے ملتے جلتے عنوانات کے تحت زیادہ سے زیادہ کتب کی اشاعت کی طرف توجہ مبذول رکھی۔

۹۔ اجزائے کلام کی بنیاد پر قواعد نویسی پر گل کرسٹ کے اثرات...

الف۔ قواعدِ اڑدو (بابو کاہن سنگھ) ایک مطالعہ

جان گل کرسٹ کی قواعد نویسی کی منہاج کے ضمن میں ہم اس تحقیق پر پہنچے ہیں کہ انہوں نے پہلی مرتبہ اس سلسلے میں جدت اپنائی اور اجزائے کلام کی بنیاد پر اپنا قواعدی ماڈل مرتب کیا۔ کہ گل کرسٹ کے بعد آنے والی قواعدی کتب میں عربی فارسی قواعدی ماڈل کے مطابق کلمے کی سہ درجاتی تقسیم (اسم، فعل، حرف) کی بنیادی پور قواعد لکھنے کا رجحان غالب رہا۔ لیکن گل کرسٹ اس سے بہت عرصہ قبل ۱۷۹۶ء میں ہی اس نئے قواعدی ماڈل پر اردو قواعد مرتب کر چکے تھے جن پر ان سے بہت بعد میں اردو قواعد نویسوں نے توجہ دی تھی۔ اجزائے کلام (اسم، فعل، ضمیر، صفت، تمیز، متعلق فعل وغیرہ) کی بنیاد پر قواعد مرتب کرنے کے میدان میں جان گل کرسٹ کی اولیت اور اہمیت تاریخ کا حصہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جان گل کرسٹ کی قواعد نویسی کے بعد جب اردو قواعد پر ہندوستانی قواعد نویسوں کی توجہ ہوئی تو انہوں نے کلمے کی سہ درجاتی تقسیم کی بنیاد پر ہی قواعدیں مرتب کیں۔ اس سلسلے میں پہلی اردو قواعد جو کسی ہندوستانی ادیب کی طرف سے لکھی گئی وہ امانت اللہ شیدا کی ''صرف اردو'' تھی جو ۱۸۰۶ء میں لکھی گئی۔ دوسری اہم قواعد کتاب ۱۸۰۸ء میں انشاء اللہ خان انشا کے قلم سے ''دریائے لطافت'' کے نام سے تحریر ہوئی اور اتنی اہم کتاب ثابت ہوئی کہ عہد حاضر میں بھی اس کی اہمیت تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ قواعدی کتب عربی فارسی قواعدی ماڈل کی پیروی میں لکھی گئی تھیں۔ یہاں ہم ایک اہم قواعد سے روشناس ہوتے ہیں جو ۱۸۶۷ء کے لگ بھگ دلی و لکھنؤ کے ادبی مراکز سے سیکڑوں دور (موجودہ پاکستان کے علاقے) ایبٹ آباد میں لکھی گئی تھی اس قواعد کا نام ''قواعدِ اڑدو'' تھا جسے بابو کاہن سنگھ نے تحریر و ترتیب دے کر شائع کر دیا۔ بابو کاہن سنگھ ضلع اسکول ایبٹ آباد (ضلع ہزارہ) میں ہیڈ ماسٹر کے عہدے پر تعینات تھے۔ یہ کتاب اتنی اہم تھی لیکن اردو قواعد کی کسی کتاب یا تذکرے میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کتاب کو ڈاکٹر غلام عباس گوندل نے تلاش کرنے کے بعد اس پر ایک تفصیلی مضمون ''قواعد اڑدو مؤلفہ بابو کاہن سنگھ'' کے عنوان سے نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لنگویجز اسلام آباد کے تحقیقی مجلے ''دریافت'' کے شمارہ نمبر ۹ میں شائع کرایا تھا جو جنوری ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ وہ اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں؛

"Qwaed-i-Urdu written by Baboo Kahan Singh
is a unique book on the subject of Urdu

Grammar. It is the first time when any Indian Grammarian wrote Urdu grammar by analyzing its parts of speech. The writer wrote eight types of Urdu words i-e. Ism, Sifat, Zameer, Fe, l, Tameez, Rabt, Ataf and Nido-o-Nudba... On the whole it is one of the most important books of Urdu Grammar written in Ninteenth Century (1967-1968), and Babu Kahan Singh is the first Grammarian of India who wrote the grammar with eight types of words."(43)

یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ بابو کاہن سنگھ کلکتہ، لکھنؤ، دلی، دکن جیسے بڑے ادبی مراکز سے سیکڑوں میل دور بیٹھے تھے اور انہوں نے اس قواعدی منہاج کے مطابق اردو کی قواعد کو مرتب کیا جس پر جان گل کرسٹ پچھتر سال پہلے قواعدِ اردو مرتب کر چکے تھے۔ اجزائے کلام کی بنیاد پر قواعدی کتاب تحریر کرنے والے بابو کاہن سنگھ اردو قواعد نویسی کی ذیل کے پہلے قواعد نویس کے طور پر تاریخ میں اولیت کے حامل ہیں۔ کتاب پر سن اشاعت درج نہیں تھا اس لیے فاضل مقالہ نگار نے مختلف شواہد کی بنیاد پر اس کا سن تالیف ۶۸۔۱۹۶۷ء متعین کیا ہے۔ کتاب کے دیباچے میں انتساب کے طور پر بابو کاہن سنگھ نے وہاں کے انگریز حاکموں نواب سر جانس لارنس، ڈائریکٹر کپتان اے آر فلز کے ناموں کے علاوہ گورنر جنرل، کمینڈر ان چیف وغیرہ کی شان میں تعریفی و توصیفی کلمات لکھے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بابو کاہن سنگھ نے جان گل کرسٹ کی ''ہندوستانی گریمر'' کا مطالعہ کیا ہوگا کیونکہ گل کرسٹ کی قواعد لغات، اور ان موضوعات پر دوسری دستی کتب، ہندوستان آنے والے انگریزوں کے لیے اردو زبان سیکھنے اور ہندوستانیوں کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہوتی تھیں چنانچہ کسی انگریز افسر سے ان کو یہ کتاب ضروری پڑھنے کے لیے ملی ہوگی جس پر تحقیق کی ضرورت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بابو کاہن سنگھ نے اجزائے کلام کی بنیاد پر اردو ''قواعد'' کو ترتیب دے کر مقامی ہندوستانی ادیبوں میں تو اولیت حاصل کر لی ہے لیکن ان سے قبل یہ کام جان گل کرسٹ ۱۷۹۶ء میں اپنی ''ہندوستانی گریمر'' میں کر چکے تھے۔ البتہ ایک اہم بات پیش پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ بابو کاہن سنگھ کی مذکورہ قواعد، منظر عام پر

آنے سے قبل مولوی عبدالحق کی ''قواعد اردو'' کو اجزائے کلام کی بنیاد پر لکھی جانے والی کسی مقامی ادیب کی پہلی کاوش کہا جاتا تھا لیکن بابو کاہن سنگھ کا اس میدان میں تخصص اور اولیت ثابت ہوگئی ہے جسے تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ غلام عباس لکھتے ہیں؛

''بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اپنی تمام تر خامیوں کے باوصف یہ کتاب اردو قواعد کی اہم ترین کتب میں شامل ہے۔ کسی مقامی قواعد نویس نے پہلی مرتبہ روایتی سہ قسمی کلمے کے تصور سے باہر نکلنے کی کوشش کی اور بڑی حد تک اس کوشش میں کامیاب بھی ہوئے... مصدر کو اقسام فعل دعویٰ نہیں بلکہ عملاً روایتی قوعد نویسی کے سانچے سے باہر نکلنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ حقیقتاً پہلے قواعد نویس ہیں جنہوں نے عربی اور فارسی اثرات سے نکل کر اردو قواعد کو پہلی بار اجزائے کلام کی بنیاد پر استوار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس معاملے میں انہیں مولوی عبدالحق پر تقدم حاصل ہے''۔(۴۴)

بابو کاہن سنگھ سے قبل اور بعد کی اردو قواعد کی روایت میں قواعد کے نام پر محض ''صرف ونحو'' مرتب کردینے کا نام بھی قواعد رکھا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں کئی کتب شائع ہوئیں جن میں روشن علی انصافی کی ''رسالہ صرف ونحو'' (۱۸۱۰ء) 'محمد ابراہیم کا ''قواعد اردو'' (۱۸۳۳ء)' سرسید کی کتاب ''اردو صرف ونحو'' (۱۸۴۰ء)' امام بخش صہبائی کی کتاب ''رسالہ قواعد وصرف ونحو اردو'' (۱۸۴۵ء) کے نام ملتے ہیں۔ ان تمام قواعد کی منہاج پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر نعمت الحق اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے ''اردو لسانیات...'' میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے حوالے سے لکھتے ہیں؛

''ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر کتابیں مختلف علاقوں کے محکمہ ہائے تعلیم کی ایما پر لکھی گئیں ... ان تمام تالیفات میں یہ بات مشترک ہے کہ ان سب نے فارسی قواعد کے نمونوں کو پیش نظر رکھا ہے اور کسی نے اردو زبان کے مزاج کو ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ ان قواعد نویسوں میں ایک رجحان مشترک طور پر پایا جاتا ہے۔ وہ شعراء کے کلام سے سند دینے کا رواج''۔(۴۵)

بیسویں صدی میں اجزائے کلام کی بنیاد پر قواعد نویسی کا رواج پڑ گیا۔ اس سلسلے میں اس صدی کی پہلی کتاب مولوی محمد اسماعیل میرٹھی کی نصابی کتاب ''قواعد اردو'' منظر عام پر آئی اور گل کرسٹ کی قواعد نویسی کی

منہاج پر لکھی گئی روایت کی نقیب بن گئی۔ اسماعیل میرٹھی کی وجہ شہرت عام پور پر بچوں کے لیے لکھی گئی نظموں کے باعث زیادہ ہے۔ لیکن انہوں نے اردو قواعد پر دو رسالے بھی مرتب کیے جن کی اہمیت اس قدر ہے کہ مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''قواعد اردو'' (۱۹۱۴ء) ان کی قواعدی کاوشوں کی اچھے انداز سے تعریف کی ہے۔ مولوی عبدالحق کی تعریف کرنا اس قواعدی کتاب اور مصنف کی اہمیت کو بخوبی واضح کر دیتا ہے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں'

> ''زمانۂ حال میں متعدد کتابیں اس بحث و ہر مدارس کے طلبہ وغیرہ کے لیے پنجاب و ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں تالیف ہوئی ہیں جن میں کم و بیش عربی صرف ونحو کا تتبع کیا گیا ہے۔ البتہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے خود مختصر رسالے طلبائے مدارس کے لیے لکھے ہیں ان میں انھوں نے تقلید سے الگ ہو کر جدت سے کام لیا ہے۔ لیکن یہ رسالے بہت مختصر اور صرف ابتدائی مدارس کے طالب علموں کے کارآمد ہو سکتے ہیں''۔ (۴۶)

(ب): جان گل کرسٹ کی ہندوستانی گریمر اور مولوی عبدالحق کی قواعدِ اردو میں قواعدی مماثلتیں

مولوی عبدالحق نے اردو کے کلاسیکی سرمائے کی ترتیب و تدوین اور قواعد کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے جس کی بدولت اردو زبان و قواعد کی ذیل میں ان کے تحقیقی و تنقیدی کام کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی کتاب ''قواعدِ اردو'' ۱۹۱۴ء میں منظر عام پر آئی اور نہایت اہم قواعدی کتاب کے طور پر لسانی منظر نامے میں محفوظ ہو گئی۔ یہ کتاب ۱۹۴۱ء میں الناظر پریس لکھنؤ (انڈیا) سے شائع ہوئی جس کے متعدد ایڈیشن ۱۹۵۸ء تک مختلف ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع ہوئے۔ آخری ایڈیشن (۱۹۵۸ء) کے بعد کتاب کی جو شکل تیار ہوئی وہ تاحال اشاعتی عمل سے گزرتی ہے۔ مذکورہ قواعد سے قبل مولوی اسماعیل میرٹھی کی مختصر مگر جامع قواعدِ اردو نہ صرف چھپ چکی تھی بلکہ اس کے متعدد ایڈیشن زیور طبع سے آراستہ ہوئے جس سے اس کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولوی اسماعیل میرٹھی نے اپنی قواعد کو اجزائے کلام کی بنیاد پر مرتب کرنے کی راہ اپنائی جو اردو قواعد کی منہاج میں اضافہ ثابت ہوئی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جان گل کرسٹ نے ۱۷۹۶ء میں اردو قواعد کو اجزائے کلام کی بنیاد پر مرتب

کیا تھا۔ اس منہاج کو آگے چل کر بابو کاہن سنگھ (قواعدِ اردو) اور مولوی اسماعیل میرٹھی (قواعد اردو) میں اپنی قواعد کی بنیاد بنایا۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ جان گل کرسٹ اجزائے کلام کی بنیاد پر قواعد لکھنے کے محرک ثابت ہوئے جس کو مذکورہ بالا ہندوستانی ماہرین زبان نے اپنایا۔ اسی روایت کی پاسداری میں ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی عبدالحق نے ۱۹۱۴ء میں ''قواعدِ اردو'' کی منہاج کو اجزائے کلام کی بنیاد پر ڈھالا۔ اس کتاب کی اہمیت اور افادیت اس طور پر بھی مسلمہ ہے کہ مولوی عبدالحق نے اردو قواعد لکھے جانے کے مروجہ ہندوستانی طریقے سے ہٹ کر اس کو اجزائے کلام کی بنیاد پر مرتب کیا۔ موجودہ بحث میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ تاریخ کے اوراق میں یہ بات محفوظ کی جائے کہ جس قواعدی منہاج کو مولوی عبدالحق کی اولیت سمجھا جاتا ہے' وہ قواعدی ماڈل ان سے قبل مولوی اسماعیل میرٹھی اور بابو کاہن سنگھ اپنی قواعدوں میں بروئے کار لا چکے تھے۔ اور ان کے پاس بھی یہ منہاج نئی نہیں تھی بلکہ اس قواعدی ماڈل کو سب سے پہلے جان گل کرسٹ نے اپنی اردو قواعد ''ہندوستانی گریمر'' میں اپنایا جو اپنی نوعیت کا منفرد تجربہ تھا۔ اجزائے کلام کی بنیاد پر تیار کیا گیا ماڈل ایک عرصے تک اردو دان طبقے سے اس لیے بھی اوجھل رہا کہ یہ قواعد انگریزی زبان میں تھی۔ انگریزی میڈیم ہونے کی وجہ سے اس طرف زیادہ توجہ نہ دی جا سکی' دوسرا کتاب کی عدم دستیابی بھی ایک وجہ بنی، جس کی وجہ سے یہ بات محسوس نہ کی جا سکی کہ کلمے کی تین درجی تقسیم (اسم' فعل' حرف) کی بجائے اجزائے کلام کی بنیاد پر اردو قواعدی منہاج کا استعمال سب سے پہلے گل کرسٹ نے کیا تھا۔ مولوی عبدالحق کی قواعد میں سہواً اس طرف توجہ نہ دی جا سکی کہ قواعدی ماڈل کو اجزائے کلام کی بنیاد پر مرتب کرنے کی روایت پیش کر دی جاتی' چنانچہ یہ امر اس مقالے کی بدولت پیش کیا جاتا ہے کہ اجزائے کلام کی بنیاد پر سب سے پہلی قواعد گل کرسٹ نے مرتب کیے تھے' جس کے بعد بابو کاہن سنگھ' اسماعیل میرٹھی اور مولوی عبدالحق نے ان کو بنیاد بنا کر لکھا۔ ذیل میں مولوی عبدالحق کی قواعد اور جان گل کرسٹ کی قواعد کا تقابلی/موازنہ کر کے اس موضوع کے لیے مثالوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

قواعدِ اردو کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں اور آخری ۱۹۵۸ء اے ایڈیشن کی فہرستِ مشمولات میں فرق موجود ہے۔ پہلے ایڈیشن میں جو کہ الناظر پریس لکھنؤ سے ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کی فہرست مشمولات یوں ہے۔ سب سے پہلے بائیس صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے۔ جس میں اردو زبان کے آغاز' تشکیل' ابتدا' وجہ تسمیہ' اور اس پر مسلم قوم کے مختلف عہد میں پیدا ہونے والے اثرات پر مبسوط بحث شامل ہے۔ آگے چل کر انگریز اور دوسری مغربی اقوام کے ہندوستان آمد' اردو کی قواعد و لغت نویسی کے میدان میں ان کی کاوشوں پر تفصیلی بحث شامل ہے جو اپنی جگہ خاص اہمیت کی حامل ہے۔

اس مقدمے میں الفاظ کو تین بڑے درجوں ہجا، صرف اور نحو میں تقسیم کیا جاتا ہے۔
پہلے ایڈیشن کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قواعد محض ''صرف ونحو'' کے مشمولات اور مناسبات کے گرد
گھومتی تھی۔ کتاب کو چار فصلوں میں تقسیم کیا گیا تھا جس میں فصل اول، ہجا کے عنوان سے تھی۔ اردو حروف تہجی اور ان
سے متعلق جملہ تفصیلات کا جائزہ لے کر دراصل تمام بنیادوں، آوازوں، حروف، علامتوں اور حروف کی دوسری زبانوں
سے اردو میں مراجعت وغیرہ کا بیان اس کا حصہ بنایا گیا تھا۔ فصل دوم بعنوان ''صرف'' کتاب کا حصہ تھا۔ ہم دیکھتے
ہیں کہ فصل اول میں حروف اور لفظ بننے تک کے قاعدے اور مباحث کا براہ راست تعلق صرف کے مباحث کے ساتھ
جڑتا ہے جس کو ماہرانہ انداز سے صرف سے پہلے شامل کیا گیا ہے۔ اسی انداز سے فصل سوم نحو کی بجائے مشتق اور
مرکب الفاظ کے عنوان سے کتاب کا حصہ بنی۔ یہ ایک ارتقائی صورت ہے کہ فصل اول میں حروف تہجی، املا کی مختلف
صورتوں سے قواعدی بحث شروع ہو اور صرف کے اصولوں کا جائزہ لیتے ہوئے فصل سوم میں عملی طور پر لفظ کے
اشتقاق، تصریف اور ترکیب کے قاعدوں کو بطور مثال سامنے رکھا جائے۔ اس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب کی پہلی
تین فصلیں حرف سے لفظ تک کی تشکیلی صورتوں اور ان پر لاگو ہونے والے علم صرف کے مشمولات کی ہر ممکنہ پیشکش
کے طور پر قواعد اردو کا حصہ ہیں۔ فصل چہارم میں علمِ نحو کے مباحث پر تفصیلی بحث شامل ہے جس میں نحو تفصیلی کے تحت
جنس، تعداد، حالت، صفت اور صفت عددی وغیرہ مختلف زمانوں کا بیان، مضارع، امر، مستقبل، حال، ماضی اور اس کی
مختلف صورتیں، حروف اور حروف ربط کی مختلف صورتیں، تکرار الفاظ شامل ہے۔

اس کے دوسرے حصے نحو ترکیبی میں مفرد جملے، مبتدا، خبر، مطابقت اور آگے چل کر مرکب جملوں پر تفصیل سے
روشنی ڈالی گئی ہے۔ جملہ اسمیہ، جملہ وصفیہ، جملہ تمیزیہ وغیرہ اور آخر میں جملے میں الفاظ کی ترکیب کے عنوان سے قواعدی
بحث شامل ہے۔ یہ کتاب ۲۷۱ صفحات پر مشتمل تھی۔ پہلے ایڈیشن کی فہرستِ مشمولات کا موازنہ اگر اس کے آخری
ایڈیشن (۱۹۵۸ء) اے سے کریں، جو تا حال شائع ہو رہا ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس ایڈیشن میں تو فصلوں کے
عنوانات پہلے ایڈیشن کی طرح ہی ہیں، البتہ ذیلی عنوانات جزوی سطح پر تبدیل کیے گئے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر اس کی
فصل اول، ہجا، فصل دوم صرف، فصل سوم مشتق اور مرکب الفاظ اور فصل چہارم نحو کے عنوان سے کتاب کا اسی طرح
حصہ ہے جیسا پہلے ایڈیشن میں تھا۔ فصل چہارم کے بعد جو تبدیلی ملتی ہے اس کے مطابق عروض، تقطیع، بحور اور رموز
اوقاف کو مختلف مثالوں کے ساتھ قواعد کا حصہ بنایا گیا ہے۔ یہ مندرجات اولین ایڈیشن (1914) میں شامل
نہیں تھا۔ (۴۷)

جان گل کرسٹ کی ''ہندوستانی گریمر'' کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی قواعد کو تین بڑے حصوں، ہجا، صرف اور نحو میں تقسیم نہیں کیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اس قواعد کے آنے سے پہلے قواعد کو ''صرف ونحو'' بھی لکھا جاتا تھا۔ قواعد محض صرف ونحو تک محدود نہ ہو جائے اس وجہ سے انہوں نے صرف ونحو کی قید سے قواعد کو الگ کیا۔ دوسرا پہلو یہ بھی کہ گل کرسٹ کے پیش نظر ان اضافی معلومات اور مباحث کو بھی قواعد کا حصہ بنانا تھا، جو براہ راست قواعدی کتاب کی ذیل میں نہیں آتے۔ اب اگر قواعد صرف ونحو تک محدود ہوتی تو علم عروض، ہندوستان کی معاشی حالت، عوام وخواص کی روزمرہ زندگی سے متعلق وہ تمام تر لوازمات جو کسی نووارد غیر ملکی کی رہنمائی کے لیے معاون ہوتے، ان کو ہندوستانی گریمر کے اوراق میں شامل کرنا شائد درست نہ ہوتا چنانچہ انہوں نے اپنی قواعد کو صرف ونحو کی قید سے الگ کیا۔

''ہندوستانی گریمر'' کا پہلا باب "The Elements" کے عنوان سے ہے جس میں اردو زبان کے حروف تہجی، مفردات، ہجوں کی مختلف شکلیں، واولز، کانسوننٹ کی بحثیں، سابقوں لاحقوں کے بیان کو تفصیلاً کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ اردو حروف تہجی کو دیوناگری اور نستعلیق خط میں لکھ کر واضح کیا گیا ہے۔ مصنف کی مختلف اشکال اور ان سے بننے والے مختلف حروف کے تلفظ کو رومن رسم الخط میں لکھ کر واضح کیا گیا ہے۔ حروف تہجی میں موجود مختلف حروف کی پہچان کے لیے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستانی / ہندوی / ہندی سے کون سے حروف حروف تہجی کا حصہ بنے، فارسی سے کون سی آوازیں آئیں اور عربی حروف کون سے ہیں جو ہندوستانی زبان کا حصہ بنے۔ مزید یہ کہ ہائیہ حروف "Aspirated Sounds" خالصتاً ہندوستان کی دیسی آواز نہیں جو عربی یا فارسی سے ہیں آئیں۔ مولوی عبدالحق کی ''قواعدِ اردو'' کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی گریمر کی پہلی فصل بھی علم ہجا (Elements) ہے جس میں الفاظ، مفردات، حروف تہجی، اعراب (حرکات وسکنات) حروف قمری وشمسی وغیرہ کا بیان شامل ہے۔ جس طرح گل کرسٹ نے اپنی گریمر میں اردو حروف تہجی میں شامل مختلف حروف کی اصل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ کس کس زبان سے ہندوستانی زبان کا حصہ ہے، اسی انداز کے مطابق مولوی عبدالحق کی فصل اول بعنوان ''ہجا'' کا آغاز ہوتا ہے۔

> ''چونکہ اردو ہندی، فارسی اور عربی سے مل کر بنی ہے لہٰذا اس میں ان سب زبانوں کے حروف موجود ہیں۔ خالص عربی حروف یہ ہیں: ث، ح، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، ق یہ حروف قدیم فارسی اور ہندی یا سنسکرت میں نہیں پائے جاتے لیکن 'ذ' قدیم فارسی میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور اب بھی بعض فارسی الفاظ 'ذ' سے لکھے جاتے ہیں۔ ٹ، ڈ، ڑ خالص ہندی ہیں، عربی فارسی میں نہیں آتے۔ ژ، ف، خ، غ کی آوازیں

ہندی میں نہیں عربی فارسی دونوں میں ہے۔ژ خالص فارسی حرف ہے ہندی عربی
میں نہیں آتا... یوں یہ سادہ آوازیں ہیں مگر مل کر ایک ہوگئی ہیں۔ وہ حروف یہ ہے
بھ، پھ، تھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ"۔ (۴۸)

گل کرسٹ کی قواعد کا دوسرا باب اسم کے مباحث پر ہے۔ اس کے تین حصے ہیں جن میں Article، Gender اور Declension کے ذیلی عنوانات پر بحث ملتی ہے۔ باب نمبر III ضمیر کے متعلقات سے متعلق ہے اس میں Personal Pronouns، Interrogatives کے ذیلی عنوانات سے اجزائے کلام کا دوسرا بڑا عنصر زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس کے بعد باب نمبر V میں فعل، فعل کی مختلف گردانیں، امدادی افعال، فلع اور متعلق کے مسائل و مباحث، باب نمبر VI تمیز یا متعلق فعل (Adverb)، صرف ربط، حرف عطو و تخصیص وغیرہ کے مباحث کے ساتھ اجزائے کلام کی بنیاد پر قواعد ترتیب دی گئی ہے۔ اس بحث کے شروع میں یہ نقطہ سامنے لانے کی کوشش کی گئی تھی کہ گل کرسٹ نے اجزائے کلام (اسم، فعل، ضمیر، تمیز، صفت وغیرہ) کی بنیاد پر اردو قواعد نویسی کے لیے سودمند خیال کیا اور یوں گل کرسٹ کے پیش کیے گئے قواعدی ماڈل پر اپنی قواعدیں مرتب کیں۔ مولوی عبدالحق کی قواعدِ اردو بھی اسی انداز پر مرتب کی گئی ہے۔ علم ہجا کی ذیل میں مناسبت تلاش کرنے کے بعد اجزائے کلام کی بنیاد پر دوسرا ثبوت دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ "قواعدِ اردو" کی فصل دوم "صرف" سے متعلق قواعدی مباحث پر مشتمل ہے جو اجزائے کلام کی بنیاد پر اردو زبان کے جملہ امور پر تحقیقی و تنقیدی انداز سے جامع مواد کی حامل ہے۔ اس میں ذیلی عنوان نمبر ایک میں اسم (اسم خاص، اسم کیفیت، اسم جمع، لوازم اسم) عنوان نمبر دو میں صفت (صفت ذاتی، نسبتی، عددی، مقداری، ضمیری)، عنوان نمبر تین میں ضمیر (موصولہ، استفہامیہ، اشارہ، ضمیری، ضمائر کے ماخذ) عنوان نمبر چار میں فعل (ماضی، حال، مستقبل، حالتیں، گردانیں، مرکب افعال وغیرہ) اور عنوان نمبر پانچ میں تمیز یا متعلق فعل کے مباحث کا تفصیلی و جامع بیان دیا گیا ہے۔ (۴۹) اجزائے کلام کی یہی شکل بعینہٖ گل کرسٹ اپنی گریمر میں پیش کر چکے تھے۔ یہ امر نہایت اہم ہے کہ ان کی قواعدی منہاج اتنی اہم اور سودمند ثابت ہوئی کہ اردو کے بڑے قواعد نویس مولوی عبدالحق نے اس کی بنیاد پر اپنی قواعد کو اسی منہاج پر مرتب کیا۔

گل کرسٹ نے صرف کے مباحث کو ایک باب میں یکجا نہیں کیا تھا بلکہ (Parts of Speech) اجزائے کلام کو الگ الگ ابواب میں تقسیم کر کے ان پر قواعدی بحثیں اٹھائیں تھیں۔ البتہ نحو (Syntax) پر ایک سے باب موجود ہیں۔ اب اگر گل کرسٹ کا باب نمبر VII اور VIII دیکھیں تو یوں ہے۔ باب نمبر VII میں THe Deriration and Composition of Words کے عنوان سے الفاظ کے مرکب ہونے اور اشتقاق

کے بارے میں بیان ملتا ہے جس کے بعد باب نمبر VIII کو "Syntax" کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ بالکل اسی ترتیب پر مولوی عبدالحق کی فصل سوم اور فصل چہارم کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ فصل سوم بعنوان مشتق اور مرکب الفاظ اور فصل چہارم نحو کے عنوان سے ''قواعد اردو'' کا حصہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ جس انداز سے مشتق اور مرکب الفاظ کی بحث کو پہلے نمبر پر رکھ کر بعد میں گل کرسٹ نے Syntax (نحو) پر بات کی ہے' اسی انداز سے مولوی عبدالحق نے فصل سوم اور چہارم نحو پر بحث کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قواعدِ اردو کا قواعدی ماڈل بڑی حد تک گل کرسٹ کے قواعدی ماڈل کی پیروی پر مشتمل ہے۔ نحو کے مباحث کے اندراج میں البتہ یہ فرق ملتا ہے کہ گل کرسٹ نے نحو کی بحث کو غیر دلجمعی کے ساتھ مختصراً بیان کیا ہے' جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ نحو سے قبل صرف کے مباحث سے ''گریمر'' پہلے ہی خاصی ضخیم ہو چکی تھی' البتہ مولوی عبدالحق نے نحو کے مباحث کو تفصیلی انداز سے تقریباً سوا سو صفحات پر پھیلایا ہے۔

یہاں تک کے مباحث کا جائزہ لینے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ جان گل کراسٹ کی اردو قواعد اور مولوی عبدالحق کی ''قواعد اردو'' میں نہ صرف قواعدی منہاج میں مماثلتیں موجود ہیں، بلکہ مشمولات کی فہرست میں بھی کوئی زیادہ فرق سامنے نہیں آتا۔ مولوی عبدالحق کی قواعد کے پہلے ایڈیشن کے مشمولات، مذکورہ بالا مباحث کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں، تاہم گل کرسٹ کی قواعد کے مباحث ابھی مزید آگے چلتے ہیں۔ ان کی اردو گرامر میں نحو کے مباحث کے بعد باب IX میں Orthometry اور Orhtoepy کے عنوانات کے تحت مزید قواعدی عناصر بیان کیے گئے ہیں۔ Orthometry کی ذیل میں اردو علمِ عروض بعنوان Prosody کا بیان ہے۔ علمِ عروض کے ساتھ ساتھ تقطیع (Versification) پر تفصیلی مواد کو قواعد کا حصہ بنانے کا مقصد یہ تھا کہ اردو زبان وادب سے متعلق تمام ممکنہ لسانی اور قواعدی معلومات کو اکٹھا کر دیا جائے، بصورتِ دیگر علمِ عروض اور تقطیع کا بیان براہ راست قواعد کی ذیل میں نہیں آتا۔ (اس ضمن میں گل کرسٹ کی اولیت ریکارڈ کا حصہ ہے، جس پر اسی باب میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔)

اب اگر مولوی عبالحق کی قواعد اردو کا اضافہ شدہ حتمی ایڈیشن (1958) کا مطالعہ کریں، تو اس میں کچھ مزید مباحث کا اضافہ کیا گیا ہے، جو پہلے ایڈیشن (1914) میں موجود نہیں تھے۔ اضافہ شدہ ایڈیشن میں مولوی صاحب نے نحو کے مباحث کے بعد رموز اوقاف، عروض، بحریں، مرکب بحریں اور اوزانِ رباعی کے ذیلی عنوانات کے تحت ان علوم کی مبادیات کو اپنی کتاب کا حصہ بنایا۔ واضح رہے کہ Orthometry کے باب میں ان سب پر معلومات گل کرسٹ کی گریمر میں پہلے سے موجود تھیں۔ مزید Laws of Versification (اصولِ تقطیع) میں ارکان، بحر، زحاف، مرکب زحاف، بحروں میں ہزج، رمل، رجز، متدارک، متقارب، بحر کامل، مرکب

بحروں میں بحر سریع، مضارع، بحر مقتضب وغیرہ پر پہلی مرتبہ معلومات گل کرسٹ کی گریمر کا حصہ بنی تھیں۔ ان کی مزید تشریح کے لئے اردو کے کلاسیکی شعرا کے کلام سے مثالیں بھی شامل کی گئی تھیں۔ اس کلیہ کے عین مطابق مولوی عبدالحق کی قواعد میں بھی عروض و تقطیع کے یہ مباحث کتاب کا حصہ بنائے گئے ہیں (۵۰)۔

ان دونوں کتب کے تقابلی مطالعے سے، اور حاصل ہونے والے نتائج سے ہمارے اس مفروضے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس ضمن میں یہ امر غور طلب ہے کہ گل کرسٹ کی گریمر میں ان مباحث کی پیشکش اس لئے ضروری خیال کی گئی تھی، کہ وہ اپنے غیر ملکی ساتھیوں کو اردو قواعد کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کے اسرار و رموز سے بھی آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ عروض و تقطیع کو قواعد کا حصہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اب مولوی عبدالحق کا اپنی قواعد کے اضافہ شدہ ایڈیشن میں انھی مباحث کو شامل کرنا اپنی جگہ تحقیق طلب ہے۔ داخلی شہادتوں کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولوی عبدالحق نے بھی ان مباحث کو گل کرسٹ سے متاثر ہو کر اپنی قواعد کا حصہ بنایا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان کی قواعد پر گل کرسٹ کی قواعدی منہاج (Methodology) کے ساتھ ساتھ فہرستِ مشمولات کے بھی اثرات موجود ہیں۔ یہ بات گل کرسٹ کی اہمیت میں اضافہ کرتی ہے کہ ان کے قواعدی ماڈل نے اپنے بعد آنے والے اردو قواعد نویسوں پر دیرپا اثرات مرتب کیے۔

مولوی عبدالحق کی اردو قواعد پر جامع ترین اور معروف کتاب ''قواعد اردو'' ۱۹۱۴ء میں الناظر پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی اور اتنی اہمیت اختیار کر گئی کہ اب تک اس قواعد کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مولوی عبدالحق کی ''قواعد اردو'' ۱۹۵۸ء تک کے ایڈیشنوں میں ترمیم و اضافوں سے شائع ہوئی اس کے بعد اس کی جو شکل بنی وہ آج تک شائع ہو رہی ہے۔ کتاب کے شروع میں مقدمہ ہے جس میں قواعد کی تعریف و اہمیت سے بات شروع کر کے یونانی، عربی اور فارسی قواعدی روایت کو مختصراً بیان کرنے کے بعد اردو قواعد کی روایت کو دیکھا گیا ہے۔ اس مقدمے میں اردو کے پہلے غیر ملکی قواعد نویس کی ''ہندوستانی زبان کی گریمر'' کا سن تالیف ۱۷۱۵ء لکھا تحریر کیا گیا ہے جو اس دور میں موجود جارج گریرسن کے ''لسانیاتی جائزہ ہند'' کے مطابق تو ٹھیک تھا لیکن جدید تحقیق کے مطابق یہ کتاب ۱۶۹۸ء میں تحریر ہو چکی تھی جس کا قلمی نسخہ یورپ کی ایک لائبریری میں موجود ہے جس کا ذکر اس باب میں کیٹلر کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنی قواعد نویسی کا طریقہ کار اور منہاج کلمے کی سہ درجی تقسیم کی بجائے اجزائے کلام کی بنیاد رکھی۔ کتاب کے مشمولات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قواعد کی ترتیب و مواد جان گل کرسٹ کی قواعد سے کافی حد تک ملتا جلتا ہے۔ ''قواعد اردو'' کا پہلا باب ''علم ہجا'' کے مباحث پر ہے۔ علم ہجا کی بحث کسی بھی زبان کے قواعد کی بنیاد ہوتی ہے۔ اس باب کی اہمیت یہ ہے کہ اس کی مدد سے زبان کے بنیادی حروف و اجزاءِ الفاظ اور قواعد کا تعلق بہتر

انداز سے سمجھا جاسکتا ہے۔ جان گل کرسٹ کی ''ہندوستانی گریمر'' کا پہلا باب "Elements" کے نام سے تحریر کیا گیا ہے جس میں الفاظ مفردات' حروف تہجی اور اس سے متعلق مباحث سے متعلق ہے۔ مولوی عبدالحق نے اس باب میں اعراب' حرکات حروف والفاظ کو بھی تفصیلی انداز سے دیکھا ہے۔ یہ طریقہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا گل کرسٹ کی گریمر میں نظر آتا ہے۔

فصل دوم میں ''صرف'' کے مباحث بیان کیے گئے ہیں اس میں اسم' لوازم اسم' اسم سے متعلق تمام اصول و ضوابط جن سے حروف والفاظ متشکل ہوتے ہیں' ان کی ترکیب سازی وغیرہ کا بیان ہے۔ مزید تعداد و حالت اسماء کی تصنیف و تانیث کے موضوع پر تحریر ملتی ہے۔ اس کے بعد ''صفت'' کا باب ہے جس میں صفت عددی' صفت مقداری' صفت ضمیری کا بیان ملتا ہے۔ تیسرا باب ''ضمیر'' کے عنوان کے تحت ہے جس میں ضمائر استفہامیہ' ضمیر موصولہ' ضمیر اشارہ اور اس سے متعلق مواد ملتا ہے۔ چوتھا باب ''فعل'' کے نام مختلف زمانوں' فعل کی گردانوں' حالتوں' اعمال' طور مجہول' مرکب افعال کی صورت ملتا ہے۔ پانچواں باب ''تمیز'' ہے جس میں حروف کی مختلف حالتوں اور قسموں' حروف ربط' حروف عطف' تخصیص' محاسبہ کا بیان ہے۔ فصل چہارم میں الفاظ کا اشتقاق اور تراکیب کا بیان ہے۔ فصل چہارم ''نحو'' کے مباحث پر ہے۔ اس کے علاوہ رموز اوقاف اور مستعمل ضروری علاقوں کا بیان کتاب کا حصہ ہے۔ کتاب کے آخر میں عروج کا باب شامل ہے جو قواعد کا حصہ نہیں ہوتا لیکن مولوی عبدالحق نے ضرور کسی نصابی ضرورت کے پیش نظر اس کو کتاب کا حصہ بنایا ہے۔ عروض کے بارے میں وزن' بحر تقطیع اور ان کے اجزاء' بحروں کی تفصیل' اوزان رباعی کو کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ مولوی عبدالحق کی قواعد کی مشمولات کا ذکر یوں ضروری ہے کہ ان مشمولات اور جان گل کرسٹ کی قواعد سے ملا کر دیکھا جاسکے۔

جان گل کرسٹ کی ''ہندوستانی گریمر'' میں علم ہجا' آرٹیکل تذکیر و تانیث' گردانیں' ضمیر' استفہامیہ' اسم صفت' فعل' متعلق فعل' فعل کی مختلف گردانیں' اسم عدد/ اسم ہندسہ' امدادی فعل (مرکب فعل) حرف ربط یعنی صرف کے اہم مباحث کو کتاب کا حصہ بنانے کے بعد مشتق اور جملے کی ترکیب (Derivation and composition of words) کا باب موجود ہے۔ نحو (Syntax) کو علیحدہ باب میں بیان کیا گیا ہے۔ الفاظ کے تلفظ کے علم (Orthography/Orthoepy) کے بنیادی اجزا' دن مہینے سال ہندوستانی معاشرت اور ثقافت کے مختلف بکار کے ساتھ اہم باب Orthomety یعنی علم عروض پر تفصیلی بیان کا حامل ہے۔ عروض کے علم (Prosody) کو اس تفصیل سے گل کرسٹ نے بیان کیا ہے کہ اس کی معلومات پر رشک آتا ہے۔ راگ' راگنیوں کا ذکر مقامی موسیقی سے متعلق اس کی معلومات' پڑھنے والے کو حیرانی سے دو چار کر دیتی ہیں۔ مختصر یہ کہ گل

کرسٹ کے دیے گئے قواعدی ماڈل اور اس کے مشمولات اور مولوی عبدالحق کی ''قواعد اردو'' کے مشمولات میں بہت زیادہ مماثلت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ گل کرسٹ کی منہاج کے اثرات مشرقی ادیبوں کی قواعدی کتب میں انیسویں صدی کے آخر میں بالعموم اور بیسویں صدی میں تواتر سے نمودار ہونا شروع ہو چکے تھے۔ مولوی عبدالحق کی قواعد کی اہمیت و مقام اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس کے مقابل اگر جان گل کرسٹ کی گریمر کو رکھ کر تجزیہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ گل کرسٹ کی ''ہندوستانی گریمر'' نسبتاً زیادہ وقیع، جامع اور مفصل مباحث سے مملو ہے۔ یہاں مقصد دونوں مشاہیر کی قواعدی کتب کا موازنہ کر کے بڑا چھوٹا ثابت کرنا نہیں بلکہ گل کرسٹ کے قواعدی ماڈل کے ان کے مابعد قواعد نویسوں پر اثرات کا جائزہ لینا ہے۔ مولوی عبدالحق کا کسی قواعد نوسی کی تعریف کرنا اس بات کا غماض ہے کہ ممدوح یقیناً اس تعریف کا مستحق ہو گا جس کی وجہ سے ان کو تعریف پر مجبور ہونا پڑا۔ اردو یہاں کے دو بڑے قواعد نویسوں کی مذکورہ قواعدی کتب کی اہمیت اور ان پر گل کرسٹ کی قواعدی کتب کے اثرات کا جائزہ ان کی قواعد نویسی کی روایت پر اثرات کی واحد مثال ہیں بلکہ مغرب و مشرق کے قواعد نویسوں پر بلاواسطہ گل کرسٹ کے اثرات موجود ہیں۔ جن پر ڈاکٹریٹ کی سطح کا تحقیقی کام کیا جانا چاہیے۔ گل کرسٹ کے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولوی سید محمد 'ارباب نثر اردو میں لکھتے ہیں'

> ''انگریز مؤلفین قواعد میں ڈاکٹر گل کرسٹ کو اولیت حاصل ہے۔ انگریزی اردو لغت بھی سب سے پہلے انہوں نے ہی لکھی ہے۔ ان کے بعد اور بھی انگریزوں نے مثلاً ڈنکن فاربس' ڈاکٹر فیالن [فیلن] جان شیکسپیئر اور جوزف ٹیلر وغیرہ نے ان کی تقلید میں لغات لکھیں اور اس طرح اردو کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا''۔ (۵۱)

۱۰۔ رسالہ گل کرسٹ کی تالیف اور کچھ تحقیقی مغالطوں کی نشان دہی

۱۸۲۰ء میں قواعد پر ایک مختصر رسالہ ''قواعد اردو'' ہندوستانی پریس کلکتہ سے شائع ہوا جو قواعد نویسی کی تاریخ میں ''رسالہ گل کرسٹ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مختصر رسالے کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں موجود ہیں جن کے مطابق ایک مغالطہ تو یہ موجود ہے کہ یہ رسالہ میر بہادر علی حسینی کا ہے' ایک غلط فہمی یہ ہے کہ یہ بہادر علی حسینی نے جان گل کرسٹ کی قواعد کی تلخیص کے طور پر شائع کرائی تھی' ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ رسالہ گل کرسٹ کا ہے۔ سب سے پہلے

اس رسالے کی اہمیت کو پیش نظر رکھا جانا ضروری ہے کہ یہ رسالہ انیسویں صدی کی تدریسی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر کیا گیا تھا جو اتنا سود مند اور مشہور ہوا کہ ۱۸۲۰ء سے لے کر ۲۰۰۸ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ ۲۰۰۸ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے ڈاکٹر خلیل الرحمان داؤدی کے تحقیق شدہ متن کو جو انھوں نے پہلی بار ''رسالہ گل کرسٹ'' کے نام سے مدون کر کے ۱۹۹۳ء میں نند پور ضلع کڑپہ سے شائع کرایا تھا، اسے دوبارہ شائع کیا۔ اس طرح بھارت اور پاکستان سے شائع ہونے والے دو مختلف محققین کے تدوین کیے گئے نسخے معیاری روپ کے ساتھ رائج رہے ہیں۔

اس رسالے کے متعدد ایڈیشن مختلف سالوں میں شائع ہوئے۔ پہلا ایڈیشن ہندوستانی پریس کلکتہ سے ۱۸۲۰ء میں شائع ہوا' دوسرا ۱۸۳۱ء میں کلکتہ سے' تیسرا کلکتہ سکول بک سوسائٹی کلکتہ سے ہی ۱۸۴۲ء میں' چوتھا ایڈیشن' بعنوان' صرف ونحو ریختہ ہندی / رسالہ گل کرسٹ مع ضمیمہ حراست اللہ' مطبع اخوان الصفا کلکتہ سے ۱۲۶۳ھ میں شائع ہوا۔ پانچواں ایڈیشن بعنوان قوانین صرف ونحو زبان اردو' اہتمام سید شاہ حسین قادری' مطبع قادری' مدارس سے ۱۸۶۲ء میں شائع ہوا' اس کے بعد چھٹا ایڈیشن مطبع نظام المطابع مدارس سے ۱۸۷۳ء میں' شائع ہوا' ساتواں ''قواعد اردو زبان'' مولفہ بہادر علی حسینی مرتبہ ڈاکٹر خلیل الرحمان داؤدی ناشر' مجلس ترقی ادب لاہور سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا' اس کے بعد متعدد ایڈیشن یوپی لکھنؤ' نند پور کڑپہ اور لاہور سے شائع ہوتے رہے۔ (۵۲)

غلام عباس گوندل کا خیال ہے کہ ان تمام ایڈیشنوں کو دیکھا جائے تو کسی نے بھی یہ رسالہ ''میر بہادر علی حسینی'' کی تالیف ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لیکن ۱۹۶۲ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن میں جسے خلیل الرحمان داؤدی نے مرتب کیا تھا' پہلی مرتبہ یہ دعویٰ سامنے آیا کہ یہ کتاب میر بہادر علی حسینی کی تالیف ہے۔ بہادر علی حسینی کی تالیف تسلیم کرنے والوں میں ڈاکٹر جمیل جالبی اور ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کے نام شامل ہیں۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے رسالہ گل کرسٹ کے موضوعات پر بات کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ تالیف میر بہادر علی حسینی کی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو کی جلد سوم میں اس رسالے کو گل کرسٹ کی کتب کی فہرست میں ظاہر تو کیا ہے لیکن اس سلسلے میں وہ غیر واضح ہیں کہ یہ رسالہ گل کرسٹ کا ہے یا بہادر علی حسینی نے گل کرسٹ کے کہنے پر تلخیص و تحریر کیا ہو۔ اس سارے سلسلے میں ۱۹۷۵ء میں ڈاکٹر انصار اللہ اس مخطوطے کی تدوین کر کے شائع کرا چکے تھے جس میں انہوں نے اس رسالے کو گل کرسٹ کی تصنیف ہی ثابت کر دیا تھا۔ ڈاکٹر غلام عباس گوندل اپنے تحقیقی مضمون میں لکھتے ہیں'

> ''یہ بات قابل غور ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کی ''تاریخ ادب اردو'' کی جلد سوم ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی جبکہ ڈاکٹر انصار اللہ' رسالہ گل کرسٹ کے مخطوطے کی

تدوین کر کے اسے ۱۹۷۵ء میں شائع کر چکے تھے۔اس لیے ان کے پیش نظر ڈاکٹر انصار اللہ کی رائے بھی موجود تھی۔۔۔ جہاں کئی محققین ''قواعد زبان اردو'' کو بہادر علی حسینی کی تالیف مانتے ہیں، وہیں ڈاکٹر انصار اللہ کی رائے ان سے مختلف ہے اور وہ اسے گل کرسٹ کی ہی تالیف سمجھتے ہیں۔ان کے خیال میں صرف مولوی کریم الدین کے تذکرے کو بنیاد بنا کر معروف مولف کو رد کر کے کسی اور کے نام کتاب کو موسوم کر دینا درست نہیں''۔(۵۳)

یہ کتاب ڈاکٹر خلیل الرحمان داؤدی کے ایڈیشن کے بعد سے اس مغالطے کا شکار ہوئی کہ یہ بہادر علی حسینی کی کتاب ہے۔ڈاکٹر غلام عباس کے مطابق اصل میں یہ کتاب جان گل کرسٹ کی ہے اور اس کی اشاعت ۱۸۲۰ء سے پہلے انگلینڈ کے کسی مطبع سے ہو چکی تھی۔ یہ کتاب کسی طور ہندوستان پہنچ گئی ہو گی اور ۱۸۲۰ء میں کلکتہ کے ہندوستانی پریس سے دوبارہ شائع ہوئی۔اس کتاب کے بارے میں مغالطوں اور شکوک اس لیے بھی سامنے آئے کہ یہ جان گل کرسٹ کے انگلینڈ واپس چلے جانے کے بعد شائع ہوئی تھی اس لیے اس کی اشاعت اور مصنف کے نام کی صحت میں شبہات محسوس کیے گئے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رکھی جانا ضروری ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے یہ کتاب جان گل کرسٹ کی ثابت کی ہے۔تواریخ ادب میں بھی اس کتاب کو گل کرسٹ کی کتب میں شامل کیا جاتا ہے۔اس کتاب کے مشمولات کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان مباحث پر چونکہ گل کرسٹ اس سے قبل انگریزی میں کام کر چکے تھے چنانچہ ان کو انگلینڈ میں جب امانت اللہ کی ''صرف اردو'' میسر آئی تو انہوں نے ایک مختصر رسالے کی صورت میں اسے تحریر کر کے چھپوا دیا ہو گا جو بعد میں ہندوستان آ گئی۔میر بہادر علی حسینی نے اس کو نئے سرے سے پڑھ کر ۱۸۲۰ء میں شائع کرا دی تھی لیکن اپنا نام نہیں لکھا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ گل کرسٹ کی تالیف ہی تھی۔''رسالہ گل کرسٹ'' قواعد کے مباحث پر مختصر رسالہ ہے جو گل کرسٹ کی واحد اردو تحریری کتاب ہے۔کتاب دو طویل مقالوں اور آخر میں چند اختتامی صفحات پر مشتمل ہے۔مقالہ اول مفردات اور مقالہ دوم مرکبات کے عنوان اور مباحث پر مشتمل ہے۔اس کتاب کے گل کرسٹ سے تعلق کے بارے میں ڈاکٹر غلام عباس گوندل اپنے مقالے میں مزید لکھتے ہیں؛

''قیاس یہ کہتا ہے کہ ''صرف اردو'' [از امانت اللہ شیدا] ہندوستانی چھاپہ خانہ سے شائع ہوئی اس لیے ۱۸۱۰ء اس لیے کسی بھی وقت اس کا مطبوعہ نسخہ گل کرسٹ کو میسر ہو گیا ہو گا اور گل کرسٹ نے قواعد نویسی کے اپنے ذاتی تجربے اور اس کتاب

کی منہاج سے متاثر ہو کر یہ رسالہ تالیف کیا ہوگا... ۱۸۲۰ء سے قبل رسالہ گل کرسٹ کے قلمی نسخوں کی برصغیر مین عدم موجودگی کا بنیادی سبب بھی دریافت کیا جاسکتا ہے کہ یہ انگلستان ہی میں لکھا گیا ہوگا اور ہندوستان والوں کا اس کتاب سے پہلا تعارف اس کی مطبوعہ شکل میں ہی ہوا ہوگا''۔(۵۴)

جان گل کرسٹ سے قبل اردو قواعد نویسی کی روایت موجود تھی لیکن اس میں وہ توانائی موجود نہ تھی جو ان کی گریمر اور دیگر کتب میں موجود قواعدی مباحث کے آنے سے اردو لسانیات کو ملی۔ ان سے قبل کی گریمر اردو زبان کا مبہم سا قواعدی خاکہ دیتی تھی لیکن اس میں بھی واضح غلطیاں موجود تھیں۔ جارج ہیڈلے کی گریمر میں جو غلطیاں موجود تھیں گل کرسٹ کی گریمر مبرا واقع ہوئی۔ ہیڈلے کی گریمر میں موجود مکالمات اور ان کے مقابل اردو جملوں کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جملے نہ تو اردو زبان کا کوئی عوامی روپ پیش کرتے ہیں اور نہ ہی اشرافیہ یا ادب کی زبان کے نمونے تھے۔ ایک عجیب سی جملے تھے جو ان تراجم کی وجہ سے اردو میں راہ پا رہے تھے۔ ان کے مقابل گل کرسٹ کے جملے، مکالمات اور بول چال کی زبان معیاری درجے کی تھی جو ان کی گریمر میں استعمال ہوئی۔ ان کی گریمر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان سے قبل اور بعد کی قواعد عام طور پر ''ہدایتی قواعد'' کے طور پر ہی لکھی گئیں لیکن گل کرسٹ کی قواعد اس لحاظ سے انفرادیت کی حامل ہے کہ یہ قواعد بیک وقت ہدایتی، نظری، تدریسی، توضیحی اور روایتی قواعد کے اصولوں کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔ اس بنا پر گل کرسٹ کی قواعد کو کسی حد تک امتزاجی گریمر کہا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گل کرسٹ کی ہدایتی قواعد زبان و قواعد اور تدریسی ضروریات کے مطابق مذکورہ بالا قواعدوں کے اصولوں پر پورا اترتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ شوکت سبزواری، مشمولہ نعمت الحق، ڈاکٹر، اردو لسانیات (تاریخ و تنقید کی روشنی میں)، مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی، شعبۂ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، ۱۹۹۵ء۔ ص ۳۱۶

۲۔ Richard Steadman Jones, Colonialism and grammatical representation:Blackwell Publishing ltd, Oxford U.K,2007, P.23

۳۔ مولوی عبدالحق، بی۔اے (علیگ) قواعد اردو، الناظر پریس، لکھنؤ، بار اول، ۱۹۱۴ء، ص ۲

۴۔ خلیل صدیقی، پروفیسر، لسانی مباحث، زمرد پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۱۹۹۱ء، ص ۲۰۴

۵۔ قواعد کی اقسام، گلیسن کی توضیحی لسانیات سے اخذ شدہ ہیں جس کا حوالہ اگلے نمبر پر موجود ہے۔

۶۔ گلیسن، ایچ۔اے، توضیحی لسانیات، ترجمہ عتیق صدیقی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۲ء، ص ۲۴۴

۷۔ Sadiq-ur-Rehman Kidwai, Gilchrist and the language of Hindustan, Rachna Parkashan, New Delhi, Ed.1st, 1972, P-108

۸۔ Ibid-P109

۹۔ Ibid-P108

۱۰۔ Ibid-P109

۱۱۔ نجیبہ عارف، ڈاکٹر، اردو زبان و ادب کی تاریخ نویسی۔۔۔، مطبوعہ دریافت، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، شمارہ آٹھ، جنوری ۲۰۰۹ء، ص ۱۵۴

۱۲۔ Gilchrist, John, A Grammar of the Hindoostanee Language; or, Part Third of Volume first, of a System of Hindoostanee Philology, Chronicle Press, Calcutta, 1796,P1

۱۳۔ Ibid-P-2

۱۴۔ Ibid, P-3

۱۵۔ Ibid, P-6

۱۶۔ Ibid,P-10

۱۷۔ واولز اوران سے متعلق مباحث کو گل کرسٹ نے طویل فٹ نوٹ (حاشیے) میں بیان کیا ہے۔ یہ حاشیے دلچسپی کے حامل ہیں۔ ان سے گل کرسٹ کی دقت نظری کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کی وجہ یوں بھی پیش ہوسکتی ہے کہ فٹ نوٹ کی صورت میں اصل بات کا تسلسل کسی طور پر رکنے نہیں پاتا۔ تفصیل کے لیے ہندوستانی گریمر کے صفحہ نمبر ۱۰ پر موجود حاشیے کو دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۸۔ A Grammar of Hindoostanee Language, P-12 (Foot Note)

۱۹۔ اس اقتباس میں اختصار کے ساتھ الفاظ کا استعمال بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ الفاظ کی مزید تفصیل کے لیے ہندوستانی گریمر کے صفحہ نمبر ۲۳ تا ۲۸ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۰۔ A Grammar of Hindoostanee Language, P-31

۲۱۔ Ibid-P-38

۲۲۔ Sadiq-ur-Rehman Kidwai, Gilchrist and the language of Hindustan, P-111

۲۳۔ A Grammar of Hindoostanee Language, P-40

۲۴۔ Sadiq-ur-Rehman Kidwai, P-112

۲۵۔ A Grammar of Hindoostanee Language, P-46

۲۶۔ Ibid-P-45

۲۷۔ Ibid-P-45 (Foot Note)

۲۸۔ Ibid-P-64 (Foot Note)

۲۹۔ Ibid-P-69-70

۳۰۔ Ibid-P-298-99

۳۱۔ Richard Steadman, Jones- P-41

۳۲۔ عبدالحق، مولوی، قواعد اردو۔ ص ۵۲

۳۳۔ A Grammar of Hindoostanee Language, P-90

۳۴۔ Richard Steadman, Jones, P-165

۳۵۔ مولوی عبدالحق، قواعد اردو، ص ۷۷۔۷۶

۳۶۔ A Grammar of Hindoostanee Language, P-98-99

۳۷۔ Richard Steadman, Jones, P-166

۳۸۔ زبیر خالد، ڈاکٹر، اردو عروض۔۔۔ارتقائی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی، مخزونہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، غیر مطبوعہ، ۲۰۱۲ء، ص ۸۳

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ A Grammar of Hindoostanee Language, P.261

۴۱۔ Ibid.P.263

۴۲۔ Ibid.P.275-76

۴۳۔ غلام عباس/ڈاکٹر شفیق احمد، قواعد اردو، مؤلفہ بابو کاہن سنگھ، مطبوعہ دریافت (تحقیقی مجلہ)، شمارہ نمبر ۹، اسلام آباد ۲۰۱۰ء، ص ۳۵۸

۴۴۔ ایضاً۔ص ۳۷۰

۴۵۔ نعمت الحق، ڈاکٹر، اردو لسانیات (تاریخ وتنقید کی روشنی میں)، غیر مطبوعہ مقالہ برائے مخزونہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، ۱۹۹۵ء، ۴۳۷

۴۶۔ سید محمد، مولوی، ارباب نثر اردو، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، ۱۹۷۳ء، بار دوم، ص ۳۲

۴۷۔ Case study کے لئے پہلے مولوی عبدالحق کی قواعد اردو کے پہلے ایڈیشن اور انجمن ترقی اردو پاکستان کے 2013 میں شائع کردہ ایڈیشن کو بنیاد بنایا گیا ہے، جس کا حوالہ درج ذیل ہے:
مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، قواعد اردو، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۲۰۱۳ء۔

۴۸۔ مولوی عبدالحق، قواعدِ اردو، ۲۰۱۳ء، ص ۴۔۳۳۔

۴۹۔ یہ مندرجات پہلے اور آخری ایڈیشن میں مماثل ہیں۔

۵۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو قواعدِ اردو کا ۲۰۱۳ء کا ایڈیشن۔

۵۱۔ سید محمد، مولوی، ارباب نثر اردو، ص ۳۲۔

۵۱۔ سید محمد، مولوی، ارباب نثر اردو۔ص ۳۲

۵۲۔ ڈاکٹر غلام عباس گوندل نے امانت اللہ شیدا کی صرف اردو سے تقابل کرتے ہوئے اس رسالے کو گل کرسٹ کی تالیف ثابت کیا ہے جس سے یہ تفصیلات ماخوذ ہیں، اس کا حوالہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

۵۳۔ غلام عباس گوندل، رسالہء گل کرسٹ۔ چند حقائق، مطبوعہ خیابان (تحقیقی مجلہ) جامعہ پشاور، خزاں ۲۰۰۸، ص ۵

۵۴۔ ایضاً۔ ص ۱۲۔۱۱

باب پنجم:

جان بورتھوک گل کرسٹ کی دیگر لسانی خدمات

(۱)۔ اردو زبان کے حوالے سے گل کرسٹ کی لسانی کاوشیں اور اہمیت

- اردو زبان سے ان کی دلچسپی و تحصیل
- اردو کا نام ہندوستانی بجائے مورس(Moors) و جارگن(Jargon)
- دفتری اور رسمی اردو کے حوالے سے خدمات
- روزمرہ اردو کی ترویج و اشاعت

(۲)۔ گل کرسٹ اور رومن رسم الخط

- رومن رسم الخط کے رہنما اصول

(۳)۔ اردو ادب کی ترویج و اشاعت اور جدید نثری اسلوب کی نشاۃ ثانیہ

(۴)۔ زبان حکمرانی(Language of command) کی تشکیل میں جان گل کرسٹ کا کردار

باب پنجم:

جان بورتھوک گل کرسٹ کی دیگر لسانی خدمات

(ا)۔ اردو زبان کے حوالے سے گل کرسٹ کی لسانی کاوشیں اور اہمیت

جان گل کرسٹ کے ہندوستان آنے کے (۱۷۸۲ء) فوراً بعد طب کے شعبے کو چھوڑ کر مقامی زبانوں بالخصوص اردو زبان کی تحصیل کی طرف ان کی عملی کاوش ان کے ابتدائی دور کا ایک بڑا کارنامہ سمجھی جا سکتی ہے۔ایک نو وارد غیر ملکی نوجوان کے لیے کیریئر کے ابتدائی برسوں میں طب جیسے اہم شعبے کو نظر انداز کر کے غیر ملکی زبانوں کی تعلیم حاصل کرنے کی طرف یوں متوجہ ہونا ان کی لسانی خدمات کے سلسلے کا پہلا سنگ میل ہے۔جس کے بعد انہوں نے اردو زبان کی مختلف جہات میں قابلِ قدر اور غیر معمولی لسانی اہمیت کا حامل اقدامات کیے۔ جان گل کرسٹ کی نگاہ دوررس نے اس عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑھتے ہوئے جارحانہ اقدامات کو بھانپ لیا تھا کہ کمپنی کا مطمح نظر بہت جلد تجارت سے ہٹ کر ہندوستان کی حکمرانی بننے جا رہا ہے۔اس مقصد کے لیے کمپنی اور اس کے مقامی مقتدر افسروں کو مقامی آبادی پر حکمرانی کرنے اور ان کو سمجھنے اور اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے بہت جلد کسی ایسی زبان کی ضرورت پیش آنے والی ہے جو پورے ملک میں بولی اور سمجھی جا سکتی ہو۔ چنانچہ اس دور میں ہندوستانی زبان (موجودہ اردو) ملک میں رابطے کی عام زبان ہونے کے باعث ان کی نظر انتخاب میں آئی۔ ہندوستانی زبان کی تحصیل کا مقصد گل کرسٹ نے اپنی کتاب 'Appendix' میں افشا کیا تھا گل کرسٹ لکھتے ہیں؛

> "I instantly foresaw that my residence, in any capacity, would prove as unpleasant to myself, as unprofitable to my employers, until I acquired an adequate knowledge of the current language of the country, in which I was now to sojourn. I therefore sat resolutely down to acquire what was then termed as the Moors. During the march with the bengal

Troops under the command of Col. Charles Morgan from Surat to Fatehgarh, I had innumerable instances in every town and village, we visited of the universal currency of Language, I had been learning".(1)

گل کرسٹ کے ان جملوں پر غور کیا جائے تو دو زاویے واضح ہو کر سامنے آتے ہیں۔ ایک زاویہ یہ کہ ان کا قیامِ ہندوستان بغیر یہاں کی زبان جانے ان کے لیے بے اطمینانی کا سبب رہے گا۔ دوسرا یہ کہ ان کے فوجی افسروں، انگریزی مقتدر اشرافیہ اور ان کے دوستوں کے لیے بھی مسائل بنتا رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اگر بنگال پر کمپنی نے حکومت کامیاب بنانی ہے تو اس کے لیے یہاں کے مقامی باشندوں کی زبان سے دوری نہ فرحت بخش رہے گی نہ سود مند۔ اس پیراگراف سے ایک فرد کی سوچ، ایک نو آبادیات کار کی سوچ کا زاویہ پیش کرنے کے لیے کافی ہے۔ دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح بنیادی سطح پر فرد کے ہاں مقامی زبان سیکھنے کے پیچھے محض زبان سیکھنے کا جذبہ نہیں بلکہ ایک استعماری سوچ کے تحت مقامی زبان کی تحصیل کی طرف متوجہ ہونے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا جا رہا تھا۔ یہ تو تھی ایک فرد کی سوچ لیکن ایک فرد کی سوچ کے متوازی کمپنی کے حکمران افسروں کی حریص نظریں اسی طرح منصوبے کی طرف متوجہ ہو رہی تھیں۔

۱۸۵۷ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے کرتا دھرتاؤں کا منصوبہ تجارت سے حکمرانی میں تبدیل نہیں ہوا تھا اور کمپنی کے ڈائریکٹران ہندوستان میں موجود گورنر جنرل اور دیگر افسران کو ہدایت کر رہے تھے کہ وہ ہندوستان کے اندرونی و سیاسی معاملات میں دخل اندازی نہ کریں اور اپنا دھیان صرف اور صرف تجارتی مفادات اور ان سے حاصل کیے جانے والے زیادہ سے زیادہ منافع پر رکھیں، لیکن یہ بات اہم ہے کہ اس عہد کے سیاسی حالات کی دگرگوں کیفیت نے مغل حکمرانوں کی نااہلی کا راز انگریزوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کو غلام قادر روہیلہ گرم سلائیاں پھیر کر اندھا کر چکا تھا۔ ملک پر نابینا بادشاہ کی موجودگی نے کمپنی کے لالچی افسران کے دل میں حکمرانی اور قبضے کا بیج بو دیا جو جلد ہی درخت بن گیا۔ چنانچہ ۱۷۸۶ء میں ایک قانون پاس ہونے سے کمپنی تجارت سے ہٹ کر ہندوستان کی حکمرانی کے میدان میں داخل ہو گئی۔ ڈاکٹر سمیع اللہ کے مطابق،

''(آخرکار)۱۷۸۶ء میں ایک قانون پاس ہوا جس میں گورنر
اعظم تسلیم کرلیا گیا... اس قانون کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی صرف ایک تجارتی
کمپنی ہی نہیں رہی بلکہ ہندوستان میں ایک سیاسی قوت بن گئی۔ اب اسے
ہندوستان کے سیاسی معاملات میں این و آں کرنے کا قانونی اختیار بھی حاصل ہو
گیا''۔(۲)

۱۷۸۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کو جس قانون کے پاس کرنے کا خیال آیا' اس حکمرانی کا تصور گل کرسٹ پہلے ہی کر چکے تھے۔ انہوں نے کمپنی کے استعماری مقاصد کو بھانپ کر یہ اندازہ کرلیا تھا کہ ہندوستانی مقامی حکمران نااہل ہیں۔ لوگوں میں بھی ان حکمرانوں سے بے دلی پائی جاتی ہے اور یہ کہ سماجی درجہ بندی سے لے کر جاگیردارانہ نظام کے شکنجے میں جکڑے ہوئے افراد کے دلوں سے اشرافیہ اور حکمرانوں سے بے دلی بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہندوستان کی حکمرانی پر بہت جلد انگریزوں کا مستحکم ہوتا قبضہ جانچ لیا تھا۔ اس دور میں یورپ تیزی سے وسائل سے مالا مال ممالک کو نوآبادیاتی نظام کے شکنجے میں کس رہا تھا' بالآخر ہندوستان کو بھی ایک نوآبادی بنانے کی طرف انگریزوں کا رجحان ہوا۔ گل کرسٹ نے انگریز حکمرانوں کو حکمرانی کے مقصد کی بنیادی ضرورت زبان کو خیال کیا۔ وہ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ نیا انگریز حکمران مقامی کلچر پر حملہ کرکے اس کو تباہ و برباد تو کرسکتا ہے' اس کی حفاظت نہیں کرسکتا۔ ملک بھر میں سرکاری زبان فارسی اشرافیہ کی زبان اور ادبی زبان کے طور پر تو موجود تھی لیکن مقامی زبان اردو تیزی سے ہر ہر میدان میں اس زبان کی اہمیت کم کرکے اپنی جگہ مستحکم کرتی جارہی تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اردو زبان عوامی بول چال کے ساتھ ساتھ اٹھارہویں صدی میں ادبی زبان کے ممتاز درجے کو پا چکی تھی۔ گل کرسٹ نے اس ادراک میں دیر نہیں لگائی کہ انگریز اپنی حکمرانی مستحکم کرنے کے بعد فارسی زبان کو مغل عہد کے یادگار ہونے کی وجہ سے بھی سرپرستی نہ کریں گے اور اس کی جگہ ان کو کسی اور ایسی زبان کی ضرورت پڑے گی جو سرکار دربار کا کام بھی بخوبی انجام دے سکے اور عوام کا حکمرانوں سے رشتہ بھی ممکن بنا سکیں چنانچہ اردو زبان (ہندوستانی) گل کرسٹ کو وہ زبان لگی جو اس مقصد کے لیے بروئے کار لائی جاسکتی تھی۔ پس اس زبان کی تحصیل' اس میں لسانیاتی کام کی طرف متوجہ ہونا' اس کی قواعد و لغت مرتب کرنا گل کرسٹ کو اہم کام نظر آیا اور بلاشبہ وقت نے ان کی دوراندیشی اور اس کام کی اہمیت کو ثابت کرکے رکھ دیا کہ یہ کام طب کے کام سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ گل کرسٹ کو اپنے منصوبے کی اہمیت اور افادیت پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ اپنے کام کی بدولت مقتدر طبقے کی توجہ اس زبان کی مذکورہ اہمیت کی طرف دلانے میں کامیاب رہے۔ ان کے منصوبے کی اہمیت پر عتیق صدیقی لکھتے ہیں'

ہندوستان آتے ہی اس کے ذہن رسا نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہندوستان کا بوڑھا جاگیردارانہ نظام اس کے وطن کے نوخیز تجارتی سامراج کے مقابلے میں ٹک نہ سکے گا۔۔۔ اسے اپنے اس خیال پر بھی پورا بھروسہ تھا کہ حکمران طبقے کے تجارتی و انتظامی مصالح ان کو ہندوستانی زبان کے سیکھنے پر جلد ہی مجبور کر دیں گے جس کے موثر ذرائع اس وقت کلیتاً ناپید تھے''۔(۳)

گل کرسٹ کا ''ہندوستانی فلالوجی'' کا منصوبہ دراصل اردو زبان کی قواعد لغات (انگریزی ہندوستانی ہندوستانی انگریزی) اور ضمیمے پر مشتمل منصوبے کی غرض و غایت یہی تھی کہ کمپنی کی لسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہ مواد اکٹھا کر کے کتابی شکل میں مرتب کر دیا جائے۔ اس منصوبے میں گل کرسٹ کو کٹھن راہوں کے سفر کرنا پڑے۔ ہندوستانی انگریزی لغت مرتب نہ ہو سکی لیکن اس سلسلے کی تین کتب' انگریزی ہندوستانی لغت' ہندوستانی گریمر اور اپینڈکس کی اشاعت نے ان کے اشاعتی منصوبے کی صورت میں کمپنی کے حل وعقد کو یہ مضبوط بنیاد فراہم کر دی تھی کہ وہ اس نوزائیدہ زبان پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے حکمرانی کی زبان کے طور پر منتخب کریں اور انگریز افسروں اور دیگر انتظامی امور سے جڑے افراد کو اردو زبان کی تحصیل کی طرف راغب کریں اور یہ کام عملی صورت میں ممکن بھی ہوا۔ اس زبان کی اہمیت اور گل کرسٹ کا اس زبان میں انہماک دیکھ کر لارڈ ولزلی (Wellesley) نے اس عملی کام کو ۱۷۹۸ء میں محدود پیمانے پر ان کو ایک ''سیمینری'' شروع کرنے کی اجازت دی اور ان کی حوصلہ افزائی سے اورینٹل سیمینری (Oriental Seminary) کا قیام (۱۷۹۹ء) گل کرسٹ کی کوششوں کی ایک بہت بڑی فتح تھی جو عملی شکل میں سامنے آئی۔ اس سیمینری کو ''گل کرسٹ کا مدرسہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ اس پلیٹ فارم کی کامیابی سے ہی دراصل فورٹ ولیم کالج کے منصوبے کا خیال عملی طور پر ممکن ہو سکا۔ کمپنی کے ملازمین کو فارسی زبان سیکھنا ضروری تھا' لیکن یہ زبان سیکھنے میں کچھ دشواریاں موجود تھیں جن کی وجہ سے ملازمین فارسی زبان کی تحصیل میں کامل کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتے۔ گل کرسٹ نے ان مسائل کے حل کے لیے یہ تجویز پیش کی تھی کہ مقامی منشیوں سے کمپنی ملازمین کے فارسی سیکھنے کے مرحلے کو سہل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو پہلے مقامی زبان سکھائی جائے۔ اس زبان کو سیکھنے کے بعد ملازمین کے لیے فارسی زبان میں کامیابی حاصل کرنا زیادہ سہل ہو جائے گا۔ ان کی یہ تجویز ۱۷۹۸ء سے قبل کی ہے جس کو لارڈ ولزلی نے قبول کرتے ہوئے ''مدرسہ شرقیہ'' بنانے کی منظوری دی تھی۔ عتیق صدیقی کے مطابق'

''[ولزلی لکھتے ہیں] مسٹر گل کرسٹ کی پیش کش کو قبول کر لینا ہی مناسب ہوگا۔ کیونکہ دیسی زبان کی تعلیم کو فروغ دینے میں یہ تجویز ممد ثابت ہوگی۔ میری رائے ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے اور آئندہ جنوری سے اس پر عملدرآمد شروع ہو جائے۔ کلکتے میں جو نووارد رائٹر اس وقت موجود ہیں ان کو ایک سال تک گل کرسٹ سے درس لینے کی ہدایت کی جائے''۔(۴)

لارڈ ولزلی کی یہ منظوری گل کرسٹ کے اردو زبان کے نفاذ کے عملی پہلو کی طرف ایک بڑا اقدم تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مدرسے کا قیام دراصل فورٹ ولیم کالج کے منصوبے کا آغاز تھا۔ لارڈ ولزلی انہی اقدامات کے باعث مشرقی علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ ولزلی نے ایک مشرقی کالج کے قیام کا منصوبہ گل کرسٹ سے متاثر ہو کر مستحکم کر لیا تھا۔ ان کا یہ منصوبہ کسی طور پر بھی مشرقی علوم کی بڑی یونی ورسٹی سے کم نہ تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کالج کا برقرار رہنا ہی آگے چل کر کمپنی کے تاجر ذہنیت کے ڈائریکٹران نے مشکل بنا دیا تھا۔

فورٹ ولیم کالج ۱۸۰۰ء میں قائم ہوا۔ گل کرسٹ کو ''ہندوستانی زبان'' کے شعبے کا صدر بنا دیا گیا تھا۔ یہاں پر ان کو اردو اور دوسری مقامی زبانوں میں کتب کی تالیف وتراجم کی اشاعت کا اہم موقعہ ملا تو انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بظاہر یہ سارا کام وہ انگریز افسروں کی تعلیم وتربیت کے منصوبے کے تحت کر رہے تھے لیکن ان کی ذہانت کا یہ پہلو اس معاملے میں خاص اہمیت رکھتا ہے کہ انہوں کالج کونسل کے کرتا دھرتاؤں کی کتب کی اشاعت کے معاملے میں بے دلی کو محسوس کرتے ہوئے کئی کتب کے چند چند صفحات (جزوی حصے) کی اشاعت کا کام شروع کروا دیا تھا تا کہ اگر یہ افراد اشاعت کے منصوبوں کی مخالفت بھی کریں تو گل کرسٹ کے پاس یہ جواز ہو کہ جو کتب ادھوری چھپی ہیں' ان کو مکمل کرنے کے احکامات ملنے میں آسانی رہے۔ یہ اس ضمن میں اہم کاوش تھی جس سے اردو زبان کی نثر کے میدان میں گراں قدر اضافوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اردو زبان کی اہمیت راسخ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اس کے بارے میں غیر ملکی افراد کی غلط فہمیاں دور کی جائیں۔ عام طور پر اس عہد میں اس زبان کو "Moors" زبان کے نام سے پہلے کے مستشرقین نے متعارف کرایا تھا۔ اس نام سے ایک مفہوم تو یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ یہ صرف مسلمانوں کی بولی جانے والی زبان ہے' دوسرا یہ کہ یہ ایک غیر ترقی یافتہ' غیر مہذب' گلیوں بازاروں کی دیہاتی زبان ہے جس کا اشرافیہ کے ہاں کوئی علاقہ نہیں۔

Moors نام کی اس غلط تشریح سے پیدا ہونے والے مفہوم کی وجہ سے گل کرسٹ سے قبل جارج ہیڈلے اپنی قواعد میں ناپسندیدگی کا اظہار کر چکے تھے کہ یہ نام اردو زبان پر صادق نہیں آتا۔ جان گل کرسٹ نے اعلانیہ احتجاج کی صدا بلند کی اور اپنی کتب کے سرورق پر واضح انداز سے Moors نام رکھنے اور پکارے جانے پر ناپسندیدگی کا اظہار درج کیا۔ ان کی کتب کے سرورق پر جہاں جہاں مورس (Moors) نام لکھا ہے وہاں پر واضح انداز سے اس پر 'Improperly Called Moors Language' درج ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کو اس بات سے شدید چڑ تھی کہ اس کے پیش رو محض غلط فہمی کی بنا پر اس مہذب زبان کا غیر مہذب نام عام کر گئے تھے اور یہ نام ٹھیک نہیں تھا۔ ہندوستانی زبان کیا ہے۔ اس کو واضح کرنے کے لیے جو حد بندی اور معلومات گل کرسٹ نے دی ہیں، اس سے قبل نہ دی گئی تھیں سب سے پہلے تو یہ بات سمجھنے کی ہے کہ گل کرسٹ ہندوستانی زبان کسے کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی کتاب "Oriental Linguist" کے تعارفی باب میں دی گئی تفصیل سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس تفصیل کی رو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ گل کرسٹ کے نزدیک ہندوستانی زبان ہندوستان بھر کے ہندوؤں مسلمانوں اور پورے ملک کی مشہور زبان ہے۔ مسلم حملہ آوروں اور حکمرانوں کی ہندوستان آمد سے قبل یہ زبان ہندوی/ہندی کہلاتی تھی۔ جب مسلم دور حکومت ہندوستان میں شروع ہوا تو ان کی عرب وایران وافغانستان سے آمد اور ان کی اپنی زبانوں عربی، فارسی اور ترکی کے الفاظ کی مقامی ہندوی زبان میں آمیزش سے اس ہندوی کا روپ بدلتا چلا گیا جو بعد میں وہ نہ رہا جو ہندوی کی شکل میں ہندوستان میں پہلے سے موجود تھا۔ مزید یہ کہ امیر تیمور کے حملوں کے دور میں یہ زبان ہندوستانی کی شکل اختیار کرتی ہے۔ یوں فارسی عربی الفاظ، تلفظ اور محاورے کی آمیزش سے یہ زبان ہندوستانی زبان بن گئی۔ انہوں نے ہندوستانی زبان کی تشکیل اور مسلم حکمرانوں کی زبانوں کے اشتراک ونفوذ کو ایک دلچسپ مثال سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ گل کرسٹ لکھتے ہیں؛

> "Hinduwee, I have treated as the exclusive property of Hindoos alone; and have therefore constantly applied it to the old language of India, which prevailed before the Moosulman invasion; [now Hindoostanee is] composed of Persian and Arabic in which the two last may be considered in the same relation, that Latin

and French bear to English: while we may justly treat the Hinduwee of the modern speech of Hindoostanee, as the Saxon of the former thus:-

Saxon LATIN French = English

Hinduwee Arabic Persian = indoostanee".(5)

اس پیراگراف کی مدد سے انگریزوں کو اردو، ہندی کے مابین فرق سمجھنے میں آسانی ہونا ایک زاویہ ہے لیکن دیکھا جائے تو ان الفاظ کے بارے میں ایک نتیجہ یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اردو زبان کو بھی یورپی کلیے اور فارمولے کی مدد سے سمجھا جا رہا تھا۔ گل کرسٹ نے گو اردو زبان کی قواعد مرتب کرتے ہوئے یہ نقطہ نظر اختیار کیا تھا کہ ان سے قبل کے قواعد نویس اردو زبان کے قواعدی ماڈل کو لاطینی طرز کے ماڈل کے تابع رکھ کر زبان کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے جس کی وجہ سے قواعدی کتب میں خامیاں در آئیں اور یہ کہ اس زبان کو اس کے اپنے نظام سے سمجھا جانے چاہیے تھا لیکن مذکورہ اقتباس کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ گل کرسٹ نے بھی اردو زبان کی تشکیل میں عربی فارسی کے کردار کی مثال دینے کے لیے انگریزی زبان کی تشکیل میں شامل فرنچ لاطینی وغیرہ کی مثال سے سمجھانے کی کوشش کی ہے یعنی گل کرسٹ بھی اردو زبان کو یورپی ماڈل کے تقابل سے ہی سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جان گل کرسٹ نے فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے دوران صرف تدریس اردو پر ہی اپنی توانائیاں خرچ نہیں کیں بلکہ طلباء کی ضروریات کے لیے امدادی کتب اور مشقی کتابیں بھی تحریر کیں جن کی مدد سے طلبا کے امتحان لینے کا کام لیا جاتا تھا۔ یہ امدادی کتب عظیم الشان کارنامہ نہ بھی ہو تب بھی اردو زبان کی تدریس کے لیے اہم کام تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے دیگر زبانوں جن میں سنسکرت، ہندوی، فارسی اور عربی کے بارے میں تالیف و اشاعت کا کام انجام دیا تھا، جو اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ فارسی افعال پر ان کی کتاب (نو ایجاد یعنی نقشۂ افعال فارسی مع مصدارات آف مترادف ہندوستان) 'The New Theroy of Prospective of Persian Verbs" لکھتی تھی جن میں فارسی افعال کے مترادف اور اردو افعال کی پیش کش سے یہ زبان سیکھنے کے لیے فراہم کردی گئی تھی، لیکن یہ بات اپنی جگہ خاص ہے کہ ان کی زیادہ توجہ اردو زبان کی درس و تدریس اور تالیف و نشر و اشاعت کی طرف تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے قیام کا بنیادی مقصد اردو کی ترویج و اشاعت ہی تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ اسی مقصد کے لیے ملک بھر کے بہترین پڑھے لکھے علمائے شعر و ادب کو اکٹھا کر کے فورٹ ولیم کالج کے پلیٹ فارم سے مختلف

موضوعات پر اردو شعر و نثر پارے ترجمہ کرائے۔ ان کتب کو ایسے انداز سے لکھوایا گیا کہ کسی بھی موضوع پر ترجمہ کی گئی کتاب دلچسپ اور عام فہم ہوتی۔ گل کرسٹ کی مساعی کی بدولت فورٹ ولیم کالج کی فضا اور ماحول اتنا ادبی ہو گیا تھا کہ مقامی منشیوں کو کام کرنے کا مزا آیا اور نتیجے کے طور پر انہوں نے اب صالح اور توانا نثری اسلوب پیش کیا کہ اردو زبان کو فارسی کی جگہ لینے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اردو زبان اتنی توانا بن گئی تھی کہ بڑی آسانی سے فارسی زبان کی جگہ دفتری و رسمی کام سرانجام دے سکتی تھی۔ یہ تمام کاوشیں اپنی جگہ سودمند اور اہمیت کے حامل ہیں۔۔ ڈاکٹر مس رضیہ نور محمد اردو زبان سے متعلق جان گل کرسٹ کی دلچسپیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں'

''... گل کرسٹ نے اپنی بیش تر توجہ اردو زبان کی طرف رکھی۔ فارسی افعال کی بحث میں اس نے جو نکتہ آفرینیاں کیں ہیں اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی زبان و ادب سے بھی اسے پوری آگاہی تھی لیکن اس کی دلچسپی کا اصل محور اردو زبان و ادب ہے۔ ادب کی تاریخ پر گل کرسٹ کو زیادہ عبور نہیں لیکن زبان کے مسائل میں اس کی اجتہاد فکر نے آنے والے مستشرقین کو خاصا متاثر کیا۔ اردو کے لسانی مسائل اور لغت کے معاملات میں گل کرسٹ نے اپنے پیش رووں کے طریقہ کار سے اختلاف کر کے لغت اور قواعد کو سائنٹیفک انداز میں دیکھنے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں یہ انداز نظر بالکل نئی چیز تھی''۔(۶)

جان گل کرسٹ کا سابقہ اردو زبان سے بطور استاد کے بھی پڑا۔ انہوں نے مدرسہ گل کرسٹ (اورینٹل سیمیزی) میں انگریز طالب علموں کو اردو پڑھاتے ہوئے محض رسمی بات چیت' مکالمات اور بول چال کی کوئی جیبی گائیڈ تیار کر کے نہ دی تھی بلکہ اس زبان کو اپنے اندر اتار لیا تھا۔ ان کے سامنے اس زبان کی تدریس کے دو پہلو تھے۔ ان میں ایک پہلو بول چال سے متعلق تھا جبکہ دوسرا پہلو اس زبان کی تحریری شکل سے تھا جو اس کے ہم وطن انگریزوں کے لیے اتنی آسان نہیں تھی۔ زبان کے سیکھنے کے عمل کو سہل اور بہتر بنانے سے پہلے انہوں نے اس زبان کے متعلق بنیادی معلومات' اس کا اخذ و اشتقاق' دوسری مشرقی زبانوں سے الفاظ کا لین دین اور اس کے خاندان سے متعلق بحثیں اپنی کتب کا حصہ بنائی تھیں۔ The Anti Jargonist ' کتاب میں انہوں نے ہندوستانی زبان کا تعارف' ہندوستانی اور ہندوی میں فرق' اس زبان کو ناسمجھی اور کم عقلی کی بنیاد پر Moors یا Jargon قرار دینا' زبان کے مبادیات' ذخیرہ الفاظ (Vocabulary) جیسے اجزا پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ بحثیں بعد میں آنے والی

کتاب British Indian Monitor کے صفحات میں بھی شامل کی گئیں ہیں۔گل کرسٹ سے قبل مستشرقین کی روایت نے اس زبان کو کم فہمی کی وجہ سے Vulgar اور Moors جیسے ناموں سے مشہور کر دیا تھا۔ جارج ہیڈ لے نے اپنی گریمر میں Moors نام پکارے جانے پر اشارے دیے تھے جس سے اس کی ناپسندیدگی کا اندازہ ہوتا تھا لیکن گل کرسٹ نے اشاروں کنایوں کو ناکافی سمجھتے ہوئے اس کے مذکورہ نام کی مدافعت پر اتر آئے اور زیادہ تر اپنی کتابوں کے سرِ ورق پر اس غلطی کی نشان دہی کرتے ہوئے کہ یہ نام اس زبان پر صادق نہیں آتا' احتجاج کو کتب کے سرِ ورق کا حصہ بنایا ہے۔گل کرسٹ نے اس زبان کی اہمیت' افادیت اور مستقبل قریب میں اس کے ملک بھر میں پھیلتے ہوئے اثرات کا ادراک کر کے اس پر تفصیلی تحقیقی کام کیا تھا۔ انہوں نے اس زبان کو باقاعدہ ''ہندوستانی'' زبان کا نام عطا کیا تھا۔عتیق صدیقی لکھتے ہیں'

> ''گل کرسٹ کے کام کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ ہندوستان کی وہ مختلف بولیاں جنہیں گریرسن (Grierson) نے ہندوی آریائی کی مرکزی بولیوں کا نام دیا ہے اور جو ہمالہ کی رائی سے لے کر کماری کے ساحل تک اور بمبئی سے لے کر کلکتے تک مختلف مکوم شکلوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھیں' ان کو ترقی دے کر گل کرسٹ نے زبان کا درجہ دے دیا اور ہندوستانی اس کا نام رکھا۔ اور پھر اس جدید ہندوستانی زبان کا نیا نثری ادب پیدا کیا۔گل کرسٹ کا یہ ایسا کارنامہ ہے جس کے سامنے مستشرقین کے کام بے حقیقت ہیں''۔(۷)

عتیق صدیقی کے اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بولی جب ترقی کرتے کرتے خاص لسانی استقلال پر جا پہنچے جہاں پر اس کے اندر قواعدی طور پر استناد موجود ہو اور اس کے ذخیرہ الفاظ میں اتنی وسعت ہو کہ متنوع اقسام کے نثر پاروں کی ترتیب و تالیف کے لیے اس کے دامن میں ٹھیک ٹھاک وسعت ہو تو تب ہی کوئی بولی زبان کے درجے کو پہنچتی ہے۔ جان گل کرسٹ کے کریڈٹ میں عتیق صدیقی کا یہ دعویٰ ان کو اردو زبان کی ترویج' اشاعت اور مستقل زبان بنانے کا بانی قرار دینا ہے جو نہایت اہم اعزاز ہے۔عام الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ گل کرسٹ کی مساعی کی بدولت اردو زبان گلی کوچوں کی عوامی بول چال کی سطح سے ترقی کر کے دفتری' رسمی' ادبی' سفارتی زبان بن گئی اور مقامی ہندوستانی بولیوں کو زبان کے درجے پر پہنچانا گل کرسٹ کا ایسا اعزاز ہے جو ان کو تواریخ ادب میں ہمیشہ سرخرو رکھے گا۔ جان گل کرسٹ کی پیہم کوششوں سے ہی بالآخر ایسٹ انڈیا کمپنی کو گل کرسٹ کی اس رائے

پر قائل ہونا پڑا کہ فارسی زبان کی بجائے اردو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ مولوی سید محمد لکھتے ہیں؛

> ''ڈاکٹر گل کرسٹ نے ہندوستان کی مختلف زبانوں پر ناقدانہ نظر ڈال کر ارباب مقتدر کو مطلع کیا کہ اب فارسی ہندوستان کے باشندوں کی زبان نہیں رہی... جو علاقے کمپنی کے تصرف میں ہیں ان میں فارسی کو دفتر زبان کی حیثیت سے برقرار رکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ دیگر ملکی السنہ میں صرف اردو یا ہندوستانی کا دائرہ عمل نہایت وسیع ہے اور ضرورت ہے کہ اس عام بول چال کی زبان کی تحصیل کی جائے ابتداً ان کی اس معقول تحریک پر جیسی چاہیے توجہ نہیں کی گئی مگر بعد ازاں یورپی ماہر السنہ نے متفقہ طور پر ان کی رائے قبول کر لی۔ ۱۸۳۲ء میں اردو سرکاری زبان قرار پائی... ان کی اصابت رائے کمپنی کے مالی امور کی ترقیات مین بہت مفید ثابت ہوئی اور کمپنی کو نہایت عمدگی سے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کرنے اور عوام کا اطمینان و دل بستگی حاصل کرنے کا موقع ملا''۔(۸)

۱۸۳۲ء میں گل کرسٹ کی کوششوں سے دفاتر میں سرکاری زبان اردو ہو جانے سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گل کرسٹ رسمی اور دفتری اردو کا بنیاد گزار ہے، اور یہ اعزاز ان سے قبل کسی مستشرق کے حصے میں نہیں آیا۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام کے موقع پر جب اس کا آئین ترتیب دیا گیا تو اس کالج میں زبانوں کے شعبوں میں عربی، فارسی، سنسکرت (کذا) ہندوستانی، بنگالی، تلنگی، مرہٹی، تامل اور کنارہ (کنٹر) زبانوں کی تحصیل و تدریس کی منظوری دی گئی جبکہ مغربی زبانوں کے ضمن میں یونانی، لاطینی، انگریزی ادب و زبان کے شعبے قائم کیے گئے۔ مقامی ملکی و علاقائی زبانوں کی اہمیت اس آئین کی رو سے سمجھی جاسکتی ہے۔(۹)

پرنٹنگ پریس اس عہد میں ایک اہم مشین تھی جس سے کتب کی نشر و اشاعت کا کام کاتبوں کی نسبت زیادہ صحت و درستی اور سرعت کے ساتھ کیا جا سکتا تھا۔ گل کرسٹ جیسے توانا اور دن رات نشر و اشاعت کی سرگرمیوں میں مصروف شخص کے لیے اس کی اہمیت یوں بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ ان کی کوشش یہ تھی کہ جتنی جلدی سے نشر و اشاعت کے منصوبے مکمل کر لیے جائیں ان کا فائدہ ہے کیونکہ کمپنی کے ڈائریکٹرز کی اکثریت ایسے منصوبوں کی منظوری بادلِ ناخواستہ ہی دیتی تھی چنانچہ انہوں نے اپنے منصوبوں کی بروقت تکمیل کے نقطۂ نظر کے تحت ۱۸۰۲ء میں اپنا ''ہندوستانی

ڈالیا اور دن رات کتب کے چھاپنے میں مصروف ہو گئے۔ اکثر کتب میں مولوی اکرام علی کو ''ہندوستانی
کا مالک بتایا جاتا ہے لیکن یہ پریس گل کرسٹ کی ملکیت تھا' مولوی اکرام علی اس کے مالک نہ تھے۔ (۱۰)

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے مستشرقین نے (قواعد ولغت نویس) ہندوستان آ کر یہ اہم ذمہ داری
کارانہ طور پر طاری کر لی تھی کہ مقامی زبانوں کو سب سے پہلے اس انداز سے قواعد ولغات کی کتب اور دیگر لسانی
کتب میں استعمال کیا جائے کہ یہ زبان ورنیکلر زبان (Vernacular Language) کے درجے تک پہنچ
جائے۔ اس دور میں عربی' فارسی اور سنسکرت کو ہندوستان کی کلاسیکی زبانوں کا درجہ حاصل تھا جبکہ اردو زبان تیزی سے
ورنیکلر زبان بننے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان لوگوں کی کاوشوں کو مہمیز گل کرسٹ کی لسانی کاوشوں سے ملی اور یہ زبان
تیزی سے کلاسیکی زبانوں کے درجے تک پہنچنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ اس دور میں کلاسیکی زبانوں کو اصطلاحاً
Polite زبانیں اور ورنیکلر کو Jargon زبان بولا جاتا تھا۔ اس زبان کو Polite Language کے مرتبے پر
پہنچانے میں فارسی زبان کو کمپنی کے افسروں کے لیے مشکل امر ہونا بھی معاون ثابت ہوا۔ مسئلہ یہ تھا کہ سرکاری زبان
فارسی انگریز افسروں کی اکثریت کے لیے مشکل زبان تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ تینوں بڑی پریذی ڈینسیوں میں عوامی
زبانیں رائج تھیں (جن میں بنگلہ ہندوی وغیرہ اہم ہیں) چنانچہ ایک ہی وقت میں ہندوی اور فارسی سیکھنا ان کے لیے
سعی لاحاصل بن گیا تھا۔ چنانچہ گل کرسٹ کے عہد تک آتے آتے ہندوستانی زبان کے حق میں ہموار ہو چکی تھی۔
فارسی زبان میں کمپنی کے چند ایک ملازم ہی دسترس حاصل کر پاتے جبکہ اکثر مقامی زبانوں کے انتخاب اور تحصیل پر
ڈانواں ڈول رہتے تھے۔ رچرڈ سٹینڈ مین جونز لکھتے ہیں۔

"As Cohn (1996:19-20) states, however relatively vew company servants sem to have developed any real competence in Persian, despite this general sense of the language's usefulness. It is true that some individuals applied themselves to its study and some some clearly had a practical knowledge of Hindustani as well... the servants of company were with too many obstacles for a serious

engagement with Indian Languages to become a priority".(11)

گل کرسٹ کا ایک اور لسانی کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اردو زبان کو دفتری زبان بنانے کے لیے نہ صرف عملی کوششیں انجام دیں بلکہ آنے والے عہد کی ضروریات کے لیے اپنی لغت میں الفاظ اور ان کے معنی کے ان استعمالات کی طرف بھی توجہ کی جو اس زبان کے سرکاری زبان بن جانے کے بعد کمپنی کی حکومت کے لیے ضرورت بنتے۔ اس مقصد کے لیے لغت کے بعد انہوں نے اپنے مکالمات میں نوکر مالک کے مابین تعلق کو سمجھانے اور مقامی ماتحتوں کو بولنے بلانے کے لیے زبان کا اہم روپ تراش خراش کر کے مختلف مکالمات کی شکل میں اپنی تحریروں کا حصہ بنا دیا تھا جس کو اس نے اپنے مقامی معاشرت کے مشاہدے کے دوران محسوس کیا تھا۔ انہوں نے مقامی سطح پر نواب اور ان کے خدمت گار سے لے کر افسران' اشرافیہ اور دربار کے ماحول کے مطابق مقامی زبان کو سمجھا اور اپنی تحریروں میں محفوظ کر دیا۔ گریمر میں بھی انہوں نے ضمیر کے مباحث میں 'تم' 'تو اور آپ' کے فرق کو سمجھانے میں ہندوستانی افراد کے انفرادی و اجتماعی رویے بیان کیے تھے۔ ان کا یہ خیال 'ہم' کا صیغہ واحد جھوٹے تفاخر کے لیے استعمال کرتے ہیں اس بات کا غماز تھا کہ اگر ہم مقامی افراد کے جھوٹے تفاخر کے باوجود مستعمل ہے تو انگریز حکمران جو حکمرانی کے لائق نہیں ان کے لیے اس کا استعمال کیوں ناگزیر نہ ہوگا۔ چنانچہ حکمرانوں کو اکثر جگہ تو اور توں کا استعمال سمجھانے کا مقصد یہی تھا کہ توں تاں بے ادبی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہندوستانی افراد چھوٹوں کو بے تکلفی سے اور بڑوں کو بے ادبی سے توں' تاں کر کے بولتے ہیں' انگریز تو تاں کی حوصلہ شکنی کریں۔ جان گل کرسٹ نے حکمرانوں کے لیے زبان کا وہ تصور بیان کیا جو عام طور پر مقامی اشرافیہ کے زیر استعمال تھا'

"Gilchrist's defence of Hindustani is not built on a claim that the lanugage use of ordinary people is always valid. His work acknowledges the eighteenth centuary principles that some are better than others, and works hard to show that Hindustani is one of the better one"(12)

گل کرسٹ نے اردو کے روزمرہ کے استعمال کو بطور خاص اہم سمجھا۔ روزمرہ، محاورہ، عوامی بول چال اور مشاہیر و کلاسیکی شعراء کا کلام ان کو اردو زبان کے متنوع استعمالات سمجھانے میں سودمند ثابت ہوا۔ ولیم جونز نے ہندوستان آ کر یہ نقطہ نظر مستشرقین کے لیے پیش کیا تھا کہ اگر ہندوستان کو سمجھنا ہے تو اس کے کلاسیکی متن کو سمجھو۔ ولیم جونز نے سنسکرت اور فارسی کے متون کے مطالعہ۔ ہندوستان اور ہندوستانی فرد کا خاکہ بنا کر اس کو سمجھا۔ گل کرسٹ نے ولیم جونز کے اس نقطہ نظر میں اپنا نقطہ نظر شامل کیا کہ اگر صرف کلاسیکی متون سے مقامی فرد کا خاکہ بنایا گیا تو وہ اس قدر جامع اس لیے بھی نہ ہوگا کہ عموماً ادب اشرافیہ کے ذوق و معاشرت کا ایک تصور واضح کر دے گا لیکن زبان کا وہ بنتا بگڑتا روپ اور مزاج جس کا براہ راست تعلق عوام سے ہے اس کا تصور واضح نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ گل کرسٹ نے کلاسیکی متون کے ساتھ ہندوستانی عوامی معاشرت، زبان، جارگن، مورز، بگڑا الٹ لہجہ، Vulgar روپ، نیز مختلف رائج روپ مطالعہ کرنے کے بعد ہندوستان اور ہندوستانی فرد کا وہ روپ بنا کر پیش کیا جو اپنی حقیقت کا واقعی ہندوستان کا نمائندہ فرد تھا۔ یہاں جان گل کرسٹ ولیم جونز سے یوں بھی زیادہ واضح اور کامیاب رہے کہ ولیم جونز کا مخاطب اشرافیہ کا پڑھا لکھا طبقہ تھا جس کی زبان اور لب ولہجہ آراستہ و پیراستہ تھا جبکہ جان گل کرسٹ نے ان پڑھ غیر ترقی یافتہ ہندوستانی فرد کو مطالعہ میں شامل کر کے اس عہد کی مستشرقین کی روایت میں اضافے کیے۔

۲۔ گل کرسٹ اور رومن رسم الخط

اردو زبان کے رسم الخط کے دو استعمالات نے مستشرقین کو خاصا الجھن میں ڈالے رکھا۔ عام طور پر فارسی اور اردو کا رسم الخط ایک ہی تھا۔ جسے عربی فارسی رسم الخط (Perso Arabic Script) کہا جاتا تھا۔ یہ خط مشکل ترین رسم الخط شمار کیا جاتا تھا کیونکہ اس میں حرف کی مختلف سطح پر مختلف اشکال بنتی تھیں جو مقامی آبادی کے لیے تو سہل ہو سکتی ہوں گی، انگریزوں کے لیے انہیں سمجھنا اتنا آسان نہ تھا۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ انگریزی رسم الخط بائیں سے دائیں لکھا جاتا تھا جبکہ فارسی خط دائیں سے بائیں لکھا جانے والا رسم الخط تھا۔ دوسری طرف دیوناگری رسم الخط گو بائیں سے دائیں لکھا جانے والا خط ہی تھا لیکن وہ بھی اتنی جلدی سیکھا جانے والا رسم الخط نہ تھا۔ کالج کے طلباء کو زبان سیکھنے سے زیادہ مشکل رسم الخط محسوس ہوتا تھا چنانچہ طلباء کی اس مشکل کو سمجھتے ہوئے کہ وہ زبان سیکھیں یا رسم الخط، گل کرسٹ نے تدریسی نقطہ نظر سے اس کا حل تیار کیا۔ غیر ملکیوں کے لیے عام طور پر زبان سکھانے کا روایتی طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے رسم الخط سیکھتے، پھر اردو قواعد کے مباحث ذہن نشین کرتے اس کے بعد زبان کو مختلف طریقوں سے سیکھتے تھے۔ اس طریقے کے تحت تین مختلف مراحل میں بٹ کر طالب علم بہت زیادہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتے۔ چنانچہ

اس روایتی طریقے کو چھوڑتے ہوئے گل کرسٹ نے نئے سرے سے رومن رسم الخط کو رائج کرنے کا فیصلہ کیا۔

گل کرسٹ کی ''ہندوستانی گریمر'' کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی فلالوجی کے منصوبے کے تحت ان کو عوامی بول چال کے ساتھ ساتھ اردو ہندی ادب (شعری) سے سابقہ پڑا تھا۔ ادب کے مطالعہ نے ان کو یہ بات سمجھنے میں مدد دی تھی کہ ہندوی زبان ناگری رسم الخط میں لکھی جاتی تھی' جبکہ ہندوستانی زبان کے لیے عربی فارسی رسم الخط اختیار کیا جاتا تھا۔ دیوناگری رسم الخط ان کے ہندوستان آنے سے قبل رائج تھا۔ اگر اس کو ذہن میں رکھا جائے تو آنے والے عہد کے مختلف اردو ہندی محققین کے اس نقطہ نظر کی تردید کے لیے جواز مہیا کیا جا سکتا ہے جس کے تحت یہ طبقہ گل کرسٹ کو اردو ہندی قضیے کی بنیاد اول تسلیم کرتا ہے۔ عام طور پر گل کرسٹ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے فورٹ ولیم کالج میں عربی فارسی رسم الخط کے ساتھ ساتھ دیوناگری کی روایت بھی ڈالی جس کی وجہ سے یہ زبان دو مختلف رسم الخط میں بٹتے بٹتے دو مختلف زبانوں یعنی اردو ہندی میں تقسیم ہوگئی۔ (اس بات کی تفصیل میں جانا مقالے کا حصہ نہیں) لیکن فورٹ ولیم کالج سے چار سال پہلے قواعدی کتاب ''ہندوستانی گریمر'' میں انہوں نے اس بات کا تذکرہ کر کے کہ مسلمانوں کے آنے سے قبل دیوناگری رسم الخط رائج تھا اس بات کا جواز فراہم کیا ہے کہ گل کرسٹ کو اردو ہندی کی تقسیم کا ذمہ دار نہ گردانا جائے۔ گل کرسٹ کا خیال تھا کہ دیوناگری رسم الخط ہر مسلمان اور ہندو منشی لکھ پڑھ سکتا تھا' البتہ دیوناگری خط ہندوستانی اکثریت کے لیے مانوس نہ تھا یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی ہندوستان آمد کے بعد انہوں نے عربی فارسی رسم الخط کو رائج کیا جو آج تک رائج چلا آ رہا ہے۔ گل کرسٹ لکھتے ہیں'

> "The Proper Hinduwee is, like European Languages, reverse of Persian, being written and read from left to right, in a character called Naguree, from Nagur, the city of Hindoostan, where it was first used... Before the Moosulmans established themselves, their letters and religion... the Naguree was to India, what the roman alpabets is now to Europe, but it has long ago been suspended

as a general character, by the Arabic and Persian."(13)

رومن رسم الخط کی ضرورت گل کرسٹ کو غیر ملکی افراد کے لیے یوں بھی محسوس ہوئی کہ ہندوستانیوں کی اکثریت مقامی رسم الخط (عربی فارسی وناگری) لکھنے پڑھنے پر قادر نہ تھی تو غیر ملکیوں کے لیے اس میں مہارت کیونکر آسان ہوتی۔ ان سے قبل ہیڈلے کی کتاب میں بھی رومن رسم الخط استعمال ہوا تھا لیکن گل کرسٹ کا رسم الخط ہیڈلے کے رسم الخط سے بہت واضح اور سہل ثابت ہوا۔ ہیڈلے کے بعد ولیم جونز نے بھی رومن رسم الخط کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس کو اپنی فارسی قواعدی کتب میں استعمال کیا تھا۔ ولیم جونز کی لسانی کاوشوں کی وجہ سے ان کی تحریروں کو معیار کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ انہوں نے رومن رسم الخط کے جو اصول دیے تھے ان کی مدد سے بنگال کے علاقوں میں انگریز مقامی زبانوں میں کار سرکار کی انجام دہی میں مصروف تھے ولیم جونز سے قبل اس رسم الخط کو کسی مستشرق نے معیاری نمونے کے تابع نہیں کیا تھا۔ گل کرسٹ نے اس رسم الخط کی افادیت سے انکار نہیں کیا اور نہ ہی اس کو غیر معیار سمجھتے ہوئے کوئی نئے اصول وضوابط مقرر کیے بلکہ انہوں نے ولیم کے رومن رسم الخط میں تلفظ کے جن مسائل کو وقت نظر سے جانا ان کے حل اور تدارک کے تحت اپنا رومن رسم الخط بطور نمونہ پیش کیا اور ہر آنے والی کتاب میں اس کی اضافہ شدہ صورت لکھتے رہے۔ اس دور میں ولیم جونز کو معیار سمجھا جانا انوکھی بات نہیں تھی کیونکہ وہ ایک بڑے علم کے طور پر مشہور تھے لیکن ان کے مقابل جان گل کرسٹ کے رسم الخط کے حامی افراد کا ایک طبقہ پیدا ہو جانا نہایت اہم بات ہے۔ ولیم جونز زبانوں کے میدان کے اسکالر تھے' اکثر مستشرقین نے گل کرسٹ کی بجائے ولیم جونز کے رسم الخط کو اپنایا تھا۔ گارساں دتاسی نے دونوں سکالرز کے رومن خط پر اپنا تبصرہ یوں پیش کیا ہے'

"...Now rules of Romanisation have been formulated as yet: so two mutually divergent systems are in use at present. Dr. John Gilchrist's system is based purely on English principles, and is being used in India since long. The other method is that of W. Jones, ... is comparatively more acceptable to all

the Europeans. At first the latter system was opposed and people were thinking of giving it up for good, but recently it has again become popular."(14)

ولیم جونز کا نام مستشرقین کی صف میں خاص اہمیت کا حامل تھا سی لیے ان کے کسی بھی لسانی منصوبے کو کسی دوسرے جونیئر فرد کے منصوبے پر ترجیح دیا جانا غیر معمولی بات نہیں تھی۔ بنگال کی مقتدرہ نے ولیم ہنٹر کو بنگال کے صوبے کی مختلف جگہوں کے نام اور تفصیلات کو ولیم جونز کے دیے گئے رومن رسم الخط کے مطابق مرتب کرنے کا کام دیا تو گارساں دتاسی نے اسے اس لیے اچھا کہا تھا کہ سرکاری طور پر ایک رسم الخط اپنا لینے سے کمپنی کے ان افراد کے لیے آسانی پیدا ہونا شروع ہوئی تھی جو اس سے پہلے دو یا دو سے زیادہ رومن رسم الخط کے انتخاب میں الجھے رہے تھے۔ ولیم جونز کا یہ سکرپٹ اہم تھا لیکن یہ عالمانہ قسم کا خط اتنا سودمند ثابت نہیں ہو سکتا تھا جتنا جان گل کرسٹ کا رسم الخط ثابت ہوا۔ گو جان گل کرسٹ کے دیے گئے رومن ماڈل میں تسامحات موجود تھے لیکن ان کے باوجود یہ ماڈل ولیم جونز کے مقابلے میں اس لیے بھی زیادہ فائدہ مند تھا کہ اس کو مقامی الفاظ و محاورے کی لکھی گئی اور عوامی بول چال کی آوازوں کے مطابق اخذ کیا گیا تھا۔ چنانچہ گل کرسٹ کا نظام ہی انگریز افراد کی آسانی کے لیے روبہ عمل آ سکا اور انیسویں صدی تک اس کا استعمال جاری رہا۔ اس دور کے بڑے مستشرق ''تھامس روبک'' نے ولیم جونز اور جان گل کرسٹ کے رومن رسم الخط کے تقابل کے ذریعے جان گل کرسٹ کا خط قابل ترجیح قرار دیا۔ تھامس روبک کے خیال میں گل کرسٹ رومن سکرپٹ ولیم جونز کے دیے گئے ماڈل کی نسبت زیادہ آسانی اور سہولت سے مشرقی الفاظ کی ادائیگی ممکن بناتا ہے جبکہ ولیم جونز کی تحریر عالمانہ ہونے کے باعث لفظ کو مشکل بنا دیتی ہے۔ گل کرسٹ کے اس ماڈل کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ عربی فارسی رسم الخط کے ساتھ ساتھ الفاظ کو ہندوستان کے دوسرے رائج رسم الخط دیوناگری میں بھی پیش کرتا ہے۔ اس طرح دو رسم الخط کی موجودگی میں دونوں کی مدد سے لفظ کو سمجھا جانا آسان ہو جاتی ہے۔ تھامس روبک (Roebuck) لکھتا ہے:

"Because Dr. Gilchrist's system is more generally known in India than to others, owing to his nomerours and valuable Hindoostanee

publication in the Roman, Arabic, Persian, Hindee, Turkish and Nagree characters_ This system being better adapted to express Arabic, Persian, Hindee and Turkish words has consequently been used by the lae Dr. Hnter in his valuable Hindoostanee and English dictionary... it has likewise been used by A.D.Campbell Esq. in his grammar of Teloogoo language published at Madras in 1816... Dr. Girchrist's system with a few unimportant devations, is used by the following distinguished oriental scholars: Dr. Lumsden, Magor J. wegton, Dr. Goery, Dr. James Moyat, Major J. W. Jailor, Captain Lockett, Gco. Swmton Esq, William Buterworth Baby Esg, John Bordoe Elliot Esq, Captian Russel Martin and James Atkuson Esq."(15)

تھامس روبک کا جان گل کرسٹ کے رومن خط کی اہمیت پر دیا گیا اقتباس ان کے ماڈل کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ گل کرسٹ کے اس ماڈل میں اتنی توانائی تھی کہ ان کے دور کے بڑے مستشرقین اور انیسویں صدی کے شروع کے مستشرقین نے ان کے ماڈل کو بہترین سمجھتے ہوئے اپنی کتب میں اپنا لیا تھا۔ یہ گل کرسٹ کے رومن خط کی اہمیت کا اعتراف بھی تھا اور لسانی خدمت بھی۔ یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے جس کے باعث گل کرسٹ کے بارے میں یہ اعتراض بھی کیا جاتا رہا کہ وہ رومن خط کو ناگری یا فارسی خط کے متبادل کے طور پر رائج کرانا چاہتے تھے۔ گل کرسٹ کی اس قسم کی کسی کاوش کا ثبوت نہیں ملتا۔ رومن خط کو کسی بھی مشرقی رسم الخط

کے متبادل کے طور پر پیش نہیں کر رہے تھے …

سکھانے کے لیے رومن رسم الخط کو بہترین طریقہ سمجھتے تھے۔ اس کی مدد …

سے سمجھا جا سکتا تھا جو مشرقی رسم الخط کے مطالعہ کے باوجود انگریزوں کے لیے پیچیدہ ہوتیں۔ …

نظام کو کسی مشرقی خط کا متبادل سمجھتے تو صرف رومن خط میں ہی اپنی کتب تحریر کرتے دوسرے خطوط کی حوصلہ …

کرتے۔

گل کرسٹ نے اردو املا کی ذیل میں بھی اہم کام انجام دیا تھا۔ ان کی کتب اس دور کی اردو املا کے طور پر

بھی محفوظ ہیں۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ اردو داں طبقہ بیسویں صدی کے وسط اور آخری عشروں میں جس انداز

سے اردو املا کے جن مسائل اور ادراک اور حل کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ اُن مسائل کی طرف سوا دو سو سال قبل گل

کرسٹ متوجہ ہو چکے تھے۔

گل کرسٹ کے عہد کے ہندوستان میں اردو زبان بول چال کی زبان کے طور پر ملک بھر میں عوامی رابطے کا

فریضہ بطریق احسن انجام دے رہی تھی لیکن تحریر کی زبان ابھی تک فارسی ہی تھی۔ سرکاری تحریر ہو یا عوامی نوعیت کی

تحریریں نیز ادبی سطح پر بھی یہ زبان صرف شاعری کی حد تک لکھی گئی صورت میں موجود تھی لیکن نثر میں فراواں نہ تھی جس

کی وجہ سے اردو زبان کے رسم الخط کی طرف زیادہ توجہ نہ دی گئی تھی۔ صرف شاعری کے نمونوں میں رسم الخط کا اطلاق

موجود تھا لیکن عربی فارسی کے معیاری روپ کا کوئی نمونہ رائج نہ تھا جس کو رہنما بنا کر غیر ملکی افراد اپنا لیتے۔ گل کرسٹ

نے بھی جب اس زبان کے رسم الخط پر توجہ کی تو اس میں کافی جگہوں پر کمی تھی جو ان کو غیر مطمئن کر گئی۔ اس کی طرف

گل کرسٹ نے بڑی دلچسپی اور توجہ سے نظر کی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اردو رسم الخط کی حالت اور اس کی بہتری کے لیے ان

کی نظر سوا دو سو سال پہلے اس طرف مرکوز ہو چکی تھی۔ ان کو لغت و قواعد کی ترتیب و تدوین کے وقت بھی عملی مشکلات

پیش آئیں جن کی اصلاح کی طرف انہوں نے عملی قدم اٹھایا۔ اس دور میں اردو رسم الخط (عربی فارسی) میں معروف و

مجہول آوازوں ہائے مخلوط، واؤ معدولہ، نون غنہ، کھڑی زبر کا استعمال، ڑ کا مناسب حرف نہ ہونا، اور ان جیسے مسائل

سے رسم الخط دوچار تھا۔ ان کے حل کے لیے گل کرسٹ نے ان میں موجود کمی کو دور کرنے کا فیصلہ کیا اور نتیجے کے طور پر

ایسا رسم الخط رواج دیا جو آنے والے عہد میں تادیر رائج رہا۔ رشید حسن خان اس ضمن میں لکھتے ہیں؛

> ''اسے اردو رسم خط کی نوعیت کا اور املا اور تلفظ کے مسائل اور مشکلات کا صحیح طور پر
> علم تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ معروف و مجہول (آوازوں کے لیے) نیز واؤ

معدولہ اور یائے مخلوط کے لیے علامتیں موجود نہیں اور یہ کہ املائی عدم تعین کے نتیجے میں ایک ہی لفظ کو ایک سے زیادہ طرح لکھا جاتا ہے۔ توقیف نگاری (پنکچویشن) کے ضروری اجزا سے بھی تحریر روشناس نہیں' یوں بھی نئے طالب علموں کے لیے عبارت کے اجزا کو ٹھیک ٹھیک پڑھ لینا آسان نہیں ہوگا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ اصناف کے زیر عموماً نہیں لگائے جاتے' تشدید کو بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا' یائے مجہول اور یائے مخلوط میں صورت نگاری کے امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا اور ضروری لفظوں پر اعراب لگانے کا تصور ہی ذہنوں میں نہیں آتا''۔ (۱۶)

رشید حسن خان نے جان گل کرسٹ کے نظام املا پر تفصیلی مضمون قلمبند کیا تھا جس میں نہ صرف گل کرسٹ کی املاء کے ضمن میں اہم کاوشوں کا ذکر ہے بلکہ اس سے اردو کے لیے رسم الخط کا معیاری نمونہ لاگو کرنے کے لیے گل کرسٹ کی مساعی کی اہمیت کو کبھی بھی نظر انداز کیا جانا ممکن نہ ہو سکے گا۔ ہندوستانی فلالوجی کے منصوبے کے تحت ان کو ان مسائل کا ادراک شاید ضمنی بات بن گئی ہو لیکن جب انہوں نے تدریسی مقاصد کے لیے اس رسم الخط کی عملی صورت میں خامیوں پر نظر کی تو تب ان کو اس بات کا احساس ہوا کہ رسم الخط کی املاء کے عدم تعین کو مقامی آبادی شاید اتنا اہم اور ضروری خیال نہ کرے لیکن غیر ملکی طالب علموں کے لیے یہ خامیاں قدم قدم پر مشکلات کھڑی کریں گی چنانچہ اس طرف انہوں نے خاص توجہ کی۔ اس مسئلے کے حل کے لیے علیحدہ سے انہوں نے رہنما اصول جو ایک رسالے میں اکٹھے کر دیے تھے جس کی تلخیص اس زمانہ میں میر بہادر علی حسینی نے تیار کر کے اپنی کتاب ''باغ اردو'' کے ابتدائی صفحات میں درج کر دیا تھا۔ (۱۷)

''رسم الخط و اعراب'' کی عنوان سے میر بہادر علی حسینی نے جو رسالہ گل کرسٹ کے متعین کردہ معیاری املاء کے رہنما اصولوں کی صورت میں اپنی کتاب کے شروع میں تلخیص کر کے پیش کیا تھا وہ رسم الخط اور املاء کی ذیل میں گل کرسٹ کی واحد کاوش نہ تھی۔ اس سلسلے میں دیگر کتب میں بھی بکھری ہوئی صورت گل کرسٹ کی اصلاحات موجود ہیں۔ ''نقلیات'' کے عنوان سے میر بہادر علی حسینی نے ایک کتاب ۱۸۰۲ء میں فورٹ ولیم کالج سے شائع کی تھی۔ اس کتاب کی دوسری جلد ۱۸۰۶ء میں شائع ہوئی تھی جب گل کرسٹ ہندوستان سے واپس جا چکے تھے۔ گل کرسٹ کے نام نقلیات کتاب میں 'compiler' کے طور پر درج ہے جس کا مطلب ہے کہ نقلیات گل کرسٹ کی اپنی کتاب نہیں بلکہ اس میں میر بہادر علی حسینی نے دوسرے معاونین کی مدد سے مختلف کہانیوں (Tales/نقلیں) اس کا حصہ بنائیں۔ یہ وہی کتاب ہے جس پر گل کرسٹ نے کالج کونسل کو اس کتاب پر بہادر علی حسینی کو دو سو روپے انعام کی مد میں

دینے کی سفارش کی تھی۔ اس لیے اگر مختلف کتب میں نقلیات کو گل کرسٹ کی تصنیف لکھا گیا ہے تو ان میں تصحیح کی جانی چاہیے۔ اس کتاب کو سید وقار عظیم نے تدوین کر کے انگریزی حصوں کا اردو ترجمہ کر کے مجلس ترقی ادب لاہور سے مقدمے کے ساتھ شائع کیا تھا اس کتاب کے مقدمے میں انہوں نے ان غلط فہمیوں پر تحقیقی آراء دی ہیں۔ جان گل کرسٹ نے ''نقلیات'' کے آخر میں اپنے نظام املاء کی وضاحت اور دفاع میں تفصیلی بحث کی تھی جس کا ترجمہ مذکورہ ایڈیشن میں موجود ہے۔ اس بحث کو کتاب کے اختتامیہ' مضمون کے طور پر حصہ بنایا گیا تھا۔ اس میں گل کرسٹ لکھتے ہیں'

''[1] زیر ترتیب نقلوں میں' میں نے املا کی جو اصلاح شدہ صورت اختیار کی ہے' مجھے برابر اس کے اچھے اور برے پہلوؤں کا احساس رہا ہے۔ لیکن چونکہ املا کی صورت میں اچھے پہلو برے پہلوؤں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں' اس لیے میں اپنی کوشش سے غیر مطمئن ہرگز نہیں ہوں...

[2] جن حروف کی آوازیں اصل میں مرکب ہے اور جنہیں میں اب تک مفرد صورت میں لکھتا رہا تھا' اب ان کی اصل آوازیں واضح ہو گئی ہوں گی۔ سنسکرت میں قاعدہ ہے کہ دو مرکب ایک ساتھ آئیں تو پہلے حرف کی آواز کو گرا دیا جاتا ہے۔ میں نے uch-chha' mukh-khee' اور thut-tha (اچھا' مکھی اور ٹھٹھا) جیسے لفظوں Uchhchhaa' mukhkhee اور thuththa (اچھچھا' مکھکھی اور ٹھٹھٹھا) نہیں لکھا۔ اس طرح کی مثالوں میں میں نے Hyphen صرف اس غرض سے استعمال کیا ہے کہ پڑھنے والوں کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ دونوں حروف میں پہلے پر زور دینا ضروری ہے۔

[3] بول چال میں مصادر کے پہلے حرف پر a کی آواز u کی آواز بن جاتی ہے۔ جیسے rakhna' pakna اور chakhna بول چال میں rukha' pukna' chukna ہو جاتا ہے یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ مسلمان اپنے لفظ میں اس تشدید کو پوری طرح ادا کرتے ہیں جو رکھا' پکا اور چکھا میں ہے۔

[4] جو قاری یہ محسوس کریں کہ میرے اختیار کیے ہوئے املا کے طریقے میں کہیں کہیں ہم آہنگی نہیں ہے تو وہ پچھلے صفحات کو غور سے پڑھیں۔ انہیں اندازہ ہو جائے گا کہ جن موضوعات میں سرے سے قواعد کا وجود ہی نہ ہو' ان میں قواعد کی یکسانی

اور مطابقت پیدا کرنا کس قدر ممکن ہے۔ یہ فیصلہ کرنا کہ shurmindu‘ shurmundu‘ shirmundu اور shirmindu میں سے کون سا زیادہ صحیح ہے‘ میرے دائرہ عمل میں شامل نہیں‘ البتہ یہ بات مرے فرائض میں داخل ہے کہ املا میں ان چاروں صورتوں کو ظاہر کروں تا کہ جو قواعد میں نے اب تک بیان کیے ہیں ان کی صداقت بھی واضح ہو جائے‘‘۔ (۱۸)

گل کرسٹ کے مندرجہ بالا اقتباسات سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ وہ املا کی باریکیوں سے نہ صرف واقف تھے بلکہ اس میں موجودہ مسائل اور ان کے حل کے لیے بھی متفکر سکالر تھے۔ ایک زاویہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ لغت کی اشاعت (۱۷۸۶ء) سے لے کر فورٹ ولیم کالج تک کے دور تک انہوں نے نہ صرف اپنے نظام املا اور رسم الخط میں نہ تبدیلیاں کی تھی جو ان کی ارتقائی سوچ کی علامت تھیں بلکہ اس سے قبل اپنی کتابوں میں لکھے گئے الفاظ جو آگے چل کر اپنی املا تبدیل کر چکے تھے ان کا برملا اظہار کیا تھا۔ ایک لسانی عظمت کا حامل اسکالر ہی اپنی کتب میں اپنے تسامحات کا اقبال کرسکتا ہے جو انہوں نے کیا۔

فورٹ ولیم کالج میں جب گل کرسٹ نے تصنیف وتالیف وتراجم کا کام شروع کرایا تو اس بات کا اہتمام کیا تھا کہ مقامی منشیوں کی لکھی گئی کتب کے املا کے نظام ایک ہی قاعدے کلیے کے مطابق ہوں۔ اس سلسلے میں مذکورہ بالا رسالے کو املا کے لیے رہنما مان کر ادیبوں نے گل کرسٹ کی ہدایت اور منشاء کے مطابق کتب تحریر کیں۔ حیرانی کی بات ہے کہ فورٹ ولیم کالج سے قبل مقامی ادیبوں کی اردو نثری کتب کی املائی صورتوں میں اختلافات واضح طور پر نظر آتے تھے۔ اور شاعری کی زبان بھی ان مسائل سے ماورا نہ تھی لیکن فورٹ ولیم کالج میں تصنیف وتالیف کی جانے والی کتب‘ باغ اردو‘ باغ وبہار‘ گنج خوبی اور دوسرے موضوعات پر لکھی گئی تمام کتب کے نظام املا کی یکسانی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جو گل کرسٹ کی اس میدان میں اہمیت وعظمت کی ایک دلیل بنتا ہے۔ رشید احمد خان لکھتے ہیں‘

’’اس نے یہ کتابیں مرتب کرانے اور چھاپنے سے پہلے املا کا باقاعدہ نظام مرتب کیا اور اس نظام کی مکمل پابندی کے ساتھ کتابیں چھاپنا شروع کیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کی سب کتابوں میں املا کا ایک ہی نظام ملتا ہے اور اس یکسانی کی وجہ سے وہاں کی کتابوں میں املائی انتشار کی ان بہت سی نیرنگیوں سے دوچار نہیں ہونا پڑتا جن میں آج ہم سب مبتلا نظر آتے ہیں۔ یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھی جا

سکتی ہے کہ زبان کی تعلیم میں بھی اس باقاعدگی سے مدد ملی ہوگی... چونکہ فورٹ ولیم کی کتابوں میں گل کرسٹ کے مقرر کیے ہوئے قاعدوں کی مکمل طور پر پابندی ملتی ہے اس لیے ان کتابوں کی مدد سے اس نظام املا کا تعین کچھ مشکل نہیں''(۱۹)

گل کرسٹ کو اردو زبان کی املا پر اعراب نہ ہونے سے بھی مشکلات کا احساس تھا کیونکہ غیر ملکی طالب علم اس میں غلطی میں مبتلا ہو سکتے تھے۔ ایک بڑی مشکل اردو رسم الخط میں حروفِ علت کی آوازوں کا غیر متعین روپ تھا۔ حروفِ علت کے طالب علموں کے لیے مشکل کا سبب بنتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے لیے حروف علت اور اعرابی علامتوں کا تعین کیا۔ اس کے لیے انہوں نے رومن رسم الخط کو اردو خط کی بجائے زیادہ معاون پایا۔ ان علامتوں کے تعین کے لیے ان کی کاوشوں کو ان دو اشعار کی رومن خط کی صورت بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

(i) ے جیون غنچہ تو چمن مین بند قبا جو کہولی

Je,on ghoonchu too chumun myn bundi quba jo k,hole

پہر گل سي اي پياري بلبل کبہو نہ بولي

Phir gool se a,e pe,are boolbool kubho no bole

(ii) ے باغ جہان میں آ کر کچھ ہم نے پہل نپایا

Baghei Juhan men akur kooch humne phul nupaya

اک دل ملا کہ جس میں ہین سینکروں ملولي

Ek dil mila ki jis men hyn sykron mulole

گل کرسٹ نے اس بات کا ادراک کر لیا تھا کہ اردو میں فارسی رسم الخط کی طرح بڑی 'یے' (یائے مجہول) کے لیے خاص علامت موجود نہیں۔ انہوں نے یے کو چار مختلف اقسام میں تقسیم کیا۔ رشید حسن خان لکھتے ہیں۔

''ي کو اس نے چار قسموں میں تقسیم کیا: یائے معروف، یائے مجہول، یائے لین، یائے مشموم قاعدہ بنایا کہ جب 'ی' لفظ کے آخر میں آئے گی اور وہ معروف ہوگی تو

اپنی متعارف صورت میں پوری لکھی جائے گی۔ اس ي کا نام اس نے ''یائے دامنی'' رکھا تھا[جیسے: زندگی] یہ بھی صراحت کردی تھی کہ اس ي کے نیچے نقطے نہیں ہوں گے۔ لفظ کے آخر میں جب یائے مجہول ہوگی تو اسے متعارف صورت میں دراز لکھا جائے گا[جیسے: کے] نقطے اس کے نیچے بھی نہیں لکھے جائیں گے... لفظ کے بیچ میں جو ي آتی ہے اس کا نام اس نے یائے شوشہ دار رکھا تھا۔ یائے شوشہ دار یا تو معروف ہوگی یا مجہول ہوگی یا مشموم (مخلوط) ہوگی... لفظ کے درمیان میں آنے والی وہ ي جس کی آواز حرف ماقبل کی آواز میں شامل ہو کر نکلتی ہے۔(اور جسے ہم آسانی کے لیے یائے مخلوط کہہ سکتے ہیں) ایسی ي کا نام اس نے یائے مشموم رکھا تھا''۔(۲۰)

رومن رسم الخط کے رہنما اصول

۱۸۰۴ء میں گل کرسٹ کی کتاب "The Hindee - Roman Orthoepigraphical Ultimatum..." شائع ہوئی۔ اس کتاب کے دیباچے میں انہوں نے باقاعدہ رومن رسم الخط کے لیے اصول کی وضاحت کی۔ اس کتاب سے قبل وہ ''ہندوستانی فلالوجی'' کے منصوبے کی تمام کتب میں رومن رسم الخط کا عملی مظاہرہ کر چکے تھے۔ برسوں کی تحقیق اور تجربے کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے اس رسم الخط پر ایک کتابچہ تحریر کیا، جس کے مختصر دیباچہ رومن تحریر کے لیے رہنما اصول پیش کیے۔ اس کتاب میں بیان کیے گئے اصولوں کی وضاحت کے لیے انہوں نے اس کتاب میں ''شکنتلا'' کی کہانی کو بھی نثر میں پیش کیا ہے۔ اس نثر کو رومن رسم الخط میں پڑھ کر اس خط کی عملی صورت کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کے دیباچے میں انہوں نے رومن، دیوناگری اور فارسی حروف کے مماثل حروف کی جامع فہرست دی ہے، جس میں رومن حروف تہجی کو ستر (۷۰) انگریزی حروف کی علامتوں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ان علامتوں میں نمونے کی علامتیں درج ذیل ہیں۔

☆ واولز کے لیے رومن حروف تہجی کی تفصیل یوں ہے: الف، الف ممدودہ، ع، اور یٰ کے لیے "a" کی علامت تجویز کی گئی ہے۔ کھڑی زبر کے واول کی علامت a کے نیچے دو نقطوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

☆ ''زیر (مکسورہ) اور ی'' کے واولز کے لیے "i" کی علامت ہے جبکہ یائے معروف کے لیے "ee" کی علامت کا استعمال تجویز کیا گیا ہے۔

☆ ''پیش (ضمہ) اُور اُو'' کے واولز کے لیے "oo" کی تحریری علامت موجود ہے۔ اب اگر پیش یعنی مختصر

واولز کی آواز کو ظاہر کرنی ہو تو دونوں o حروف کو یوں ملادیا جائے گا oo ' طویل واولز (اُو) کے لیے o کی علامتوں میں فرق رکھا جائے گا۔

☆ او کی آواز (جیسا کہ لفظ خور میں بولی جاتی ہے) کے لیے "o" اور "اُو" کے لیے uo کی علامت ملتی ہے۔ (مثلاً غور)

☆ ہائے ہوز کے لیے "h" کی علامت تجویز کی گئی ہے۔

☆ ک اور ق کے لیے بالترتیب k اور Q کا استعمال تجویز کیا گیا ہے۔ اس کے لیے ''ہندوستانی گریمر'' کے اوراق میں ایک مثال بھی دی گئی ہے جس میں انگریز قاری کو Likkur اور Liquor کے الفاظ سے ان کے مابین فرق کی وضاحت کی گئی ہے۔

☆ ہکاری/ہائیہ حروف کو اِچ "h" کے اضافے کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے البتہ پہلے حرف اور h کے درمیان ایک کھڑی زبر لکھ کر Aspirated علامت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً کھ کے لیے k,h ' ڑھ کے لیے R,h ' پھ کے لیے P,h ، جھ کے لیے J,h وغیرہ۔ دونوں حروف کے درمیان کھڑی زبر کا استعمال کو مستقلاً ہکاری حروف کی تحریری علامتوں کے لیے تجویز کیا گیا تھا جس کی پابندی گل کرسٹ نے اپنی ہر کتاب کی املاء میں کی۔

☆ ''خ'' کے لیے kh کی تحریری علامت، جو اوپر مذکور k,h کی توجیہہ کو بخوبی بیان کرتی ہے۔

یہاں تک مذکور پچیس رومن تحریری علامتوں کے ناگری اور فارسی مترادفات تحریر کرنے کے بعد فاضل مصنف کی جانب سے ہر اہم علامت کے استعمال اور اس سے متعلق احتیاطوں کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ اس چارٹ کا دوسرا حصہ مذکورہ کتاب کے صفحہ نمبر ۶ پر تحریر کردہ ہے، جس کے مطابق مزید اہم تحریری علامتیں اس طرح سے دی گئی ہیں۔

☆ گ کے لیے g گھ کے لیے g,h ' اور غ کے لیے gh کی علامت ملتی ہے۔

☆ چ کے لیے ch اور چھ کے لیے ہکاری علامتوں کے لیے تجویز کردہ اصول کے مطابق ch,h کی علامت استعمال کی گئی ہے۔

☆ "Z" کی علامت ز' ظ' ض کے لیے ملتی ہے۔ البتہ اس ضمن میں خاص بات یہ ہے کہ فارسی حرف ''ژ'' کے متبادل رومن علامت zh تجویز کی گئی ہے جو اہم ہے۔

☆ ڑ اور ڑھ کو اس عہد میں ''ڑ اور ڑھ'' کی علامتوں سے اردو میں تحریر کیا جاتا تھا۔ ان حروف کے لیے r کے

نیچے ایک نقطے کا اضافہ کیا گیا تھا' یعنی r.۔ اسی اصول پر ڈھ کے لیے d,h ' اور ڑھ کے لیے r,h ' اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ستر (۷۰) مختلف علامتوں سے رومن رسم الخط کے لیے حروف تہجی کا معیار متعین کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا/رومن حروف تہجی کے اصول کو مدنظر رکھ کر ان کی عملی اور املائی صورت کو جان گل کرسٹ کی انگریزی ڈکشنری سے الفاظ کی مختلف مثالیں لے کر بطور نمونہ پیش کیا جائے تو ان کی یہ صورت ہوگی۔ اردو کے مختصر اور طویل مصوتوں (Vowels) کی رومن املا اس طرح گل کرسٹ کی لغت میں موجود ہے۔

واولز: اردو میں تین مختصر مصوتے (Short Vowels) موجود ہیں جن کو زبر' زیر' پیش کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ ان واولز اور ان سے بننے والے الفاظ کی مثالیں:

واولز: زبر کی آواز کو ظاہر کرنے کے لیے گل کرسٹ نے انگریزی حرف "U" تجویز کیا۔ ان سے بننے والے الفاظ کو بطور مثال لیا جائے تو یہ استعمال اس طرح کیا جائے گا۔ نمونے کے الفاظ یہ ہیں۔

سجاوٹ Sujawut ' نوازش Nuwazish ' مہاراج Muharaj '

عداوت Udawut ' خصم Khusum ' حالت Halut '

دوسرے اور تیسرے مختصر واول (زیر اور پیش) کی املائی صورت اس طرح سے موجود ہے۔

فی التاریخ fit-tareekh ' کسی طرح Kiseeturuh

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم Bismil-lah ir-ruh,h ma nir-ruheem

خوش طبعی Khoosh-tubu-ee ' مرصع Moorussu

بیاباں By,aban دھواں d,h,o,yan

سکونت Sukoonut ' جڑنا Jurna ' نواسی Niwasee '

ظالم کی جان ہر گھڑی سولی پر ہے Zalim kee jan hur g,huree soole pur he

صلوٰۃ الظہر Sulatooz-zoohr ' طالب العلم Talibool-ilm

ظاہراً Zahirun ' عبدالرحیم Ubdoor-ruheem

☆ یہاں ایک امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ گل کرسٹ نے نون غنہ کی آواز کی وضاحت کو ضروری خیال کیا۔ اس کا خیال تھا کہ غنہ کی آواز (Nasal Sound) انگریزی میں فرانسیسی سے داخل ہوئی۔ اس سبب سے انگریزوں کے لیے Nasal Vowel کی علامت کو n سے ظاہر کیا ہے۔ یعنی n کے اوپر الٹا جزم لکھ کر اس آواز کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہندوستانی گریمر کے صفحہ نمبر ۶ پر مرزا رفیع سودا کی ایک پوری غزل بطور مثال شامل کی گئی ہے

جس کا قافیہ نون غنہ کی آواز پر ہے۔ ان قافیوں میں جھولیاں، گولیاں، ڈبولیاں، کھولیاں شامل ہیں۔
ذیل میں ایک پیراگراف دیا جا رہا ہے جو شکنتلا ناٹک سے لیا گیا ہے۔ ی یہ ناٹک گل کرسٹ نے اپنی کتاب...The Hindee-Roman میں رومن رسم الخط کے نمونے کے طور پر شامل کیا ہے جو یوں ہے۔

SUKOONTULA

Natuk.

Bismillah-ir-ruhmanir-ruheem

"Puree ho ya insan, kisee kee kya jan, jo ooske shahidi humd o suna ke hoosn-o-jumal pur kur suke nigah; kulami moujiz nizamee Uhmudi Mojtuba Moohumadi moostufa (Sullullahoo Uluehi Wualihi wa sulmm) ka oos pur hue guwah.

kya wooh julwu tha, jise dek,h Moosa ap me nu ruha; isq hue ooske hoosn ko ki ko.ee to deewanu houa, uor kisee ne upna jee hee dia. kuon hue uesa, jiske dill ko ooskee nuheen hue lag; oosee ka sozi muhabbut ruk.htee age."

جان گل کرسٹ نے اردو املا کی بہتری اور اس میں موجود خامیوں کو دور کرنے کے لیے جو لسانی کاوشیں کیں، ان پر تفصیلی تحقیقی کام کیے جانے کی ضرورت ہے۔ اس میدان میں صرف محقق اور اردو املا کی روایت وارتقاء پر تفصیلی مقالہ قلمبند کرنے کا بلکہ گل کرسٹ کی اس ذیل میں کی گئی عملی مساعی سے ان کی لسانی اہمیت کا بھی بہتر جائزہ لیا جا سکے گا۔ ي کے بعد واؤ، واؤ معدولہ نون غنہ کی آواز کے مباحث ومسائل کا استعمال، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے لفظوں کو الگ الگ کر کے لکھنے کی تجاویز سے اردو رسم الخط کے میدان میں لافانی کردار ادا کیا تھا جس کی اہمیت لسانی میدان میں تادیر رہے گی۔

۳۔ اردو ادب کی ترویج واشاعت اور جدید نثری اسلوب کی نشاۃ ثانیہ

فورٹ ولیم کالج اور گل کرسٹ کا نام ایک دوسرے کی معیت تاریخ ادب میں امر ہو گیا۔ پچھلے ابواب میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ کس طرح گل کرسٹ کے مدرسۂ ہندی' (Oriental Seminary) کے منصوبے کی کامیابی نے فورٹ ولیم کالج کے منصوبے کی عملی صورت مہیا کی تھی۔ لارڈ ولزلی نے گل کرسٹ کے اس مدرسے کو بطور تجربہ لے کر اس سے مشرقی زبانوں ہندوستانی اور فارسی کی تحصیل و تدریس کے عمل میں گل کرسٹ کی مہارت کو دیکھ کر انہیں کالج میں ہندوستانی زبان کے شعبے میں بطور صدر نشین (چیئرمین) پروفیسر صدر شعبہ کی ذمہ داری سونپیں جن کی بجا آوری کے لیے گل کرسٹ نے یادگار کام کیا۔ کالج میں کمپنی کے لیے افسران کو اردو سکھانے کی ذمہ داری کا کینوس وسیع ہوا تو ان کو ان کے نصاب کے لیے مزید کتب کی ضرورت پڑی کیونکہ اب صرف گل کرسٹ کی قواعد و لغت' اورینٹل لنگوئسٹ یا اس طرح کی معاون کتابیں ناکافی ہو گئیں تھیں۔ چنانچہ اردو نثر میں کتب کی تعداد قلیل ہونے کی وجہ سے انہوں نے اس زبان میں دیگر زبانوں سے مختلف ادبی کتب کا ترجمہ کرانے کا منصوبہ شروع کیا۔ ان تراجم یا طبع زاد کہانیوں اور کتابوں کی ضرورت یوں محسوس کی گئی کہ اردو نثر میں موجود مشرقی کتب اپنے اسلوب کے اعتبار سے اتنی آسان نہ تھیں کہ غیر ملکی افراد کی رہنمائی کے مقاصد کے تحت بروئے کار لائی جا سکتیں۔ سلیم اختر نے اس سلسلے میں گل کرسٹ کا اقتباس نقل کیا ہے؛

> ''ابھی ہندوستانی نثر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قدر و قیمت یا صحت کے اعتبار سے اس قابل ہو کہ میں اپنے شاگردوں کو پڑھنے کے لیے دے سکوں' کسی ایسی جگہ سے شہد نکالنا میرے بس کی بات نہیں' جہاں مکھیوں کا چھتا ہی نہ ہو اور یہ بات مجھے اور کونسل دونوں کو خوب معلوم ہے کہ ہندوستانی شاعروں سے صرف وہی طلبہ مستفید ہو سکتے ہیں جن کو زبان پر کلی عبور حاصل ہو۔ ایک دو سال بعد جب وہ اس قدر پیدا ہو جائے گی جس کی مجھے توقع ہے تو ہندوستانی شاعروں کی طرف بھی ہم توجہ دیں۔ فی الحال ان کا خیال کرنا انتہائی بے معنی بات ہو گا۔(۲۱)

گل کرسٹ نے اس مقصد کے لیے ایک نئے' سہل اور بیانیہ انداز کے اسلوب کی ضرورت و اہمیت کے تحت کتب کی تحریر و اشاعت کا فیصلہ کیا۔ اب اس ضمن میں مسئلہ یہ تھا کہ تن تنہا وہ اس کام کو کس قدر انجام دے پاتے ہیں'

چنانچہ انہوں نے ہندوستان بھر سے عربی' فارسی' سنسکرت' پنجابی اور اردو زبان کے مقامی عالم افراد کو اچھے مشاہرے پر کالج میں ملازمت دی اور ان کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ اردو زبان میں دوسری زبانوں سے قصے کہانیاں' پند و نصائح اور متنوع ادبی کتب کا ترجمہ ایسے سہل' آسان اور سادہ زبان میں کریں کہ جو کمپنی کے نووارد افسروں کے لیے لسانی مشکلات کے مسائل حل کر سکے اور وہ اس قابل ہو سکیں کہ اس سادہ اسلوب کی مدد سے اردو لکھ پڑھ سکیں۔ اس سلسلے میں گل کرسٹ کی اہم لسانی خدمات سامنے آتی ہے کہ اس سے قبل کا مطمع نظر اردو زبان کی بول چال میں مہارت دینا تھا۔ فورٹ ولیم کالج شروع ہونے سے جہاں ان کی زندگی اور کیریئر کا دوسرا ہندوستانی دور شروع ہوا وہیں اردو زبان کی بول چال کی مہارت سے اگلا دور اس زبان کی تحریری شکل میں مہارت کی صورت میں سامنے آیا۔ بلاشبہ اس منصوبے کی وجہ سے کمپنی کے افسران اس قابل ہوئے کہ وہ اردو زبان لکھ پڑھ بھی سکتے تھے جب کہ اس سے قبل وہ صرف زبان کے بولنے پر ہی قادر تھے۔

اردو نثری ادب کی ترویج و اشاعت کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انہوں نے ہندوستان بھر سے نامور علماء کا انتخاب کیا جن میں شیر علی افسوس' کاظم علی جوان' مظہر علی ولا' میر بہادر علی حسینی (چیف منشی)' تارنی چرن متر' میر امن' حیدر بخش حیدری' کندن لال' غلام شاہ بھیک' للولال کوی' خلیل علی اشک' غلام غوث' کاشی راج' مہانند' سدل مسر پنڈت' مرزا احمد مظہرت لکھنوی' میر بخش علی سمیت تقریباً پچاس کے قریب علماء کے نام تاریخ کا حصہ ہیں جنہوں نے اپنے اپنے تخصیص کے میدان میں اعلیٰ مہارت کے فن پارے ترجمہ کر کے کالج کی مطبوعات میں اضافہ کیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''تاریخ ادب اردو'' میں دعویٰ کیا ہے کہ گل کرسٹ نے میر تقی میر جیسے نابغہ روزگار شاعر کو فورٹ ولیم کالج آنے کی دعوت دی تھی جو میر نے قبول نہ کی تھی۔ ۱۸۱۱ء میں میر تقی میر کی شاعری کی کلیات فورٹ ولیم کالج سے شائع ہوئی تھی جو ریکارڈ کا حصہ ہے۔ گل کرسٹ نے ان مصنفین کی خدمات سے بھی استفادہ کیا جو باقاعدہ کالج کے ملازم نہیں تھے لیکن گل کرسٹ کی فرمائش پر اردو کے لیے کتب تحریر کیں۔ ان میں میر ابوالقاسم (مصنف حسن اختلاط)' باسط خان (قصہ گل وصنوبر)' تو تارام (دل ربا)' غلام حیدر (گل و ہرمز ترجمہ)' شاکر علی (مترجم الف لیلیٰ)' کندن لال (مترجم قصہ کام روپ)' محمد بخش (قصہ فیروز شاہ) حاجی مرزا مغل (مترجم بوستان)' نہال چند لاہوری (مترجم قصہ گل بکاؤلی) اور مرزا علی لطف کے نام شامل ہیں جس نے گلشن ہند تالیف کی۔ (۲۲)

اردو نثر کے اسلوب کے میدان میں گل کرسٹ کی عملی خدمت اور ادب کی ترویج و اشاعت پر نظر کرنے سے قبل سر دست ان کتب کا نام لکھا جانا ضروری ہے جو انہوں نے اپنی نگرانی میں فورٹ ولیم کالج کے پلیٹ فارم سے تیار' تحریر اور ترجمہ کرا کے شائع کیں۔ ان میں نقلیات لقمانی' ہندنامہ نظم (مظہر علی ولا)' نقلیات جلد اول (میر بہادر

علی حسینی)' امیر حمزہ (خلیل خان اشک)' خوانِ الوان (حمید الدین بہاری)' چندراوتی (سدل مسر پنڈی' دیوناگری میں)' راج نیت (للولال کوی' دیوناگری میں)' اخلاق محسنی/گنج خوبی (میر امن دہلوی)' کلا کام (کندن لال) گلدستہ حیدری (حیدر بخش حیدری)' گل صنوبر (باسط خان)' حسنِ اختلاط (میر ابوالقاسم)' دل ربا (تو تارام)' قصہ فیروز شاہ (محمد بخش)' مرثیہ مسکین' نثر میں (میر جعفر) کے عنوانات سے گل کرسٹ کی اردو ادب کے لیے پیش کی گئی خدمات سے انکار کرنا ناممکن امر ہوگا۔ ان کتب کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان (ان میں صرف دو کتب دیوناگری خط میں ہیں) میں متنوع موضوعات پر لکھوائی گئی ان کتب کی اشاعت سے انگریزوں کی تدریسی ضروریات تو لازماً پوری ہوئی ہوں گی لیکن کیا ان کتب کی موجودگی نے اردو نثر کے ایک نئے دور کا آغاز نہیں کیا ہوگا۔ گل کرسٹ کے بارے میں اگر لکھا جائے کہ ان کی ان کاوشوں سے اردو نثر کے باب کا اہم ترین مرحلہ شروع ہوا اور وہ اردو نثر کے بانیوں میں سے نہیں تو یہ بے جا نہیں ہوگا۔ ان کتب کی اشاعت کے ساتھ زیرِ طبع کتب کی بھی ایک لمبی فہرست ہے جو اس عہد میں پریس میں تھیں۔ ان میں نقلیات کی جلد دوم' قرآن شریف کا ترجمہ (بہادر علی حسینی' مولوی امانت اللہ' کاظم علی جوان)' آرائش محفل (حیدری)' پریم ساگر (للولال کوی)' نثرِ بے نظیر (بہادر علی حسینی) گل بکاؤلی (نہال چند) اور ادبی اہمیت کی دوسری کافی کتب شامل تھیں۔ (۲۳)

اردو نثر کے جدید اسلوب کے آغاز کی طرف عملی قدم گل کرسٹ کے عہد میں بڑھایا گیا۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ سادہ اور آسان اسلوب نثر ان کو اپنے غیر ملکی شاگردوں کو اردو سکھانے کے لیے ضروری تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ اردو ادب کے لیے بھی ادبی نثر کے لیے زبان کا ایسا خاص معیار تیار ہونے جا رہا تھا جس نے آگے چل کر جدید اردو نثر کو رواج دینے کا فریضہ انجام دیا تھا۔ گل کرسٹ نے فارسی قصے "قصہ چہار درویش" کو اردو میں "نوطرز مرصع" (از عطا خان تحسین) کی صورت میں دیکھا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ مرصع و مقفی' آراستہ و پیراستہ اسلوب ان کو تدریسی مقاصد کے لیے معاونت نہیں دے سکتا چنانچہ ان کو آسان اردو اسلوب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ شومئی قسمت سے ان کو میر امن کی صورت میں ایسا اردو ادیب ملا جس نے قصہ چہار درویش کے قصے کو "باغ و بہار" کی صورت میں نئے سرے سے ترجمہ کر کے اردو نثر کا ایسا لا ثانی و لافانی اسلوب عطا کیا جو اس دن تک زندہ رہے گا جب تک کہ اردو نثر زندہ رہے گی۔ جان گل کرسٹ نمائشی اسلوب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے البتہ نثر کے معیاری روپ کے حامی تھے۔ انہوں نے مسکین کے مرثیے اور سودا کی کلیات سے زبان کا جو ادبی و معیاری روپ سیکھا تھا اس کو آسان و سہل بنا کر اردو نثر کے روپ میں ڈھالنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے معیاری اردو بول چال کو اردو زبان کی جدید نثری اسلوب کا نمونہ بنا کر پیش کیا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ لوگ جو عربی فارسی زبان نہ جانتے ہوں تو وہ

بھی اس آسان وسادہ اسلوب کی رعنائی سے لطف اندوز ہو...

اسلوب ایسے طبقے کی ابلاغ سے دور کر کے نثر کے لطف سے محروم کر دیتا تھا۔

گل کرسٹ کا ایک اہم کارنامہ اس آسان، سادہ، سلیس اردو نثر کا آغاز تھا جو اس سے قبل اس صورت میں موجود نہیں تھی۔ استثنائی مثالوں کی موجودگی کے باوجود اس سے قبل یہ روایت ارتقاء کی جانب چلتی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ گل کرسٹ کی عالمانہ، ادیبانہ اور مربیانہ مساعی کی بدولت اس نئی نثر کو ایک منفرد و پرکشش اور دلچسپ اسلوب نصیب ہوا۔ اس نئے اسلوب کو سامنے رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں گل کرسٹ کی موجودگی میں جن ادیبوں نے اردو نثر لکھنا شروع کی وہ شعوری طور فارسی بوجھل تراکیب، اسلوب کے آراستہ و پیراستہ اسلوب سے دور رہتے تھے کیونکہ یہ اسلوب نمائشی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ ادب شعوری طور پر پُر تصنع اور پُرشکوہ اسلوب، استعارے کا بے جا استعمال اور قافیے کی کھنک سے بچ کر لکھتے تھے۔ کالج کی نثر سے قبل کی نثر میں آرائشِ لفظی اور مذکورہ بالا عناصر، خوبیوں کی صورت موجود رہتے تھے، جبکہ اس کے برعکس فورٹ ولیم کالج کے نئے نثری اسلوب سادگی وسلاست اور سہل انداز سے ابلاغ کا بہاؤ ملتا ہے۔ قافیے کے بے جا استعمال کو ابلاغ میں رکاوٹ اور غیر ملکی افراد کے سیکھنے کے عمل میں رکاوٹ کو محسوس کیا گیا اور اس کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ ان جملہ اوصاف کی بدولت یہ نثر کلاسیکی نثری کتب کے اسلوب سے زیادہ آسان، واضح، سادہ اور سلیس بن کر رواج پا گئی۔ اسلوب کے سلسلے میں یہ رہنمائی اور اس کی حدود و قیود کا تعین کرنے اور ان پر سختی سے عمل کرانے کا کام گل کرسٹ کا نہ صرف ایک ادبی کارنامہ بنتا ہے بلکہ اس اقدام سے وہ اردو ادب کے اسلوبیاتی ارتقاء کا اہم باب بن کر تاریخ ادب میں اپنا نام امر کر گئے ہیں۔ اسلوب کے سلسلے کی اس خدمت پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ہارون قادر لکھتے ہیں:

> ''گل کرسٹ کی کوششوں سے اردو نثر کا جو اسلوب قائم ہوا، اس سے شاعری کے مقابلے میں نثر کے منفرد اور جداگانہ اسلوب کا تعین کیا گیا۔ فورٹ ولیم کالج کے ادیبوں نے اس خاص اسلوبیاتی فضا میں پہلی بار حدِ فاصل کھینچ کر نثر کے اپنے مقاصد کا اعلان کیا۔ اس نثر کی شرط ابلاغ تھا۔ فورٹ ولیم کالج [گل کرسٹ] نے اردو اور اردو نثر سے مسجع اور مقفیٰ قسم کے اس اسلوب کے خاتمے کا اعلان بھی کیا جس کی مثال ''نوطرز مرصع'' کی نثر بن گئی تھی۔ ''باغ و بہار'' کے نئے اسلوب نے ''نوطرز مرصع'' کے مثالی اسلوب کی ہمیشہ کے لیے تنسیخ کر دی تھی۔ اردو نثر کی

تاریخ میں یہ ایک انقلابی واقعہ تھا''۔(۲۴)

جان گل کرسٹ کی کاوشیں اردو نثر کے نئے عہد کا آغاز تھیں۔اس جملے کی صداقت پر سوالیہ نشان لگانا یوں بھی مشکل ہے کہ اگر یہ کاوشیں اردو نثر کے آغاز کا سنگ میل نہیں بنیں تو وہ کون سی روایات تھیں جن کے تحت انیسویں صدی میں ادب تخلیق ہونا شروع ہوا۔فورٹ ولیم کالج کی تصنیفات اس عہد کے لحاظ سے جدید طباعت کا معیاری نمونہ تھیں'ان کی قیمت بھی مقامی افراد کی قوت خرید سے باہر تھی چنانچہ کافی عرصہ تک لکھنے پڑھنے کی یہ روایات فورٹ ولیم کی روایت کے متوازی چلتی رہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں باغ و بہار جیسے شاہکار کے بعد' جس کی اشاعت ۱۸۰۲ء میں ہوئی' ۱۸۲۵ء تک کالج سے باہر کوئی قابل ذکر تصنیف نہیں ملتی۔۱۸۲۵ء میں فسانہ عجائب کی لکھنو میں اشاعت باغ و بہار کا ردعمل تھی لیکن یہ ردعمل بھی بیس سال سے زائد عرصے کے بعد سامنے آیا۔باغ و بہار سے لے کر سرسید کی ''آثار الصنادید'' تک اردو نثری روایت ٹھہری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک فورٹ ولیم کالج کی مطبوعات ایک عرصے بعد عوامی دسترس میں آئیں تو صحیح معنوں میں گل کرسٹ اور اس کے معاون ادیبوں کی تخلیقات'اسلوب اور سادہ و سلیس نثری نمونہ نثری روایات کے تسلسل کا سبب بنتا ہے۔فورٹ ولیم کالج کی وجہ سے ہی اردو ادب ''باغ و بہار'' کے لافانی اسلوب کی حامل بنی جسے گل کرسٹ نے ''کلاسیکی لطافت'' کا اسلوب کہا تھا۔کالج میں گل کرسٹ کی توجہ تراجم پر بھی مرکوز رہی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عربی فارسی' انگریزی اور دوسری کلاسیکی زبان میں موجود کتب جو ادبی' سماجی' مذہبی' تاریخی غرض کسی بھی نوعیت کی تھیں' ان کی باقاعدہ روایت کا آغاز جان گل کرسٹ کی مساعی کا نتیجہ تھا۔اس ضمن میں وہ اردو کے بڑے محسن کے طور پر یاد رکھے جائیں گے۔

۴۔ زبان حکمرانی (Language of Command) کی تشکیل میں جان گل کرسٹ کا کردار

ایک اہم زاویہ سوال بن کر سامنے آتا ہے کہ وہ کون سے عوامل تھے جن کی وجہ سے گل کرسٹ کی ہندوستانیات (Indology) اور ہندوستانی زبان اپنے بنیادی میدان یعنی طب کی نسبت زیادہ پرکشش محسوس ہوئے۔کیا واقعی گل کرسٹ کسی ادبی یا زبان کی خدمت اور محبت کے نقطہ نظر سے اس طرف متوجہ ہوا؟۔اس سوال کے جواب میں یہ دیکھنا' پرکھنا اور سمجھنا معاون ہو سکتا ہے کہ یورپی افراد ہندوستان کو نو آبادیاتی حقیقت کے طور پر دیکھنا شروع کر چکے تھے۔اس سلسلے میں ہیڈلے کی لغت و قواعد پر مشتمل کتاب اور معاصر کتب ہندوستانی زبان کے

مطالعے سے محض ہندوستانی زبان کو ہی نہیں سمجھ رہی تھیں بلکہ یہ مطالعہ دراصل ہندوستان اور اس کے رنگا رنگ کلچر مختلف مذاہب میں مشغول اس ہندوستانی فرد کی شخصیت کا ادراک کرنا اور اس کے مختلف پہلوؤں سے روشناس ہونا بھی تھا جس پر آگے چل کر حکومت کرنا کمپنی کا مقصود تھا۔ اس سلسلے میں رکاوٹ ابلاغ کی ہی تھی۔ یہ زبان غیر ملکی اور دیسی باشندے کے درمیان فرق میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ اٹھارہویں صدی کے آخری ربع میں ولیم جونز جیسا بڑا اسکالر اور نیتھنیل ہال ہیڈ (Halhed) نام کا مشہور مستشرق اپنے لسانی نظریات کے مطابق ہندوستانیات پر عملی کام شروع کر چکا تھا۔ ولیم جونز اٹھائیس زبانیں جاننے والا نابغہ تھا جس نے سنسکرت کی دریافت اور تقابل سے تقابلی لسانیات کے سلسلے کا آغاز کیا تھا۔ ہالہیڈ اور جونز آکسفورڈ یونی ورسٹی کے فارغ التحصیل اسکالر تھے جنھوں نے یونانی اور لاطینی زبانوں کو کلاسیکی زبانوں کے طور پر پڑھا تھا۔ اس لبرل تعلیم اور پس منظر کے تحت کیے گئے مطالعہ نے ان کو ہندوستان کی کلاسیکی زبانوں کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ فراہم کیا جن میں عربی، فارسی اور سنسکرت زبانیں اہم تھیں۔ ان زبانوں کی اہم خصوصیات یہ بھی تھیں کہ عربی اور سنسکرت زبان مسلم اور ہندو قوم کے لیے مذہبی عقیدت کی زبانیں تھیں جن کی ناگزیریت اور اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا جبکہ فارسی سرکار دربار کی مشہور زبان تھی جو ملک بھر میں بولی سمجھی، لکھی اور پڑھی جاتی تھی۔ ان اسکالرز نے ہندوستان اور اس کے فرد کو سمجھنے کے لیے ان کلاسیکی زبانوں میں موجود متن کو کھنگالنے، پڑھنے اور اس کی روشنی میں اس فرد کو دیکھنے کا نظریہ پیش کیا۔ ولیم جونز کا خیال تھا کہ اگر مشرق اور ہندوستان کو سمجھنا ہے تو پہلے اس کا کلاسیکی متن پڑھا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ افراد اونچے طبقے کے نمائندہ تھے اور ان کے اس لسانی تصور کے بعد اس ہندوستانی طبقے کی شبیہہ تو بن سکتی تھی جو اعلیٰ طبقے اور اشرافیہ کا فرد ہے لیکن ہندوستان کے اس عام فرد کا ہیولہ اس فریم میں فٹ نہیں ہو پاتا تھا جس کو سمجھے بغیر ہندوستان کا مطالعہ ادھورا رہتا۔ اسی دور میں نوجوان گل کرسٹ ہندوستان تشریف لاتے ہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سے منسلک ان نظریات اور دونوں اسکالرز کے نظریات سے روشناس ہونے کے بعد اپنا نظریہ تیار کرتے ہیں اور اس ہندوستان کے عام فرد کو سمجھنے کے لیے ''ورنیکلر'' کو اس درجے پر بٹھاتے ہیں جس پر ولیم جونز کلاسیکی زبانوں کو بٹھا رہے تھے۔

گل کرسٹ نے اس دور میں اپنے قلیل عرصے کے مشاہدے سے یہ ادراک کرنے میں دیر نہ لگائی کہ ہندوستان کو سمجھنا ورنیکلر زبانوں کی مدد سے آسان ہوگا جو تمام افراد کے مابین رابطے کا ذریعہ ہو۔ ہندوستانی زبان اس دور میں صرف عوامی بول چال اور ملک بھر میں لنگوا فرینکا کے طور پر ہی مستعمل نہ تھی بلکہ اشرافیہ اور سرکار دربار تک بھی عوامی رابطے کا بہتر ذریعہ بن چکی تھی چنانچہ جونز کے کلاسیکی زبانوں والے خیال کی نسبت گل کرسٹ کا ورنیکلر زبان کی مدد سے عوام تک رسائی کا تصور کامیابی سے زیادہ ہمکنار رہا۔ مستشرقین اور کمپنی کے حکمران مقتدرہ کو اس بات کی سمجھ آ

چکی تھی کہ ہندوستانیات (Indology) کسی اور عامل کا نہیں بلکہ صرف زبان کا نام ہے اور اگر اس عوامی زبان پر قدرت حاصل کر لی جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہندوستان ہاتھ میں آ گیا ہے۔ ولیم جونز کے نقطۂ نظر کی عملی صورت تحریری کلاسیکی متن کی صورت میں موجود تھی جبکہ گل کرسٹ کا ہندوستانی فرد کتابی متن سے جدا ایک الگ عملی سچائی تھا جس کا مطالعہ زیادہ ضروری تھا۔ جان گل کرسٹ محض دلی شوق کی بنا پر میڈیکل کا شعبہ چھوڑ کر اردو زبان کی طرف نہیں آئے بلکہ ان کے لیے اس میں یہ کشش بھی تھی کہ سول یا فوجی ملازمت نام اور دام کے سلسلے میں اتنی ترقی نہیں دے سکتی جتنا زبانوں کی قواعد و لغت' مکالمات اور ہر حد تک ممکن لسانی مطالعہ دے سکتا تھا۔ سول اور فوجی ملازم اپنی ملازمت میں صرف ملازم ہی رہتے تھے لیکن جو اگر کوئی سول یا فوجی ملازم مقامی زبانوں کے مطالعے کی طرف متوجہ ہو جاتا تو نہ صرف یہ کہ اس کی شہرت اس کے اپنے افسران تک جا پہنچتی تھی بلکہ اس میں اس کے لیے ترقیوں کے زیادہ مواقع موجود ہوتے اور شہرت و ناموری الگ ہوتی۔ گل کرسٹ چونکہ ایک ایسا نوجوان تھا جس نے یہاں آ کر اپنا عملی کیریئر شروع کرنا تھا چنانچہ یہ مقاصد بھی اسے زبانوں کے مطالعے اور تصنیف و تالیف کی طرف لے آئے۔ اس نے ہندوستانی زبان کو جاگن' اور درباری زبان کے روپ کے طور پر پیش کیا۔ جاگن اس زبان کا روپ تھا جو عوامی بول چال کی زبان تھی اور جسے 'مورس' کے (Improper) نام سے مشہور کر دیا تھا جبکہ درباری زبان اردو زبان کا وہ روپ تھا جو سلجھی وشستہ زبان کے طور پر فارسی کی جگہ اشرافیہ اور درباری طبقے کے لیے بول چال کے طور پر رائج ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیئر ولیم جونز اور جان گل کرسٹ کے لسانی تصور کا تقابل کرتے ہوئے لکھتے ہیں'

> ''ولیم جونز اور گل کرسٹ ہندوستان کا لسانی تصور کرنے میں متفق تھے۔ دونوں نو آبادیاتی صورت حال میں زبان کے نہایت اہم کردار کا پختہ یقین رکھتے تھے اور اس کردار کے خط و خال اور اہمیت واضح کرنے میں بنیاد گزار بننے کے لیے سرگرم اور کامیاب رہے۔۔۔ولیم جونز کے لیے ہندوستانی ''کلاسیکی زبان'' اور گل کرسٹ کے لیے یہ ''ورنیکلر زبان'' تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندوستان کے یہ دونوں لسانی تصورات ۱۷۸۰ء کی دہائی میں وضع ہو رہے تھے... (مگر) حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کا وہ لسانی تصور اس کی کلاسیکی اور ورنیکلر زبانوں سے ہی مکمل ہوتا تھا جسے برطانوی ذہن نے نو آبادیاتی ثقافتی منصوبے کے نہایت اہم حصے کے طور پر قائم کیا تھا۔ اس اعتبار سے ولیم جونز اور گل کرسٹ ایک ہی ثقافتی پراجیکٹ کی تکمیل کے لیے دو یکساں اہمیت کے حامل محاذوں پر سرگرم تھے''۔ (۲۵)

کلاسیکی ہندوستانی زبانوں پر گل کرسٹ کا اردو زبان کو ترجیح دینے کا ایک اور زاویہ بھی سامنے آتا ہے جس کی طرف توجہ دی جانی ضروری ہے۔ کلاسیکی زبانوں کے متون' چاہے وہ عربی فارسی زبانیں تھیں یا سنسکرت' متعین و مرتب ہو چکے تھے۔ متون کا یہ سلسلہ ہندوستانیوں کے دلوں' ذہنوں میں جذباتی سطح پر اپنی جڑیں گہری کر چکا تھا۔ اس لیے ان تحریروں سے مختلف کوئی نیا نقطہ نظر کلاسیکی زبانوں میں پیش کر کے ہندوستان پر تسلط کوئی آسان کام نہ تھا۔ یا تو انگریز عربی' فارسی اور سنسکرت میں اتنے ماہر ہوتے کے مقامی علماء و تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن میں موجود اس تصور پر سوالیہ نشان لگا دیتے اور تشکیک زدہ ذہن کو اپنا سامراجی حکمرانی کا منصوبہ ان پر آشکار کر کے ان کو اپنی وفاداری میں کر سکتے اور ان کو سمجھ سکتے۔ لیکن ایسی بات نہ تھی سنسکرت اور عربی فارسی زبان میں مستشرقین کو بھی کلی مہارت کا دعویٰ کرنا مشکل تھا جبکہ دوسرے افراد ان زبانوں میں کیا دعویٰ کر پاتے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ گل کرسٹ کا ان امور کی طرف توجہ کرنا کہ کلاسیکی متون کو مضبوط روایت میں دراڑ ڈالنا ناممکن بات ہے' ہمیں تھامس رو کی یاد دلاتا ہے جس نے جہانگیر کے دربار میں مقامی فارسی ترجمان کے کردار پر تشکیک زدہ ذہن سے یہ نقطہ نظر بنایا تھا کہ فارسی زبان نو آبادیاتی منصوبے کی موت تو ہو سکتی ہے' معاون نہیں۔ اب یہاں یہ واقعہ پیش آنا کہ گل کرسٹ کو فیض آباد میں مقامی زبان کی کوئی قابل ذکر لغت و قواعد کی کتاب نہ ملنا جہاں ان کو حیران و پریشان (Puzzle) کر گیا وہیں پر ان کو یہ منصوبہ بنانے کے لیے تحریک ملی کہ اس عوامی زبان میں متون کی تیاری کا کام کلاسیکی زبان کی نسبت زیادہ فائدہ مند اور آسان ہوگا۔ کیونکہ یہ زبان ابھی تک فکر و فلسفے کی زبان کے طور پر ادبی تحریروں کی حامل نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ اردو کی طرف متوجہ ہونا کسی عام نوجوان کا متوجہ ہونا نہ تھا بلکہ ایسے ذہین فطین شخص کے ذہن رسا کا کام تھا جس نے اردو کا تحریری زبان کے طور پر انتخاب کر کے اس زبان میں متون کی اس تیاری کا عملی منصوبہ سوچا جس کے تحت ہندوستان کے فرد کو وہ بنایا جا سکتا تھا جو نو آبادیاتی سانچہ چاہتا تھا۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں'

> ''وہ [گل کرسٹ] جس نو آبادیاتی ضرورت کے تحت ''ہندوستانی'' پر نظر ڈال رہا تھا' وہ اسے زبان کے کسی دوسری طرز کے مطالعے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیتی تھی۔ تاہم ہندوستانیوں کے ''پریشان کن'' جواب [کہ مقامی زبان کی کوئی لغت و قواعد موجود نہیں] نے گل کرسٹ کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ ورنیکلر کا وہ متن تیار کرے' جس میں اس کا کوئی پیش رو نہ تھا؛ تقریر کی ایسی سائنسی وضاحت کرے کہ اس سے جو متن وجود میں آئے وہ تقریر پر اضافے کا درجہ رکھتا ہو... ورنیکلر

> کے پختہ تصور ہی کی بنیاد پر گل کرسٹ اس کا متن تشکیل دیتا ہے۔۔۔گل کرسٹ
> کے استفسار پر ہندوستانیوں نے جب انکشاف کیا کہ انہیں خود اپنی زبان کے
> لیے کسی متن (قواعد، لغت) کی طرف رجوع کی ضرورت پیش نہیں آئی تو یہ
> ہندوستانی کے بہ طور زبان مکمل ہونے کا اعلان تھا''۔(۲۶)

گل کرسٹ کی اردو زبان و ادب کے میدان میں خدمات میں جائزہ لیتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ واحد اسکالر تھا جس نے آ کر اردو کو بطور ایک بڑی زبان کے پہچانا اور اس کے اندر موجود امکانات کا ادراک کیا۔ انہوں نے اس زبان کو مورس کہنا ناپسند کیا' جارگن کے طور پر اس کو ماننے میں تامل کیا' اس کو علاقائی یا قصباتی زبان بھی نہ سمجھا بلکہ اس کو رابطے کی زبان کے طور پر دیکھ کر ''ہندوستانی'' نام دینے کی سفارش کی اور یہ نام آئندہ اس زبان کے ساتھ جڑ گیا۔ ان کے بعد کے مستشرقین نے اردو زبان کے اس ''ہندوستانی'' نام کے تحت ہی اپنی کتب تحریر و تالیف کیں۔ اردو زبان کو یہ مقام و مرتبہ اس زبان کے ان باشندوں کو بھی دینے کا خیال نہ آیا تھا جن کی یہ زبان ماں بولی کہلاتی تھی۔ اس نے اس زبان کو سیکھنے کے لیے انوکھا طریقہ اختیار کیا جس سے ان سے پہلے کے مستشرقین محروم رہے۔ عوام میں گھل مل کر' ان جیسا حلیہ بنا کر ان میں رہ کر زبان کے استعمال کی ہر سطح کا مشاہدہ کرنا ایک بڑی لسانی خدمت ہے۔ جتنا کام اکیلے گل کرسٹ نے مشکل حالات میں کیا' یہ کام اگر اردو زبان کا حامل کوئی مقامی فرد یا دیسی ادیب انجام دیتا تو بھی بڑی بات ہوتی لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایسا فرد جو ہندوستان کا مقامی باشندہ بھی نہ تھا' پیشے کے اعتبار سے بھی زبان و ادب کا بندہ نہ تھا تو یہ بات بڑی حیرانی میں مبتلا کر دیتی ہے کہ انہوں نے اکیلے یہ کام کیونکر انجام دیا۔

اردو زبان کی تدریس کے لیے گل کرسٹ نے جن مسائل کو دیکھا ان کے تحت ہندوستانی فلالوجی کے تحت لکھی جانے والی کتابیں ناکافی لگیں تو انہوں نے بطور اردو زبان کے استاذ کے مزید کتب اور مشقی کتابوں کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس زاویے کے تحت مزید کتب لکھنا شروع کیں۔ بطور استاد وہ ایک کامیاب استاد تھے جن کے لیے اپنے طالب علم کو مطمئن کرنا سب سے مقدم فرض تھا۔ تدریسی مقاصد کے تحت انہوں نے ہر اس زاویے کو کتب میں شامل کیا جس کی ان کے طالب علموں کو کسی بھی مرحلے پر ضرورت پڑ سکتی تھی۔ مزید یہ کہ انہوں نے اسے غیر ملکی افراد کے لیے بھی پاکٹ بکس ٹائپ کی کتابیں لکھیں جن میں ضروری قواعد' لغت اور مکالمات کے ساتھ ضروریات زندگی اور ان معلومات کو شامل کیا جانا ضروری خیال کیا جن کی ان کو ہندوستان سفر کے دوران ضرورت پڑ

سکتی تھی۔طلباء کی ضرورت کے لیے نصابات تحریر کیے‘تراجم کا سلسلہ شروع ہوا جوان کے ہندوستان سے کوچ کر جانے کے بعد بھی فعال رہا۔گل کرسٹ کو اردو کے مورخین ونقادوں نے ہر دو طرح سے جانا پرکھا۔ان کی لسانی خدمات کا اعتراف کرنے والوں کے ساتھ ایسے نقاد بھی موجود ہیں جنہوں نے گل کرسٹ کی ان خدمات میں منفی پہلوؤں پر رائے زنی کی۔ان میں ایک پہلو یہ تھا کہ انہوں نے صرف اپنے غیر ملکی ساتھیوں کے فائدے اور کمپنی کے نوآبادیاتی منصوبے کے تحت قواعد ولغت اور دیگر میدانوں میں کام کیا‘اردو ادب کی خدمت ان کا مطمع نظر نہ تھا۔اردو ادب کی خدمت بالواسطہ ہوگئی تھی۔رچرڈ سٹیڈمین جونزاپنے مقالے میں اس تاثر کی نفی کی ہے۔وہ لکھتے ہیں؛

"It was common to review his work as a crucial factor in the emergence of a modern Urdu literary culture and gilchrist himself made it clear that the translations emerging from the "Hindoostanee Press" were intended not simply as reading matter for British learners but as a stimilus to the development of Hindustani literatre."(27)

گل کرسٹ نے خلوص دل سے اردو زبان وادب کی خدمت کا فریضہ انجام دیا تھا۔اس صداقت کوتسلیم نا کرنا ان کی قدر ناشناسی سے کم نہیں ہے۔گل کرسٹ نے فورٹ ولیم کالج میں چار سال (۱۸۰۴ء۔۱۸۰۰ء) تک قیام کیا۔اس انتہائی قلیل مدت میں ۶۳ سے زائد کتب کی اشاعت‘تدوین‘ترجمہ کا کام مکمل کیا اور بہت سے دوسرے منصوبے جوان کے جانے کے بعد مکمل ہوئے‘ان کو دیکھ کر گل کرسٹ کی اہمیت کا احساس شدت سے جاگزیں ہوتا ہے۔ذاتی سرمائے سے ”ہندوستانی پریس“ قائم کرکے اردو کتب کی اشاعت اس لیے کرنا کہ اس کام میں تعطل نہ آئے اور سرعت کے ساتھ یہ لسانی منصوبے مکمل ہوجائیں ان کی اس زبان سے محبت کا والہانہ ثبوت ہیں۔

۱۸۰۴ء میں فورٹ ولیم کالج سے استعفیٰ دینے کے بعد گل کرسٹ انگلینڈ واپس چلے گئے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہاں جاکر وہ آرام وچین سے زندگی کا خوبصورت دور شروع کرتے اور کسی اور کام میں مصروف ہوتے۔انہوں نے وہاں جاکر بھی اردو زبان سے عشق کا سلسلہ منقطع نہ ہونے دیا۔ہندوستان سے کوچ کی دوسری وجوہات کے

ساتھ ایک وجہ ان کی خرابی صحت بھی تھی اس لیے کچھ عرصہ آرام وسکون سے گزارا۔ صحت یاب ہو کر نئے سرے سے توانائی جمع کر کے میدان میں آئے تو اسکاٹ لینڈ کو چھوڑ کر ۱۸۱۶ء میں لندن پڑاؤ کیا اور ذاتی طور پر ان نوجوان انگریزوں کو اردو زبان کی تدریس شروع کی جو نوآبادیاتی سلطنت ہندوستان میں طبع آزمائی کے لیے جانا چاہتے تھے۔ اس میدان میں ان کو دوبارہ لوٹ آنے پر کمپنی نے بھی ان کو نہیں بھلایا۔ ۱۸۱۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قائدین نے لندن میں لیسٹر اسکوائر میں ''اوری اینٹل انسٹی ٹیوٹ'' کے نام سے ایک ادارہ بنا کر ان کو اردو زبان کا پروفیسر مقرر کیا۔ کئی سال تک اس ادارے میں پروفیسر اپنے شاگردوں کو اردو پڑھاتے رہے۔ ان کی اس مساعی سے انگلینڈ میں اردو اور مشرقی زبانوں سے لوگوں کی واقفیت بڑھی اور لوگ شوق سے یہ زبانیں سیکھنے لگے۔ یہاں پر ان کو سمین فورٹ ارناٹ اور ڈنکن فاربس کی صورت میں دو ایسے لائق شاگرد میسر آئے جنھوں نے گل کرسٹ کی عقل ودانش سے نہ صرف بھرپور فائدہ اٹھایا بلکہ گل کرسٹ کے بعد ان کے اس مشن کی تکمیل کے لیے عملی طور پر تصیف و تالیف کا کام کرتے رہے۔ یہ دوران کی عمر کا آخری دور تھا جس میں ان کی صحت مزید خراب ہوتی چلی گئی لیکن اردو زبان سے محبت کا رشتہ آخری دم تک جڑا رہا۔ ذیل میں ایک اقتباس میں گل کرسٹ کے ان جذبات کا نمونہ پیش کیا ہے جو وہ اردو زبان کے بارے میں رکھتے تھے اور مقامی افراد کی اس زبان کو مناسب عزت نہ دیے جانے پر ناخوش تھے جس سے ان کے خلوص کا اندازہ ہوگا۔ یہ جملے انہوں نے ''نقلیات'' کے اختتامیہ کے لیے لکھے گئے اپنے تاثرات میں درج کیے تھے۔ گل کرسٹ لکھتے ہیں؛

> ''جہاں تک ہندوستانی زبان کا تعلق ہے، میرے دعوے کے صحیح ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں کو اپنے سرکاری منصب کے لحاظ سے اس عام زبان میں ماہر ہونا چاہیے تھا وہ سب الا ماشاء اللہ اس سے قطعاً ناواقف ہیں۔۔۔ میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ایک منشی ایسا ہے جو قواعد کے اصولوں کے مطابق ہندوستانی زبان سکھانے کا اہل اور خواہش مند ہے تو ننانوے منشی ایسے ہیں جو ہمیں فارسی اور عربی پڑھانا چاہتے ہیں۔ جس زبان کو ہندوستان کی عام زبان کہنا چاہیے اس کے پھیلانے کے سلسلے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو برابر بڑھتی جارہی ہیں۔ ان رکاوٹوں کو دور کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے میں نے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے اور مجھے توقع ہے کہ میری یہ کوشش [نقلیات] بار آور ثابت ہوگی''۔ (۲۸)

ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے جو گل کرسٹ کے سر الزام کی صورت موجود ہے۔ عام طور پر اردو زبان وادب کے علماء میں ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو جان گل کرسٹ کی فورٹ ولیم کالج کے دور میں تصنیف وتالیف میں ایک بات سے ان سے خوش نہیں ہے۔ یہ بات یوں ہے کہ گل کرسٹ نے کسی شرارت یا سازش کے تحت کالج میں ادیبوں کے دو طبقے بنائے تھے جن سے اردو کے ساتھ ساتھ ہندی رسم الخط (ناگری) میں بھی کتب لکھوائیں۔ عام طور پر للولال کوی کی کتاب ''پریم ساگر'' کے بارے میں خیال ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی زبان دو دھاروں میں بٹ گئی تھی۔ ایک دھارا اردو بن گیا جبکہ دوسرا ہندی کی صورت میں الگ ہو گیا تھا۔ گل کرسٹ کا اس ضمن میں کردار یہ تھا کہ انہوں نے للولال کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے زبان کے دو ٹکڑے کرائے جن سے قومی وحدت دو ٹکڑے بن گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ للولال کوی نے پریم ساگر نامی کتاب میں بھگوت گیتا کے ایک حصے کا دیوناگری رسم الخط میں ترجمہ کیا تھا اور یہ کتاب کالج کے اشاعتی منصوبوں کا حصہ تھی لیکن یہ الزام گل کرسٹ کے سر لگانا یوں ٹھیک نہیں ہے کہ دیوناگر رسم الخط نیا نہیں تھا۔ گل کرسٹ کی آمد سے کئی سو سال قبل اس خط میں ہندوی تحریریں ملتی ہیں جن کی موجودگی بتاتی ہے کہ یہ ہندی دیوناگری خط سے زبان کو دو فرقوں میں تقسیم کرنے میں ان کا کوئی منفی وسازشی حصہ نہ تھا۔ سب سے پہلے گل کرسٹ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو جو انہوں نے اپنی انگریزی ہندوستانی ڈکشنری کے دیباچے میں لکھا ہے۔ گیان چند جین گل کرسٹ کے جملوں کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> ''گل کرسٹ نے کہا ہے کہ ہندوستانی کے تین اسلوب میں پہلا جسے فارسی اسلوب کا اہم نمونہ کہہ سکتے ہیں اور جو سودا' میر' درد وغیرہ کے کلام میں یا پر تکلف ادبی یا سیاسی تحریروں میں ملتا ہے۔ دوسرا درمیانی اسلوب جو مسکین کے مرثیے' سودا کی ہجویات اور اچھے پڑھے لکھے منشیوں کی گفتگو میں ملتا ہے۔ تیسرا ہندوی اسلوب جو ناگری میں لکھے مضامین میں اور نچلی سطح کے ملازموں' ہندوؤں اور کسانوں وغیرہ کی گفتگو میں دکھائی دیتا ہے۔ یعنی گل کرسٹ نے مسلمانوں کی تحریروں اور تکلمی اردو کو دو اسالیب قرار دیا اور ہندی میں لکھی تحریروں کو Vulgar اسلوب کہا ہے''۔ (۲۹)

جان گل کرسٹ کی اردو زبان میں دلچسپی اور مقاصد کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ انہوں نے اردو زبان کو حکمرانی کے نقطہ نظر سے بھی دیکھنا شروع کیا تھا۔ ولیم جونز کے فارسی متون اور سرکاری زبان کے طور پر اہمیت دیے جانے کے بعد بھی انگریز مقتدرہ و افسران اس میں اتنی مہارت پیدا نہ کر پائے تھے جس کو بروئے کار لا کر مقامی افراد پر اپنی حکمرانی اور احکامات میں اتھارٹی بنائی جا سکتی تھی۔ دوسرا یہ نکتہ بھی سامنے کی بات تھی کہ فارسی زبان اپنی بنیاد اور حکمرانی کی زبان کے عامل کے طور پر عوام و خواص میں اتنا رائج ہو چکی تھی کہ انگریز اس میں کامل دست گاہ حاصل نہ کرنے کے باعث مقامی آبادی کو من چاہے انداز سے کنٹرول نہ کر پاتے چنانچہ گل کرسٹ نے مقامی اردو زبان کو مذکورہ مقاصد کی انجام دہی کے لیے زیادہ کارآمد خیال کیا۔ اس سلسلے میں زبان کا بہترین علم بہتر حکمرانی کے لیے ضروری خیال کرتے ہوئے انہوں نے اسے ہیئت مقتدرہ کے لیے منتخب کیا تھا۔ سولہویں صدی سے سترہویں صدی کے وسط تک انگریز سرکاری افراد کی تعداد بہت کم تھی جس کی وجہ سے ان کو مقامی زبان کی زیادہ ضرورت محسوس نہ ہو پائی تھی۔ اس عہد میں انگریزوں کا ہندوستان میں رہنے کا واحد مقصد تجارت تھا اور اس مقصد کے لیے تجارتی کوٹھیاں اور فیکٹریاں ساحلی علاقوں میں ہی بنائی جاتی تھیں تاکہ سمندری راستوں کی مدد سے نقل و حمل میں آسانی رہے۔ ان فیکٹریوں میں مقامی افراد کام کرتے تھے اور ہلکی پھلکی انگریزی زبان کی مدد سے ان میں اور کمپنی کے افراد کے درمیان ابلاغ کا کام چل جاتا تھا جس کی وجہ سے ان کو مقامی زبانوں کی تحصیل کی ضرورت زیادہ نہ محسوس ہوتی تھی۔

جنگ پلاسی میں انگریزوں کی کامیابی اور بنگال کے علاقے پر خود مختار حکمرانی نے ان کے ہندوستان رہنے کے تجارتی مقاصد کو جب حکمرانی کے منصوبوں میں بدلا تو اس وقت ان کو سرکاری زبان فارسی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ شروع دور میں انگریز فارسی کی طرف ہی متوجہ ہوئے تھے۔ جان گل کرسٹ کی شکل میں ان کو ایسا دور اندیش اسکالر میسر آیا جس نے فارسی زبان کی تحصیل میں پیش آنے والے مسائل پر تحقیق اور اس کے حصول کے لیے (ہندوستانی) اردو زبان کو زیادہ کارآمد پایا۔ انگریز حکمرانوں کو اردو زبان کی مدد سے فارسی سیکھنے کے منصوبے پر قائل کر لینے کے بعد وہ زبان کو انگریز حکمرانوں کی سرکاری زبان کے طور پر پیش کرنے اور تیار کرنے کے عملی منصوبے کی طرف متوجہ ہوا اور حکمرانی کی زبان کے طور پر اس کا وہ روپ تیار کرنے کے عملی منصوبے کی طرف متوجہ ہوا اور حکمرانی زبان کے طور پر اس کا وہ روپ تیار کیا جو ۱۸۳۲ء میں انگریزوں کے اس زبان کو سرکاری زبان بنانے کے کام آیا۔

ہندوستانی (اردو) زبان واحد مقامی زبان نہ تھی جس کی طرف مختلف قواعد و لغات نویس مستشرقین اور گل کرسٹ نے توجہ دی تھی بلکہ بنگال کے علاقوں میں جنگ پلاسی کی فتح کے بعد جاری انگریز حکمرانی کے پیش نظر بنگالی

زبان کی طرف بھی مستشرقین کا رجحان ہو چکا تھا۔ بنگالی زبان پر تفصیلی کتاب این۔ بی۔ ہال ہیڈ لکھ چکے تھے۔ بنگالی زبان کو بھی Vulgar زبان کے طور پر ہی دیکھا جاتا تھا جیسا کہ اردو زبان کو مغربی افراد Vulgar زبان خیال کرتے تھے۔ برنارڈ ایس کوہن نے نوآبادیاتی دور میں مختلف علوم وفنون اور زبان پر تفصیلی کتاب تحریر کی ہے، وہ بنگالی زبان کو بھی مقامی Vulgar زبان کی ذیل میں رکھتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> "N.B. Halhed, the translator of the 'Gentoo code' and author of the first English Grammar of Bengali, drew heavily on analogies between the eighteenth- century English in India and the Romans. His grammar was part of a large project that would stabilize and prepetuate British rule in Bengal. "The English masters of Bengal", wrote Halhed in 1778, needed to add its language to their acquisitions, like the Romans, "people little learning and less taste"... so the British in Bengal needed to cultivate a language that would be medium of intercourse between the Government and its subjects, between the natives of Europe who are to rule, and the inhabitants of India who are to obey".(30)

ہال ہیڈ کی 'بنگالی گریمر' اس طور بھی اہمیت کی حامل ہے کہ یورپی قواعدی ماڈل کے تحت لکھا گیا تھا۔ اس قواعد میں اجزائے کلام، علم ہجا اور اس کے مباحث، ضمیر، فعل، متعلق فعل، اسم عدد، نحو، تلفظ کے مباحث کے ساتھ ساتھ تقطیع سے متعلق مواد حصہ بنائے گئے تھے۔ جان گل کرسٹ نے ہال ہیڈ کی 'بنگالی گریمر' کا مطالعہ کیا ہو تھا۔ لہٰذا یہ

نئی بات سامنے آتی ہے کہ گل کرسٹ نے قواعدی ماڈل کی پہلی مرتبہ اجزائے کلام کی بنیاد پر مرتب کیا۔ اس نوعیت کا کام گل کرسٹ کی قواعد سے قبل بنگالی زبان کی قواعد میں بھی ہو چکا تھا۔ اس حساب سے ہال ہیڈ کی قواعد مقامی زبانوں کی قواعد کی روایت میں اہم مقام کی حامل ہے۔ اس قواعد میں ہال ہیڈ بنگالی زبان کا تقابل (ہندوستانی اردو) زبان سے کر کے اردو کو ملک کی اہم زبان قرار دیتا ہے۔ ہال ہیڈ نے ہی اپنی قواعد میں بنگالی زبان کے بارے میں یہ ثابت کیا ہے کہ بنگالی زبان کے رشتے سنسکرت سے جا کے ملتے ہیں اور اس زبان میں سنسکرت زبان کا خاصہ حصہ موجود ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ گل کرسٹ نے بھی اردو زبان کے آغاز وابتدا پر تفصیلی بحث کر کے اس روایت کا اعادہ کیا ہے جس کے تحریر مستشرقین اہم ہندوستانی زبانوں کے سلسلہ نسب' اخذ واشتقاق کی طرف خاص توجہ دے رہے تھے جو ان کے ہندوستانی زبانوں میں دلچسپی کا مظہر تھا۔

جان گل کرسٹ نے ہال ہیڈ کی قواعد کا مطالعہ کیا تھا اور اس مطالعہ اور اس کی تعریف کا ذکر جان گل کرسٹ کی انگریزی ہندوستانی ڈکشنری کے دیباچے میں موجود ہے۔ برنارڈ ایس کوہن نے اپنی کتاب "Colonialism and its forms of khnowledge" میں جو ۱۹۹۶ء میں پرنسٹن یونی ورسٹی سے شائع ہوئی، مستشرقین کے مختلف ہندوستانی زبانوں کے لیے کام اور ان کے مقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس میں اس نے سنسکرت' بنگالی' فارسی' عربی زبان کی اہمیت اور ان پر مرتب کیے گئے لغات وقواعد پر روشنی ڈالنے کے بعد اردو زبان پر بھی اپنا خاص نقطہ نظر پیش کیا ہے جس کو "Hindustani as "Language of command کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ گل کرسٹ اس زبان کے متون کی تیاری اور اس کی اہمیت کو ثابت کر کے دراصل ایک ایسی زبان کی تشکیل کا منصوبہ مکمل کر رہا تھا جسے مستقبل کے لیے حکمرانوں کی (سرکاری) زبان کی اتھارٹی بننا تھا۔ اس نظریے کو وہ مذکورہ کتاب کے باب نمبر ۲ میں بیان کرتا ہے جس کا عنوان ہے "Command of Language and Language of command" اس کا خیال ہے کہ ہندوستانی زبان کو گل کرسٹ اپنی شبانہ روز کی کاوشوں سے "Command of Language" کی اتھارٹی بنانا چاہتے تھے جسے انگریزوں کی حکومت میں اہم مقام حاصل ہونے والا تھا۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں انگریزوں کو مراٹھی' فارسی اور 'موریس' زبانوں کی اہمیت کا ادراک ہوا تو ان کی طرف توجہ دی جانی ضروری خیال کی گئی۔ جان گل کرسٹ کا اپنے پیش رو مستشرقین میں امتیاز یہ تھا کہ ان لوگوں نے ہندوستانی زبان کو محض جارگن' موریس' Vulgar زبان کے طور پر دیکھ کر اس توجہ سے اس کی قواعد ولغات پر اتنی توجہ نہ دی تھی' جبکہ گل کرسٹ نے اسے اوپر کے ناموں کی بجائے ''ہندوستانی'' کا نام واہمیت دے کر اس پر کام کیا تو اس زبان کی نئی اتھارٹی بنانے میں کامیاب

ہو گئے۔ برنارڈ ایس کوہن گل کرسٹ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ انہوں نے اردو زبان کی تین سطحیں دریافت کیں جن میں پہلی سطح وہ ہندوستانی زبان تھی جو عدالتی امور کی انجام دہی میں استعمال ہو رہی تھی جو مقامی کلاسیکی شعراء کی تخلیقات میں ملتی تھی اور اس پر فارسی کا غلبہ تھا' دوسری سطح جسے گل کرسٹ درمیانی ''جینوئن'' سطح سے تعبیر کرتے ہیں' جبکہ تیسری سطح عوامی بگڑے ہوئے لہجے کی حامل تھی جسے "Vulgar" ہندوی کہا جا سکتا تھا۔ یہ سطح ان سے پہلے کے مستشرقین کے پیش نظر رہی تھی جس کی وجہ سے وہ لوگ مغالطے کا شکار ہو کر ہندوستانی زبان کی اہمیت کو مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر رہے۔ کوہن لکھتا ہے'

The court or persian style found in the elevated poems of Sauda, Vali, Mir Dard and other poets. This is the "pompours and pedantic language of literature and politics", wrote Gilchrist and it draws heavily on Arabic and Persian. The second level of Hindostanee is what Gilchrist wanted to establish as the standard language, and it can be found in the elegy of "Miskeen, the satires of Sauda, and the translation of the articles of war. The third level of the vulgar is evidenced, Gilchrist wrote". Mr. Forster's translation of the Regulations of Government-, in the greatest part of Hindoostanee compositions written in the Nagree character, in the dialect of the lower order serrants and Hindoos, as well as among the peasantry of Hindoostan".(31)

مندرجہ بالا طویل اقتباس نہ صرف اردو زبان کے بارے میں دی جانے اہم سطحوں کی مدد سے اس زبان کی اہمیت کو سمجھنے میں معاونت کرتا ہے بلکہ اس کی مدد سے گل کرسٹ کی ذات پر نقادوں کے کیے جانے والے ان اعتراضات کا بھی جواب ملتا ہے جن کا ذکر اس بات میں کیا گیا ہے' کہ گل کرسٹ نے ایک سازش کے تحت ہندوستانی اردو اور ہندی کے ناموں سے ہندوستان کی اہم زبانوں کو دو شاخوں میں تقسیم کر کے نہ صرف لسانی وحدت کو نقصان پہنچایا تھا بلکہ اس کی وجہ سے ملکی وحدت بھی متاثر ہوئی تھی۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔گل کرسٹ کا اردو زبان کی تین سطحوں پر اسالیب میں تقسیم کرنا دراصل نوآبادیاتی حکمرانی کے مقاصد کے تحت زبان کا انتخاب کرنا تھا نہ کہ زبانوں کو گھٹیا اور عمدہ درجوں میں تقسیم کر کے ہندوستانیوں کو فرقوں میں ڈالنا تھا جسے گل کرسٹ کے نقاد سمجھنے سے قاصر رہے۔گل کرسٹ نے اپنی پہلی کتاب ''انگریزی ہندوستانی ڈکشنری'' اور دوسری بڑی کتاب ''ہندوستانی زبان کی قواعد'' میں زبان کو مذکورہ سطحیں نہ صرف دکھائی ہیں بلکہ قواعد و لغات میں مسکین کے مرثیے اور سودا کی پرشکوہ زبان کے نمونے شعروں کی صورت میں شامل کیے گئے تھے۔سودا و مسکین کی شاعری کو اس طور پر شامل کرنے سے گل کرسٹ کا مدعا یہی تھا کہ کلاسیکی استاد شاعر سودا کی زبان اردو زبان کا خاص علمی روپ ہے جس کو حکمران سمجھیں سیکھیں ضرور لیکن یہ روپ خاص اشرافیہ کے زیر استعمال تو ہو سکتا ہے' عوام کے زیر استعمال نہیں' عوامی زبان وہی ہے جو مسکین کے مرثیوں میں ملتی ہے جسے اہمیت دی جانی ضروری ہے۔زبان کا یہ روپ کوہن کے "Language of commaand" کے ماڈل پر پورا اترتا ہے۔یہ اعتراض کہ گل کرسٹ نے فورٹ ولیم کالج میں ''پریم ساگر'' نامی کتاب سے دیوناگری رسم الخط کی حوصلہ افزائی کی' اس مفروضے کو اس طور پر سمجھا جانا ضروری ہے کہ انہوں نے اردو زبان کا تیسرا روپ Vulgar / مورس/ جارگن کی صورت میں محفوظ کر کے انگریزوں کو یہ بتانا ضروری سمجھا تھا کہ اس روپ کو اختیار کرنے میں خاص احتیاط کا مظاہرہ کریں۔گل کرسٹ زبان کا عمدہ روپ منتخب کر کے اسے حکمران اشرافیہ کے شایان شان بنانے میں کوشاں تھے جس سے بلاواسطہ اردو زبان کی خدمت ہو رہی تھی اور اس کا ایک خوبصورت روپ تیار ہو رہا تھا جو آج تک موجود ہے۔اس ضمن کی گل کرسٹ کی بہترین لسانی خدمت تاریخ کا حصہ بنتی ہے جس کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ڈاکٹر نجیبہ عارف گل کرسٹ کی لسانی خدمات پر تبصرہ کرتی ہیں؛

> ''ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی علمی کاوشوں کا جائزہ لینے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی دلچسپی کا اصل محور اردو زبان ہے۔ادب کی تاریخ پر انہیں زیادہ عبور نہیں لیکن زبان کے مسائل میں انہوں نے اجتہادی فکری رویہ اختیار کیا جس نے ان کے بعد آنے والے مستشرقین کو بہت متاثر کیا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے وسط میں

رابسن بینسن (Robson, Benson) نے ۳۴ صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ تحریر کیا جس کا عنوان ہے A few words on the Arabic derivation in Hindustani۔ یہ رسالہ ۱۸۵۲ء میں لندن سے شائع ہوا۔ ایسی ہی ایک کوشش Thwates Edmund Charles نے ۱۸۹۲ء میں کی جنھوں نے کم و بیش پچاس دکنی مسودات اور ان کے انگریزی تراجم کو کتابی صورت میں طبع کرایا۔ (۳۲)

گل کرسٹ نے اپنے عہد سے لے کر بیسویں صدی تک کے قواعد و لغت نویسوں کو نا صرف متاثر کیا ہے بلکہ اس میدان میں ان کو ایک سائنسی منہاج بھی عطا کی ہے جس کی مدد سے اردو قواعد اور لغت کی روایت مستحکم بنیادوں پر ارتقائی منازل طے کر رہی ہے۔ گل کرسٹ کی تمام لسانی کاوشوں کا مرکز و محور "اردو زبان تھی" جس میں کارہائے نمایاں انجام دیتے ہوئے انہوں نے متنوع اقسام کی کتب تحریر کیں۔ گل کرسٹ نے لسانیات کے میدان میں اپنے پیش رو ماہرین لسانیات پر اہم اثرات مرتب کیے۔ گل کرسٹ نے ہندوستان آمد سے لے کر فورٹ ولیم کالج سے استعفیٰ دینے تک (۱۸۰۴ء) پوری دلجمعی، خلوص اور عالمانہ انداز سے اردو کے ساتھ ساتھ دوسری ہندوستانی زبانوں میں لسانی، ادبی اور تحقیقی نوعیت کا کام کیا۔ اگر صرف کیریئر کی تمنا ان کے پیش نظر ہوتی تو انگلینڈ واپسی کے بعد اردو سے پیچھا چھڑا لیتے لیکن وہاں جا کر زندگی کے آخری ایام تک اردو زبان و ادب سے مستحکم تعلق نہ صرف محسوس کرتے رہے بلکہ تدریس اور تالیفِ کتب سے بھی جڑے رہے۔ جان گل کرسٹ کی لسانی میدان میں بڑی کاوش یہ ہے کہ ان سے قبل اردو لسانیات کے میدان میں چند ایک کتب ہی موجود تھیں لیکن اس اکیلے اسکالر نے اردو لسانیات کو بیس سے زائد کتب کا سرمایہ دیا ہے جو ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ Gilichrist, John, (qouted in) Colonialism and its forms of Knowledge by Bernard S. Cohn, Princeton University Press, new jersy, 1956, P.34

۲۔ سمیع اللہ، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج ... ایک مطالعہ، نشاط آفسٹ پریس، ٹانڈہ، فیصل آباد، ۱۹۸۹ء، ص ۳

۳۔ عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، ۱۹۶۰ء، ص ۳۹

۴۔ ایضاً۔ ص ۱۱۱۔۱۱۰

۵۔ Gilchrist, John, The Oriental Linguist--- Ferris Post Press, Calcutta, 1802, 2nd Edition , P.1

۶۔ رضیہ نور، مس، ڈاکٹر، اردو زبان اور ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات ...، لائن آرٹ پرنٹرز، مکتبہ خیابان ادب، لاہور، اپریل ۱۹۸۵ء، ص ۷۷۔۷۶

۷۔ گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص ۳۰۔۲۹

۸۔ سید محمد، مولوی، ارباب نثر اردو، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، طبع دوم ۱۹۳۷ء، ص ۱۹

۹۔ تفصیل کے لیے ڈاکٹر سمیع اللہ کی کتاب فورٹ ولیم کالج، ایک مطالعہ ص ۱۵ دیکھا جا سکتا ہے۔ جس کا حوالہ اوپر درج کیا گیا ہے۔

۱۰۔ اس دعویٰ کی تفصیل کے لیے گل کرسٹ اور اس کا عہد، (از عتیق صدیقی) کے صفحہ نمبر ۳۶ پر مواد موجود ہے۔

۱۱۔ Richard Steadman Jones, Colonialism and Grammatical Represention, Blackwell Publishing ltd.Oxford,U.K.,2007 P.29

۱۲۔ Ibid-90

۱۳۔ Gilichrist, John, (qouted in) Colonialism and its forms of Knowledge, P.4

۱۴۔ Garcin De Tassy, (quoted in) Gilchrist and Lanuage of Hindustan, Sadiq-ur-Rehman Kidwai, Rachna Parkashan, New Delhi, 1972, P.120

۱۵۔ Roebuck, thomas, (quoted in) Gilchrist and Language of Hindustan, P.121-122

۱۶۔ رشید حسن خان، گل کرسٹ کا نظام املا، مطبوعہ کتاب نما، مکتبہ جامعہ نئی دہلی اگست ۱۹۹۰ء، جلد ۳۰، شمارہ نمبر ۵، ص ۷۶۔۷۵

۱۷۔ مذکورہ رسالے کا عنوان 'رسم الخط واعراب' از گل کرسٹ تھا جسے بہادر علی حسینی نے اپنی کتاب 'باغ اردو' میں محفوظ کر دیا تھا۔ اس کا خلاصہ عتیق صدیقی کی کتاب گل کرسٹ اور اس کا عہد کے صفحات پر موجود ہے جن کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۸۔ گل کرسٹ، جان، مشمولہ نقلیات، از میر بہادر علی حسینی، ترتیب وحواشی پروفیسر وقار عظیم، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۹۶ء، طبع دوم، ص ۳۵۔۳۲

۱۹۔ رشید حسن خان، گل کرسٹ کا نظام املا، ص ۷۶

۲۰۔ ایضاً۔ ص ۷۸۔۷۷

۲۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، پچیسواں ایڈیشن، ۲۰۰۳ء، ص ۲۹۱

۲۲۔ عتیق صدیقی، ص ۲۰۰

۲۳۔ مصنفین کی کتب کی تفصیل کے لیے صدیق الرحمان قدوائی کی کتاب، اور عتیق صدیقی کی کتاب سے معلومات اخذ کی گئی ہیں۔

۲۴۔ ہارون قادر، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج: تاریخ کے آئینے میں، مطبوعہ تخلیقی ادب (تحقیقی مجلہ)، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد، شمارہ نمبر ۸، ۲۰۱۱ء، ص ۱۳۹

۲۵۔ ناصر عباس نیر، مابعد نوآبادیات، اردو کے تناظر میں آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۲۳۔۱۲۲

۲۶۔ ایضاً۔ ص ۲۶۔۱۲۵

۲۷۔ Richard Steadman Jones, P.39

۲۸۔ گل کرسٹ، جان، مشمولہ نقلیات، ص ۳۶۔۳۷

۲۹۔ گیان چند جین، ایک بھاشا، دو لکھاوٹ، دو ادب، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی نمبر ۶، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲۶۔ ۶۷

۳۰۔ Bernard S. Cohn, P.30-31

۳۱۔ Ibid, P.36

۳۲۔ نجیبہ عارف ڈاکٹر، اردو زبان و ادب کی تاریخ نویسی۔۔۔، مطبوعہ دریافت (تحقیقی مجلہ)، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، شمارہ نمبر ۸، جنوری ۲۰۰۹ء، ص ۱۵۴

باب ششم

جان بورتھ وک گل کرسٹ کی لسانی خدمات۔۔۔محاکمہ اور تعینِ قدر

جان گل کرسٹ جس عہد میں ہندوستان آئے اس عہد میں نوجوان انگریزوں کے لیے ہندوستان میں ایک اچھا کیریئر بنانے کے سنہری مواقع میسر تھے۔ انہوں نے میڈیکل کے شعبے میں کمپنی کی ملازمت اختیار کی۔ اس اہم شعبے کو اپنے کیریئر کے لیے مستقلاً اختیار کرنے کی بجائے انہوں نے اس دور کی عوامی رابطے کی زبان اردو، جس کو انہوں نے اپنی کتب میں ''ہندوستانی'' کا نام دیا تھا' اس کی لغت و قواعد کی تالیف کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ اس ادراک کے بعد کہ اس ملک گیر زبان کی معاون قواعد و لغات کا میدان معیاری وار اور جامع کتب سے خالی ہے' انہوں نے اردو کے لسانی میدان کو کتب سے مالا مال کیا۔ اس دور میں مستشرقین کی جانب سے ہندوستان اور ہندوستانیت کو سمجھنے کی مختلف انداز سے کوششیں کی جا رہی تھیں۔ گل کرسٹ نے بھی اپنے خاص نقطہ نظر سے ہندوستانی فرد اور معاشرے کا الگ زاویہ پیش کیا اور وہ یہ زاویہ یہ تھا کہ ہندوستان کو سمجھنے کے لیے اس مقامی زبان کا مطالعہ بہت ضروری ہے جو پورے ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

گل کرسٹ جس دور میں جنوبی ہند کے علاقوں میں مقامی زبان سیکھنے کی ابتدائی کوششیں کر رہے تھے۔ کم و بیش اسی دور میں سر ولیم جونز ''رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۷۸۴ء میں قائم کر چکے تھے۔ اس خطے میں مستشرقین جن میں ولیم جونز اور نیتھنل ہالہیڈ جیسے آکسفورڈ یونی ورسٹی کے جیسے بڑے اداروں کے تعلیم یافتہ موجود تھے جبکہ جان گل کرسٹ والدین کی شفقت سے محروم' مصائب و مشکلات میں گھرے بچپن کا حامل ایسا نوجوان تھا جس کی تعلیم کسی بھی اعلیٰ درجے کی یونی ورسٹی سے نہ ہوئی تھی۔ مستشرقین کے لیے یہ سوسائٹی ایک اہم پلیٹ فارم ثابت ہوئی جس نے ہندوستانیات کے شعبے میں کئی کارہائے نمایاں انجام دیے۔

ولیم جونز نے یہاں آ کر اپنا تاریخ ساز نظریہ پیش کیا جس کے مطابق ہندوستان کو سمجھنے کے لیے زیادہ بہتر ہے کہ اس خطے کی کلاسیکی زبانوں میں موجود کلاسیکی متن پڑھا جائے تاکہ ہندوستان کے انسان کا تصور واضح ہو سکے۔ واضح رہے کہ اس نظریے سے قبل مختلف پرانے قصوں کہانیوں سے ہندوستان کو دریافت کرنے کا رجحان تھا۔ دراصل ولیم جونز نے کلاسیکی زبانوں فارسی' سنسکرت' عربی وغیرہ میں چھپی ہوئی اس طاقت کا ادراک کر لیا تھا۔ ولیم جونز اعلیٰ تعلیم یافتہ فرد تھا اور ہائی کورٹ کا جج بھی تھا اس لیے وہ اس ادراک سے دور تھا جو اس کو عوام سے میل جول اور مقامی

زبانوں سے حاصل ہوتا تھا۔ ان علماء کے مقابل گل کرسٹ نے یہ نقطۂ نظر پیش کیا کہ ہندوستان کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کلاسیکی زبانوں کے ساتھ ساتھ ورنیکلر زبانوں اور اس کے بولنے والے عوامی افراد کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا جائے تب ہندوستان کا صحیح نقش واضح ہوگا جس کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو استعماری مقاصد کے لیے ضرورت تھی۔

ولیم جونز کے برعکس، جان گل کرسٹ کا سابقہ اشرافیہ کی دنیا سے نہیں بلکہ عوامی زندگی اور عام فرد سے پڑا جس کی مقامی بولی کے انداز سے اس نے وہی طاقت دریافت کی تھی جو ولیم جونز کی کلاسیکی مشرقی زبانوں میں نظر آتی تھی۔ جان گل کرسٹ کی ایک عطا یہ ہے کہ انہوں نے کلاسیکی زبانوں (سنسکرت، فارسی) کے مقابلے میں ورنیکلر زبان (ہندوستانی/ ہندوی/ اردو) کو اس درجے پر فائز کر کے اس میں موجود ابلاغ کی طاقت کا اندازہ کیا اور پھر اس میدان میں مزید محنت کر کے اس زبان کو کلاسیکی زبان کے مرتبے پر لانے کی کوشش شروع کی۔ یہ کوشش اتنی بارآور ثابت ہوئی کہ ایک وقت آیا جب اس زبان کی طاقت نے فارسی جیسی کلاسیکی حیثیت کی زبان کو پیچھے چھوڑ دیا اور اس کی سرکاری مسند پر جاگزیں ہوگئی۔ اور یہ کام گل کرسٹ کی مساعی کی بدولت ممکن ہوا۔

اردو زبان کے اندر چھپے امکانات اور طاقت کو گل کرسٹ نے تلاش کر لیا تھا۔ گل کرسٹ نے اردو زبان میں لسانی کتب کی اشاعت کا منصوبہ بنایا جسے ''ہندوستانی فلالوجی'' کا نام دیا۔ اس منصوبے کے تحت انگریزی اردو ہندوستانی زبان گریمر اور ان پر ایک مبوط کتاب "Appendix" کا اشاعتی منصوبہ بنایا۔

گل کرسٹ کا لسانیاتی منصوبہ، دیکھا جائے تو کسی مقامی فرد کے لیے بھی اتنا آسان کام نہیں ہوسکتا، دوسرا یہ کہ اس پر آنے والے اخراجات کسی فرد کے بس کی بات نہیں ہوسکتی چنانچہ یہیں سے گل کرسٹ کی وہ تاریخ ساز فیصلہ لینا پڑا جوان کی زندگی کو تصنیف و تالیف کے رستے پہ ڈال گیا۔ ایک طرف میڈیکل کی ملازمت اور لمبا کیریئر، دوسری طرف اردو زبان و ادب کی تنگ گھاٹیاں، چنانچہ اس مقصد کے لیے ۱۷۸۵ء میں ایک سال طویل رخصت کی درخواست اس استدعا کے ساتھ دی کہ اگر کمپنی ان کی تنخواہ و دیگر مراعات جاری رکھ کر رخصت دے دے تو وہ اس زبان کی لغت اور قواعد مرتب کرنے کے منصوبے کا آغاز کرنے کے قابل ہوسکتا ہے۔ کمپنی کے مقتدر افراد کو نوجوان کا جذبہ اور منصوبہ پسند آیا تو ایک سال کی رخصت بمعہ مراعات و مشاہرہ عطا کر دی گئیں۔ یہ رخصت اتنی طویل ہوئی کہ بائیس سال ۱۸۰۴ء تک اپنے طب کے شعبے میں گل کرسٹ کی واپسی ممکن نہ ہوسکی۔ محنت جاں فشانی اور مقصد کی لگن کے تحت مشکل سے مشکل حالات کے باوجود ''انگریزی ہندوستانی ڈکشنری'' ہندوستانی زبان کی گریمر، اور "Appendix" لکھ کر ۱۷۹۸ء میں اس محنت کے خوگر اسکالر نے ہندوستانی فلالوجی کا منصوبہ پایہ تکمیل پہنچایا۔

جان گل کرسٹ نے اردو زبان کو آسان بنانے کے لیے نئے اصولوں پر مبنی رومن رسم الخط عطا کیا۔ ان کا

رومن رسم الخط سر ولیم جونز کے رومن رسم الخط سے زیادہ سود مند ثابت ہوا۔ دراصل ان کو اردو زبان اور اس میں موجود مختلف ملکی و غیر ملکی زبانوں کے الفاظ کے تلفظ کے مسائل کا ادراک تھا چنانچہ انہوں نے ان مسائل کے حل کے لیے رومن رسم الخط میں نمایاں ترامیم اور اضافے کیے جن سے مقامی زبانوں کی غیر ملکیوں کے لیے تحصیل و تدریس آسان ہوگئی۔ گو بنگال میں سر ولیم جونز کے رسم الخط سے مانوس لوگ اس خط کے ہی طرفدار رہے لیکن کیپٹن روبک اور ان کے زیر اثر مستشرقین نے گل کرسٹ کے رسم الخط کو سر ولیم جونز کے رسم الخط سے زیادہ مفید پایا۔ روایت کا جائزہ لیا جائے تو انیسویں صدی کے مستشرقین کی تحریروں میں گل کرسٹ کے وضع کیے گئے رسم الخط کا عملی اطلاق نظر آتا ہے۔

انہوں نے اس بات کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ اردو رسم الخط کو اگر رومن رسم الخط میں ڈھالا جائے گا تو اس زبان پر اعراب موجود نہ ہونے اور مختلف مصوتوں (واولز) سے آشنا نہ ہونے کے باعث غیر ملکی افراد تلفظ کی غلطیوں کا شکار ہو جائیں گے چنانچہ انہوں نے تحریر سے پڑھ کر لفظ رومن میں ڈھالنے کی بجائے زبان سے تلفظ کی ادائیگی کے بعد اس لفظ کے رومن املا کے اصول وضع کیے تا کہ غلطی سے بچنے کا امکان زیادہ ہو۔ رومن رسم الخط میں املا کی غلطیوں سے بچنے کے لیے یہ طریقہ تجویز کیا کہ لفظ کو پڑھ کر رومن لکھنے کی بجائے Orthoepy کے اصولوں کے تحت سن کر رومن میں تحریر کرنے سے تلفظ کی غلطیوں سے آسانی سے بچا جا سکتا تھا۔ اس انداز پر ہی انہوں نے اپنی قواعد مرتب کی۔

اس سلسلے میں ایک زاویہ اور بھی بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ اکیسویں صدی کے شروع میں موبائل فون اور انٹرنیٹ انسانی زندگی کی اہم ضرورت اور بین الاقوامی رابطے کا ناگزیر جزو بن کر ہماری زندگیوں میں شامل ہو چکا ہے۔ اردو زبان کے جاننے والے اپنے پیغامات اور انٹرنیٹ پر اپنے مختلف بلاگ (Blogs) کو رومن اردو رسم الخط میں استعمال کر رہے ہیں۔ یہ رسم الخط نئے سرے سے ہماری زندگیوں میں داخل ہو رہا ہے لیکن اس سلسلے میں آج کی نسل کے لیے رومن رسم الخط کے کوئی رہنما اصول موجود نہیں ہیں۔ اگر گل کرسٹ کے رومن رسم الخط کو نئے سرے سے عصری ضروریات کے پیش نظر منتخب اور مرتب کیا جائے تو یہ اردو رومن رسم الخط کی اہم خدمات ہو سکتی ہے۔ اس رسم الخط کو افادیت و ضرورت کے مطابق نئے سرے سے ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

''اے گریمر آف ہندوستانی لنگویج'' کی اشاعت سے اردو قواعد نویسی کے میدان میں اپنی نوعیت کا قابل قدر اور لسانی اہمیت کا حامل اضافہ دیکھنے میں آیا اس جیسا نقش ۱۷۹۶ء سے قبل کی قواعد نویسی کی روایت میں موجود نہ تھا۔ اس کتاب کی اشاعت نے برسوں کی گئی محنت کا بہترین ثمر گل کرسٹ کو عطا کیا اور ان کا نام معتبر مستشرقین و ماہر لسانیات کی صف میں نمایاں کر دیا۔ اگر چند جملوں میں ان کی گریمر کا لسانی مرتبہ جانچا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان سے قبل اردو قواعد نویسی کی روایت بہت زیادہ توانا بنیادوں پر موجود نہ تھی۔ مشرقی ادیبوں، ماہر زبان نے

اس وقت تک اردو قواعد کے سلسلے میں بالکل کام نہیں کیا تھا جو مستشرقین کی ضروریات کو پورا کرتا یا کوئی نمونہ ہی فراہم کر دیتا جس کی بنیاد پر مغربی قواعد نویس اپنی قواعد کی عمارت کھڑی کر لیتے۔ اس گریسر سے مقامی ادیبوں کی توجہ اردو قواعد نویسی کی طرف مبذول ہوئی۔ انیسویں صدی کے پہلے عشرے میں ''امانت اللہ شیدا نے صرف اردو'' اور ''انشاء اللہ خان انشاء نے دریائے لطافت'' تحریر کی تھی۔ امانت اللہ شیدا کا تعلق تو براہ راست فورٹ ولیم کالج اور گل کرسٹ سے تھا چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو کے پہلے ''مقامی قواعد نویس'' امانت اللہ شیدا نے اپنی صرفِ اردو (۱۸۹۶ء) گل کرسٹ کی قواعد کے بعد قلمبند کی تھی اور اس سلسلے میں لازماً گل کرسٹ کی معیت و رہنمائی سے تحریک لی ہوگی۔ غرض یہ کہ جان گل کرسٹ کو قواعد لکھنے کے لیے مشرقی روایت سے کوئی نمونہ بطور مثال نہیں ملا تھا۔ کیٹلر اور شلز کی قواعدیں بھی دوسری زبانوں سے انگریزی ترجمہ ہو کر ان تک پہنچی تھیں جو اولین نقش کے طور پر ناپائیدار نقش تھیں۔ اس منظر نامے صرف جارج ہیڈلے کی قواعد ہی ان کے لیے رہنمائی تھی جس سے شروع دور میں ہی وہ غیر مطمئن ہو گئے تھے۔ ان کو اس قواعدی کتاب میں پائی جانے والی غلطیوں کے ادراک سے نئی کتاب لکھنے کی تحریک ملی۔ نتیجتاً انہوں نے اپنی قواعد تحریر کی۔ یہ کہنا بے جا نہیں کہ گل کرسٹ کی اردو قواعد نویسی سے قبل جو کتب موجود تھیں وہ سرسری نوعیت کی تھیں جن میں تلفظ کے ساتھ مختلف نوعیت کی غلطیاں موجود تھیں۔ نیز یہ کہ یہ قواعدیں مختصر نوعیت کی تھیں گل کرسٹ کی قواعد کو ہم اردو زبان کی ''پہلی جامع قواعد'' کہہ سکتے ہیں۔

گل کرسٹ کی قواعد کی دوسری بڑی اہمیت ان کی منہاج اور طریقہ کار ہے جو اس سے قبل کی مستشرق کے ہاں نظر نہیں آتا۔ انہوں نے قواعد کو عربی، فارسی، لاطینی ماڈل کی طرز پر مرتب کرنے کی بجائے اجزائے کلام (Parts of Speech) کی بنیاد پر مرتب کیا ہے۔ گل کرسٹ کا ''قواعد نویسی کی روایت کو 'اجزائے کلام' پر مرتب کرنے کی منہاج عطا کرنا بڑی لسانی خدمت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انیسویں صدی میں جب ہندوستانی مقامی ادیبوں نے اردو قواعد لکھنی شروع کی تو فارسی کی قواعدی روایت کی منہاج کے مطابق کلمے کی سہ درجاتی تقسیم یعنی (اسم، فعل، حرف) کے تحت صرف و نحو کی کتب تحریر کیں۔ صدی کے وسط تک جاتے جاتے صرف ایک مقامی قواعد نویس، بابو کاہن سنگھ نے ''قواعد اڑدو'' (۱۸۶۷ء) کو گل کرسٹ کی اجزائے کلام کی بنیاد پر لکھی گئی منہاج کے تابع کر کے اس نوعیت کی پہلی قواعد لکھی۔ گل کرسٹ کی قواعد کے اثرات یہیں تک محدود نہیں رہے بلکہ بیسویں صدی کی ایک معتبر شخصیت مولوی عبدالحق کی قواعدِ اردو بھی اجزائے کلام پر مرتب کی گئی تھی جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۴ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ مولوی عبدالحق کی ''قواعد اردو'' کے مشمولات اور گل کرسٹ کی قواعد کی مشمولات کی فہرست میں واضح اشتراک کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ ان خطوط پر مستقبل کے محقق کو تفصیلی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مولوی عبدالحق کی قواعد کے

استناد کے بعد یہ نقطہ نظر معروف ہوا کہ اردو زبان کی قواعد مرتب کرنے کے لیے کلمے کی تین درجی تقسیم یعنی اسم، فعل، حرف سے زیادہ بہتر ہے کہ اجزائے کلام کی چھ درجی تقسیم یعنی اسم، ضمیر، صفت، فعل، متعلق فعل اور حرف کے مطابق قواعد لکھی جائے۔ اجزائے کلام کا ماڈل اردو قواعد کے لیے زیادہ بہتر ثابت ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سطور پر پہلا تفصیلی کام جان گل کرسٹ کا ہے۔ یہاں یہ امر واضح کرنا ضروری ہے کہ اجزائے کلام کا ماڈل مکمل طور پر گل کرسٹ نے کلی طور پر انگریزی قواعدی منہاج سے اخذ نہیں کیا بلکہ جزوی طور پر اس کا اطلاق اپنی قواعد پر کیا ہے۔

گل کرسٹ پہلا غیر ملکی اسکالر تھا جس نے سائنسی اندازِ فکر کے تحت منظم انداز سے اردو زبان و ادب کے مختلف گوشوں کا مطالعہ کیا تھا۔ یہ وہ دور تھا جس دور میں اشرافیہ اور متمول کلاس جن کی مادری زبان اردو تھی وہ بھی اس زبان کو کسی خاطر میں نہ لاتی تھی اس دور میں ایک غیر ملکی فرد جس کی نہ مادری زبان اردو تھی نہ تدریس کی، وہ اس زبان کی تحقیق، ترتیب و تزئین کی طرف متوجہ ہوا۔ اردو زبان کے ضمن میں گل کرسٹ کی ایک بڑی لسانی کاوش اردو زبان میں پوشیدہ امکانات کو تلاش کر کے واضح کرنا تھا تا کہ اسے غیر مہذب (Vulgar) یا بھاکھا، گری پڑی زبان سمجھنے والوں کے سامنے اس کا معتبر اور معیاری روپ پیش کیا جائے اور اس میں گل کرسٹ بہت حد تک کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اردو زبان کو جب مقامی آبادی غیر مہذب اور دیہاتی زبان سے زیادہ کا درجہ نہ دیتی تھی تو غیر ملکی افراد اس کو کیا اہمیت دیتے چنانچہ مغربی افراد نے اس زبان کی اہمیت کے پیشِ نظر اس میں بنیادی لسانی کام تو کیا لیکن اسے ''Moors اور Jargon'' کے غیر شائستہ و ناروا ناموں سے پکارتے لکھتے رہے۔

گل کرسٹ نے پہلی مرتبہ اس زبان کو مذکورہ ناموں سے لکھے جانے پر اعلانیہ صدائے احتجاج بلند کی اور واضح کیا کہ یہ زبان ہندوستان بھر میں رابطے کی زبان ہے اور علاقائی و غیر مہذب لوگوں کی زبان نہیں ہے۔ انہوں نے اردو زبان کو ''ہندوستانی'' زبان کا نام عطا کیا۔ اس زبان کے ادبی، عوامی اور اشرافیہ کے بول چال کے معیارات قائم کیے اور اس میں سادہ سلیس اسلوب کی کتب تحریر کرائیں۔ ان کی زیرِ نگرانی نثر کا ایسا ادبی روپ لکھا جانے شروع ہوا جو آج کی تاریخِ ادبِ اردو میں ''کلاسیک'' کے نام سے جلوہ فگن ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ گل کرسٹ نے تن تنہا اردو ادب کا معیار متعین کر کے ایک تحریک کی صورت میں اردو زبان و ادب کی آبیاری کی۔

گل کرسٹ نے اردو زبان کے تین معیارات قائم کیے۔ یہ معیارات بنانے کا مقصد اردو زبان کے تین درجے بنانا تھا تا کہ ان میں سے کمپنی کی حکمرانی کی ضروریات کے مقصد کے تحت ایسا درجہ منتخب کیا جائے جو نہ صرف کمپنی کے استعماری مقاصد کی تکمیل میں معاون ہو بلکہ یہ روپ اشرافیہ و عوام ہر دو طبقوں کے لیے قابلِ قبول اور قابلِ فہم ہو۔

پہلے درجے میں اردو کے مشہور کلاسیکی استاد شاعر مرزا رفیع سودا کی فارسی الفاظ وتراکیب سے آراستہ غزل کا اسلوب رکھا گیا جو کلاسیکی شاعری کے اسلوب ریختہ کا معیاری نمونہ تھا۔ دوسرے درجے میں مسکین کے مرثیے کی زبان جو کہ سادہ سلیس اور ادبی چاشنی کی حامل تھی اس کو رکھا گیا۔ اس درجے میں سودا کی ہجویہ نظموں اور سادہ اسلوب کی حامل نظموں کی زبان کو پیش کیا گیا۔ ان دونوں شعراء کی شاعری کے کثیر نمونے انہوں نے اپنی ''ہندوستانی گریمر'' کے صفحات پر جگہ جگہ بطور مثال پیش کیے تھے۔ تیسرا درجہ وہ عوامی بول چال کا روپ تھا جو ابھی غیر ترقی یافتہ صورت میں ہندوستان کے دیہاتی علاقوں میں بولا جا رہا تھا۔ دراصل یہ عوامی روپ وہ روپ تھا جسے گل کرسٹ سے پہلے کے مستشرق "Vulgar" روپ کے طور پر تحریر کرتے رہے۔

گل کرسٹ کی عطا یہ ہے کہ انہوں نے ان تینوں درجوں کو الگ الگ کرنے کے بعد اردو زبان کی تین مختلف سطحیں واضح کیں۔ ان میں پہلے درجے کی زبان کو اشرافیہ کی زبان سے تعبیر کیا اور یہ زبان دربار اور عدالت کی زبان کے درجے پر فائز کی۔ دوسرا درجہ جسے انہوں نے مسکین کے مرثیوں کی مثالوں سے ظاہر کیا تھا وہ درجہ گل کرسٹ کی نظر انتخاب میں آیا اور اس درجے کی تزئین وآرائش اور لب ولہجے وتلفظ کی نزاکتوں کی طرف انہوں نے توجہ کی۔ یہ وہ زبان تھی جسے انہوں نے انگریز حکمرانوں کی ''زبان حکمرانی'' کے طور پر پیش کیا۔ اس روپ کو برنارڈ ایس کوہن نے "Language of Command" کے تحقیقی نام سے اپنی کتاب میں پیش کیا۔ زبان کے اس روپ سے نہ صرف یہ کہ عوام وخواص مانوس تھے بلکہ اس زبان کو مستقبل میں حکمرانی کے مقصد کے تحت تیار کیا جانا تھا جس پر آگے چل کر فورٹ ولیم کالج میں تصنیف وتالیف کے نقطہ نظر سے عملاً لاگو کیا گیا۔ تیسرا درجہ جسے "Vulgar" یا غیر شائستہ روپ کے طور پر گل کرسٹ نے الگ کیا تھا دراصل وہ روپ تھا جس میں ابھی علاقائی وقصباتی محاورہ تلفظ شامل تھا جس کی وجہ سے ابھی اسے پختہ لسانی استقلال کے درجے تک پہنچنے میں دیر تھی۔ اس Vulgar روپ سے گل کرسٹ نے اپنے حکمران انگریزوں کو بچنے کی لیے تنبیہ کی تھی۔

یہ نقطہ پیش نظر رہے کہ گل کرسٹ اپنے انگریز حکمرانوں کو کس طرح کے Vulgar لہجے کی زبان بولنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ اب اگر انگریز حکمران ناسمجھی میں قصباتی وغیر پختہ روزمرہ ومحاورہ کی حامل زبان کے عادی ہو جاتے تو مقامی آبادی کے طنز وتضحیک کا نشانہ بن جاتے جو گل کرسٹ کو منظور نہ تھا۔ اس پہلو کو نہ سمجھتے ہوئے اردو نقادوں نے گل کرسٹ پر الزامات لگائے تھے کہ وہ اردو یا مسلمانوں کے خلاف تعصب رکھتے تھے، راقم کی نظر میں یہ تصور کلی طور پر ٹھیک نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب یوں ہے کہ جس طرز تخاطب کو ہندوستان میں موجود اشرافیہ غیر مہذب خیال کرتی ہو اور ان سے بچنے کی کوشش کرتی ہو، ایک غیر ملکی ماہر لسان ان کو اپنے ہم وطن حکمران ساتھیوں کے

لیے کس طرح روا رکھتا۔ گل کرسٹ کا انگریزوں کو اس
کی صلاحیت کو بہتر بنانے کی ایک کاوش تھی نہ کوئی مبنی بر تعصب رویہ تھا۔

فورٹ ولیم کالج کا قیام لارڈ ولزلی کا ایک تعلیمی منصوبہ تھا جو انہوں نے ڈائریکٹرز اجازت کے بغیر شروع کیا
تھا۔ اس کالج کے قیام کا عملی محرک جان گل کرسٹ کا مدرسہ 'Oriental Seminary' بنا۔ اگر گل کرسٹ دو سال کی
سخت محنت سے اس مدرسے کے قیام کے مقاصد کو کامیاب نہ بنا پاتے تو شائد لارڈ ولزلی فورٹ ولیم کالج نہ بنا پاتے۔
گل کرسٹ نے اس مدرسے کے پلیٹ فارم سے انگریزوں کے لیے اردو اور فارسی زبان کی تحصیل کے لیے ایسا
طریقہ تدریس اپنایا جس سے کالج کے طلباء نے مقامی زبان کی تحصیل و تدریس کو زیادہ سودمند پایا۔ گل کرسٹ کے
مدرسے کی کامیابی کے بعد جب ولزلی نے فورٹ ولیم کالج کا آغاز کیا تو گل کرسٹ کو ہندوستانی زبان کے شعبے کا
سربراہ بنایا۔

گل کرسٹ ایک معلم کے طور پر بھی اس سارے منظر نامے میں موجود رہے لیکن سوائے ڈاکٹر صدیق
الرحمان قدوائی کی کتاب "Gilchrist and the Language of Hindustan" کے کسی اور کتاب میں ان کی
تدریس کو خاص اہمیت نہیں دی گئی۔ گل کرسٹ نے ''اورینٹل سیمینری'' اور فورٹ ولیم کالج میں کیے گئے تدریس کے
تجربے سے اردو زبان کے تلفظ، رسم الخط، ذخیرہ الفاظ غرض بطور زبان جن جن گوشوں میں خامیاں محسوس کیں ان کو اپنی
کتب کے ہر نئے آنے والے ایڈیشن میں نہ صرف یہ کہ ختم کیا بلکہ ان اغلاط سے اپنی کتب کو پاک کیا۔ تدریسی
تجربے سے ان کو طالب علموں کی نفسیات تفہیم میں مسائل، ان کی مشکلات کو بغور دیکھنے کا موقع ملا۔ گل کرسٹ کی
قواعد اور مکالمات کو تفصیلاً دیکھا جائے تو ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انہوں نے جگہ جگہ مختلف کلاسیکی شعراء کی مثالوں
سے لے کر عام زندگی کی مثالوں سے ہر ہر نقطہ سمجھایا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے Pedagogy کے نقطہ نظر
کے تحت لسانی نوعیت کے کام انجام دیے جن پر اس انداز سے تحقیق کی جانی چاہیے۔ ایسا کرنے سے گل کرسٹ
کلاسیکی شاعری کے نمونوں کی بدولت اشرافیہ کی زبان سے بھی جڑے رہے اور عوامی بول چال کا پہلو بھی نظرانداز نہ
ہوا۔

اردو ادب کے ضمن میں گل کرسٹ کی کاوشوں سے دو صدی قبل، اردو ادب کو ایسے سادہ اور دلچسپ اسلوب کو
رواج ملا جس سے ادب کی ترویج و ترقی کی رفتار تیز ہوگئی۔ انگریز طالب علم اور افسروں کی زباندانی کو بہتر بنانے کے
لیے محض قواعد و لغات اور مکالمات و بول چال کے جملے ناکافی تھے زبان کی اصل مشق اور مہارت کے لیے اردو کا
نثری ادب ضروری تھا جو اس وقت تک بہت زیادہ توانا روایت کی صورت میں نہیں ملتا تھا۔ گل کرسٹ کی اس پہلو پر

نظر پڑی تو یہ کمی ایک بڑا خلا بن کر ان کے سامنے آئی۔ جس طرح یوپی کے علاقوں میں گل کرسٹ کو اردو زبان سے متعلق کسی مقامی ادیب کی لکھی گئی کوئی لغت و قواعد نہیں ملی تھی بالکل اسی طرح ادبی نثر پاروں کی دستیابی کے معاملے میں بھی انہیں اس قسم کی صورتحال سے دو چار ہونا پڑا۔ اردو ادب کے تخلیقی نثری سرمائے میں گو کچھ داستانیں موجود تھیں لیکن ان داستانوں کی اٹھارہویں صدی میں عام دستیابی نہ تھی دوسرا یہ داستانیں سوائے ایک دو کے اس سادہ سلیس اور مقامی محاورے کے مطابق اسلوب کے نمونے پیش کرنے سے قاصر تھیں جو گل کرسٹ کا مقصود تھا۔ لغت و قواعد کی کمی تو انہوں نے اپنی کتب سے پوری کر لی تھی لیکن تخلیقی نثر کی کتب اور وہ بھی وافر مقدار کی کتب کی تخلیق کس فرد واحد کا کام نہ تھا۔

تدریسی مقاصد کے لیے اردو کے نثری ادب پارے کی تحریر اور ترجمے کے لیے انہوں نے مقامی ادیبوں کو مختلف معاوضوں پر ملازمت کے مواقع فراہم کیے۔ ان سے سادہ سلیس، عربی و فارسی ثقیل تراکیب سے مبرا آسان اسلوب میں فارسی و دیگر زبان کی کتب کو ترجمہ کرنے کا کام دیا۔ ایسا کرنے سے ایک طرف درجنوں مقامی ہندو مسلم ادیبوں کو روزگار میسر آیا جس کا اس دور میں فقدان تھا' دوسرا ان کی کاوشوں سے اردو نثر کا جدید اسلوب تحریر کی زینت بنا۔ باغ و بہار فارسی قصہ چہار درویش کا محض اردو ترجمہ نہ تھا بلکہ اس کتاب کا اسلوب عہد جدید کے اسلوب کا نقیب ثابت ہوا۔ نقادان ادب گل کرسٹ پر اعتراض کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ ان کے پیش نظر صرف کمپنی بہادر کی لسانی ضروریات تھیں جن کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے اردو نثر کی کتب لکھوائیں۔ ان کتب سے بالواسطہ طور پر اردو ادب کی جو خدمت ہوئی اس کی اہمیت کو تسلیم نہ کیا جانا قرین انصاف نہیں۔ گل کرسٹ کی اس لسانی خدمت کا جواز یہ بھی ہے کہ انہوں نے یہ کام اردو سے محبت کی وجہ سے کیا تھا۔

وہ ساری زندگی اردو زبان سے محبت کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۰۴ء میں استعفیٰ دے کر جب وہ انگلینڈ تشریف لے گئے تب بھی وہ اردو زبان کی تدریس و تالیف میں مصروف رہے۔ اردو ادب سے ان کی محبت کو اس طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اوائل عمری میں انگریزی زبان میں شاعری بھی کرتے رہے تھے۔ ہندوستان آمد سے قبل انہوں نے جس انداز کی شاعری کی تھی ان کے مطالعے سے ایک نوجوان شاعر کے لب و لہجے اور ادبی مقام و مرتبہ کے بارے میں پیش گوئی کی جا سکتی ہے لیکن یہ الگ بات کہ ہندوستان آنے کے بعد وہ انگریزی شاعری کا مشغلہ جاری نہ رکھ سکے۔ البتہ شاعری سے ناطہ ولیم شیکسپیئر اور مرزا رفیع سودا سے ساری عمر رہا۔

دیگر لسانی خدمات کا جائزہ لینے سے کچھ اور زاویے بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان میں ایک زاویہ یہ ہے کہ گل کرسٹ نے میر تقی میر جیسے بڑے کلاسیکی شاعر کو بھی فورٹ ولیم کالج آنے کی دعوت دی تھی جو میر نے قبول

نہیں کی۔ البتہ اسی کالج نے ...

مطالعے سے انہوں نے زبان کا اعلیٰ روپ سیکھا تھا اور ان ...

ان کی تفصیل ان کی ''ہندوستانی گریمر'' کے آخری صفحات پر موجود ہے۔

لغت نویسی کے میدان میں ''انگریزی ہندوستانی ڈکشنری'' ان کا سب سے اہم لسانی کارنامہ ہے

کتاب کو دو حصوں میں شائع کیا گیا تھا جن کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہے۔ اس عہد میں جبکہ اردو زبان
کی کوئی اہم لغت مقامی فرد نے مرتب نہ کی تھی گلکرسٹ نے برسوں کی محنت وشاقہ سے ناقابل یقین کارنامے کی
صورت میں یہ لغت مرتب کر کے نہ صرف مستشرقین کی صف میں اپنا نام نمایاں کیا بلکہ اردو زبان کی ایک دستاویز کو
صفحات میں محفوظ کر دیا۔ ان کی لغت کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے لغت کے اندراجات کو اشرافیہ
سے لے کر عوامی بول چال کے الفاظ و جملوں کی صورت میں ترتیب دیا تھا۔ یہاں کلاسیکی شعراء کی زبان بھی محفوظ ہے
اور عوامی قصباتی محاورے کی حامل زبان بھی۔ دراصل اس لغت کے کامیاب تجربے نے ہی گل کرسٹ کو ''ہندوستانی
فلالوجی'' کے سلسلے کی باقی کتب کی طرف متحرک کیا تھا۔ اگر یہ لغت کامیاب نہ ہوتی تو شائد گل کرسٹ کسی اگلے لسانی
منصوبے کی طرف مائل نہ ہوتے۔

جان گل کرسٹ کی لسانی کاوشوں کے طفیل اردو زبان کے ساتھ ساتھ نثر میں اتنے امکانات ظاہر ہو چکے
تھے جن کی موجودگی سے اردو زبان کو ایک مکمل زبان کے درجے پر متمکن دیکھا جا سکتا تھا۔ عوامی سطح پر اردو زبان ملک
بھر میں رابطے کی زبان کے طور پر موجود تھی۔ اٹھارہویں صدی کے کلاسیکی شعراء کی وجہ سے شعری سرمایہ بھی اس کے
معیاری زبان ہونے کی دلیل فراہم کرتا تھا لیکن کارِ سرکار کی انجام دہی کے لیے نثری سرمایہ اور اسلوب ضروری تھا۔
گل کرسٹ اور ان کے رفقاء کی مساعی سے فورٹ ولیم کالج سے سیکڑوں نثری کتب مختلف موضوعات پر ترجمہ و تخلیق
ہوئیں۔ ان نثری کتب سے دفتری و سرکاری مراسلت کے لیے ضرورت کا ذخیرۂ الفاظ بڑھتا گیا چنانچہ ۱۸۳۲ء میں
بنگال کے علاقوں میں اردو کو بطور سرکاری زبان لاگو کر دیا گیا تھا۔ اردو نثری زبان بنانے کے لیے گل کرسٹ کی
کاوشیں ناقابل فراموش رہیں گے۔

حاصلِ مطالعہ وسفارشات

اس مقالے میں جان گل کرسٹ کی لسانی وادبی خدمات کا ممکنہ حد تک جائزہ پیش کیا گیا ہے، جس کے مطالعے سے اردو زبان وادب کے قاری کے سامنے گل کرسٹ کی لسانی خدمات کے چند ایسے گوشے بھی بے نقاب ہوں گے جن پر اس سے قبل خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ مقالے میں پیش کیے گئے اہم نکات کا مختصراً جائزہ لیں تو ان کو درج ذیل الفاظ میں سمیٹا جا سکتا ہے۔

- اردو زبان کے آغاز بارے میں چند امور راقم کے مطالعے میں آئے ہیں جن پر اس سے قبل نہ کسی محقق نے غور کیا ہے اور نہ ہی اردو زبان کی تاریخی کتب میں کہیں تحریر ہوا ہے کہ گل کرسٹ نے ۱۷۸۶ء میں لغت کے دیباچے میں اردو کے آغاز کے بارے میں اہم تصور پیش کیا تھا۔ گل کرسٹ نے رائے پیش کی کہ ہندوستان کی کئی زبانیں برج بھاشا سے نکلی ہیں، اسی طرح اردو کے آغاز کا تعلق بھی برج بھاشا سے جڑتا ہے، جس پر تحقیق کی جانی چاہیے۔ اس دور میں ان کی لسانی تحقیق زیادہ پختہ نہ تھی اور ہندوستان میں قیام بھی زیادہ پرانا نہ ہوا تھا چنانچہ یہ کام بعد کے لیے مؤخر کر دیا گیا تھا لیکن بعد میں اس طرف ان کی توجہ نہ ہو سکی۔ لسانی تاریخ میں اردو زبان کے آغاز کا تعلق برج بھاشا سے جوڑنے کا نظریہ مولانا محمد حسین آزاد سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن مولانا سے منسوب یہ اہم تصور ان سے تقریباً ایک صدی قبل جان گل کرسٹ اپنی لغت کے دیباچے میں پیش کر گئے تھے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جس طرح ہندوستان کی اہم زبانیں بنگالی، پوربی، راجپوتی وغیرہ برج بھاشا سے نکلی ہیں اسی طرح ہندوستانی زبان بھی برج بھاشا سے نکلی ہے جو آگے چل کر ہندوستانی، دکھنی، پنجابی اور پوربی کے روپ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ نظریہ سنجیدہ لسانی تحقیق کا منتظر ہے۔

- اس مقالے میں یہ اہم تحقیق بھی پیش کی ہے کہ اردو زبان پر ''علم عروض'' کے مباحث تحریر کرنے والے پہلے ادیب کا نام جان گل کرسٹ ہے۔ ان سے قبل نہ تو کسی مستشرق نے یہ مباحث اپنی قواعد ولغت کا حصہ بنائے تھے نہ ہی کسی مشرقی ادیب نے ایسی کوئی کتاب یا رسالہ مرتب یا تحریر کیا تھا جن کی مدد سے عروض و تقطیع کے تکنیکی امور کو سمجھا جا سکتا۔ اس میدان میں اولیت کا اعزاز جان گل کرسٹ کو حاصل ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ علم عروض اور تقطیع کے اصولوں کے ساتھ مختلف بحروں کا تعارف ''ہندوستانی گریمر'' میں شامل کیا ہے بلکہ تقطیع کے اصولوں کو عملی طور پر سمجھانے کے لیے مرزا رفیع سودا کی شاعری کے نمونوں کو اردو

[illegible] رسم الخط اور اردو ... میں دیا ... اردو انگریزی لغت کے سلسلے میں ... مقالے کے توسط سے ان کی نشاندہی بھی کی جارہی ہے تاکہ ... رہنمائی کی جاسکے۔

○ ماقبل نوآبادیاتی عہد میں مستشرقین (Orientalists) کی بڑی تعداد ہندوستان کا رُخ کرتی ہے۔ عوامی رابطے کی زبان اردو پر مختلف انداز سے قواعد ولغت اور مکالمات پر مبنی کتب مرتب کرتی ہے۔ باب نمبر ایک میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جان جوشوا کیٹلر، بینجمن شلز، جارج ہیڈلے جیسے مستشرقین نے اردو زبان کی قواعد ولغات کی کتب مرتب کیں۔ تینوں کے محرکات الگ تھے۔ کیٹلر نے تجارتی مقاصد کے تحت گریمر لکھی۔ شلز نے عیسائی تبلیغی مشن کے مقاصد کے تحت گریمر مرتب کی۔ ہیڈلے نے بھی انگریزوں کے تجارتی مقاصد کو پیش نظر رکھا۔ البتہ جان گل کرسٹ نے پہلی مرتبہ کمپنی کے مقاصد کو بھانپتے ہوئے قواعد ولغت کی ترتیب میں حکمرانی کی زبان (Language of command) تشکیل کو اپنے لسانی منصوبے کا حصہ بنایا۔

○ مستشرقین کے مختصر مطالعے سے مستقبل کے محققین کو ایک راہ دکھائی گئی ہے کہ وہ ان مستشرقین کی علمی و لسانی خدمات کو سمجھتے ہوئے ان پر ڈاکٹریٹ کی سطح کا تحقیقی کام پیش کریں، کیونکہ ابھی تک ان افراد پر انفرادی سطح پر کوئی کام اردو میں قلمبند نہیں ہوا۔

○ جان گل کرسٹ کی حیات اور ادبی ولسانی حیات پر اس تحقیقی مقالے سے قبل جو معلومات تواریخ ادب میں پیش کی جاتی ہیں ان میں چند نام موجود تھے۔ ان میں ایک تو یہ کہ گل کرسٹ کے حالات زندگی کے بارے میں کوئی قابل ذکر معلومات نہیں ملتیں، دوسرا یہ کہ کسی بھی جگہ گل کرسٹ کی کتب کے مکمل نام تک موجود نہیں ہیں۔ زیادہ تر معلومات اِدھر اُدھر سے غیر ذمہ دارانہ طور پر اکٹھی کر کے ریکارڈ کا حصہ بنا دی گئی ہیں۔ ایک اور بڑی خامی یہ بھی سامنے آتی ہے کہ ان کتب میں گل کرسٹ کی کتابوں کے عنوانات اور نام تک اردو زبان (ترجمہ) میں پیش کیے گئے ہیں جس سے اردو کے طالب کو غلط ہوتی ہے کہ شائد انہوں نے یہ کتب اردو میں لکھے ہوں۔ مزید یہ کہ کتب کے اندر کیا کیا مشمولات ہیں، ان پر بھی کسی جگہ جامع انداز سے روشنی نہیں ڈالی گئی۔ اس مقالے میں راقم نے گل کرسٹ کے اصل نام (John Hay) اور ان کی شخصیت کے حوالے سے ممکنہ معلومات پیش کی ہیں جو اس سے قبل اردو تواریخِ ادب کا حصہ نہیں تھی۔

- ایک اہم پیش رفت یہ ہوئی ہے کہ راقم نے گل کرسٹ کی تمام کتب کو تلاش کر کے ان کا مطالعہ کیا ہے اور ان میں جس انداز سے بھی کوئی اہم کام نظر آیا ہے اس کی نشان دہی کی ہے تا کہ مستقبل کے محقق اور مورخ کے سامنے گل کرسٹ کی کتب کے تمام پہلو سامنے ہوں۔
- ۱۸۰۴ء میں گل کرسٹ استعفیٰ دے کر انگلستان واپس چلے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی وفات (۱۸۴۱ء) تک جو جو کارہائے نمایاں انجام دیے اس سلسلے میں بھی تسلی بخش مواد اس مقالے سے قبل موجود نہیں تھا۔ باب نمبر ۳ میں گل کرسٹ کی حیات و خدمات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے چیدہ چیدہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس حصے میں ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز ان کی کتب کا اجمالی جائزہ بھی ان صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔

باب سوم میں جان گل کرسٹ کی لغت نویسی کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جائزے سے قبل ان اصول و لوازمات کی تفصیل باب کا حصہ بنائی گئی ہے جو کسی بھی زبان کے لغت کی ترتیب و تدوین کے لیے پیش نظر رکھے جانے ضروری خیال کیے جاتے ہیں۔ اس باب میں اردو لغت نویسی کی روایت کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے اور ان سے نمونے کی معلومات اخذ کی گئی ہیں تا کہ آگے چل کر جان گل کرسٹ کی لغت نویسی کی انفرادیت کا یقین کیا جا سکے۔ گل کرسٹ کی ''انگریزی ہندوستانی لغت'' کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے ان امور کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے کہ ان کی لغت کی ترتیب کے اصول کیا تھے۔ لغت میں الفاظ و مترادفات کے اندراج میں کیا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ ذخیرہ الفاظ کی نوعیتیں کیا تھیں۔ ذخیرۂ الفاظ کو کتاب کا حصہ بناتے ہوئے ان کو کیا کیا دشواریاں پیش آئیں اور کیا کیا تسامحات ان سے سرزد ہوئے۔

اس باب میں اہم بات یہ رہی کہ گل کرسٹ کی لغت جو کہ ۱۷۸۶ء اور ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی اس کے بعد لغات کے بکھرے بکھرے حصے دوسری کتب کا حصہ بھی بنائے گئے تو ان میں Oriental Linguist (1798)' The Anti Jargonist (1800)' East India Guide... (1802)' Hindi, Moral Preceptor (1803) اور Hindoostanee Philology میں درج لغت کے مختلف حصوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ان حصوں کا لغت کے ساتھ تقابل کر کے نتائج اخذ کیے گئے ہیں کہ ان میں کس حد تک مماثلتیں ہیں اور کس حد تک اختلافات۔ اس حصے کے مطالعے سے مستقبل کے محقق کے لیے یہ رہنمائی دی جا سکتی ہے کہ وہ گل کرسٹ کی لغت کے مختلف کتب میں بکھرے ہوئے اجزاء کو

نئے سرے سے علیحدہ مرتب بھی کر سکتا ہے، نیز ان کے تقابلی جائزے سے تحقیق کے میدان میں نئی نئی جہات سامنے لائی جا سکتی ہیں۔ اس باب میں گل کرسٹ کی لغت نویسی کے اندراجات پر اردو نقادوں کے لگائے جانے والے مختلف الزامات کا جائزہ لے کر حقائق کی روشنی میں ان کا معروضی تجزیہ پیش کیا گیا ہے جو اس سے قبل موجود نہ تھا۔ گل کرسٹ کی لغت کے منتشر مواد کی نشان دہی کرنا اس باب کی اہم خاصیت ہے۔

o باب چہارم میں جان گل کرسٹ کی قواعد نویسی پر سیر حاصل تبصرہ موجود ہے۔ اس مقالے سے قبل اردو میں اس قسم کی معلومات راقم کی نظر سے نہیں گزری۔ اس باب میں ان کی قواعد نویسی کی اہمیت، خصوصیت کا جائزہ لیتے ہوئے اہم امر کی طرف اردو دنیا کی توجہ دلائی گئی ہے کہ گل کرسٹ اردو قواعد نویسی کی ذیل میں وہ پہلے قواعد نویس ہیں جنہوں نے اردو زبان کے قواعد کو سائنسی انداز سے مرتب کیا ہے۔ پہلی مرتبہ انہوں نے اردو قواعد کو اجزائے کلام (Parts of Speech) کی بنیاد پر مرتب کیا ہے۔ یہ طریقہ ان سے قبل موجود نہیں تھا۔ بعد میں اردو قواعد نویس اس طریقے سے ناواقفیت کی بناء پر کلمے کی سہ درجی تقسیم (اسم فعل حرف) کی بنیاد پر اردو قواعد مرتب کرتے رہے۔ گل کرسٹ کی اجزائے کلام کے فارمولے کے مطابق قواعد مرتب کرنے کے طریقے کی پیروی آگے چل کر بابو کاہن سنگھ کے قواعد اڑدو (۱۸۶۷ء) میں کی۔ ان کے بعد مولوی اسماعیل میرٹھی نے قواعد اردو (۱۹۰۴ء) اور ان کے بعد اردو کے معروف قواعد نویس مولوی عبدالحق نے ۱۹۱۴ء میں اپنی کتاب ''قواعدِ اردو'' کی ترتیب کرتے ہوئے اپنائی۔ ان صفحات میں گل کرسٹ کی انفرادیت کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ اردو قواعد نویسی کی تاریخ و روایت میں یہ تحقیق شامل کی جارہی ہے کہ مولوی عبدالحق وہ پہلے فرد نہ تھے جنہوں نے اردو قواعد کو اجزائے کلام کی بنیاد پر مرتب کیا بلکہ یہ طریقہ کار سب سے پہلے گل کرسٹ نے اپنی قواعد میں استعمال کیا تھا جو بعد میں اردو قواعد نویسوں نے اپنایا۔

o باب نمبر ۶ میں جان گل کرسٹ کی تمام خدمات کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے اردو زبان و ادب کے میدان میں ان کے مقام و مرتبہ کے تعین کی سعی کی گئی ہے۔ اس باب کے مطالعے سے ان تمام نکات کا بیان بطریقِ احسن موجود ہے جو پورے تحقیقی مقالے کا حصہ بنے۔

گل کرسٹ نے اپنی لگن اور کوششوں سے فورٹ ولیم کالج کونسل سے کتب کے اخراجات کے بدلے ''ہندوستانی پریس'' لے لیا تھا جس سے ان کے تصنیف و تالیف کے منصوبوں کی اشاعت کے مسائل مستقلاً حل ہو گئے۔ اس پریس سے بڑی اہم کتب انہوں نے شائع کیں۔ کلاسیکی نثری ادب کی بڑی کتب جن میں باغ و بہار، سنگھاسن بتیسی، شکنتلا ناٹک، اخلاق ہندی، مثنوی میر حسن اور دیگر کتب گل کرسٹ کے اس پریس کی بدولت شائع

ہوئیں وگرنہ کالج کونسل ان کتب کو شائع ہونے کی اجازت نہ دیتی۔ ان کتب میں زیادہ تر کتب کو مختلف زبانوں سے تراجم کر کے اردو نثر کا حصہ بنایا گیا تھا۔ ان تراجم سے گل کرسٹ نے اس مفروضے کو سچ کر دکھایا کہ بول چال کی زبان میں بھی اعلیٰ پائے کی نثر تحریر کی جاسکتی ہے' داستانوں کے تراجم نے انیسویں صدی کے نثری سرمائے کو خوبصورت اسلوب عطا کیا۔ گل کرسٹ کی ایک لسانی کاوش یہ بھی ہے کہ ان کی کاوشوں سے پہلی مرتبہ ہندوستان میں اردو تراجم کا کام منظم اور سائنسی بنیادوں پر وقوع پذیر ہوا۔ اس ترجمے نے اردو نثر کو باغ و بہار کی شکل میں تخلیقی نثر کی رفعتوں سے ہمکنار کیا۔ جب تک باغ و بہار اور اس کا خوبصورت اسلوب باقی ہے' تب تک گل کرسٹ کا نام زندہ رہے گا۔ اس کے علاوہ قواعد و لغت' مکالمات' تراجم اور دیگر لسانی نوعیت کی کتب کی تالیف کا کام اردو لسانیات کے میدان میں جان گل کرسٹ کے نام کو جلی حروف میں نمایاں رکھے گا۔ ان کی کاوشوں کو میر تقی میر کے اس شعر سے خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

کتابیات

ڈاکٹر جان بورتھوک گل کرسٹ کی کتب (بنیادی ماخذات)

Gilchrist, John Borthwick, A Dictionary, English and Hindoostanee, in which the words are marked with their distinguishing initials, as Hinduwee, Arabic, and Persian, Part 1, Stuart and Cooper, Calcutta. 1786

A Dictionary, English and Hindoostanee, in which the words are marked with their distinguishingintials, as Hinduwee, Arabic, and Persian, Part 2, Stuart and Cooper, Calcutta. 1790

A Grammar of the Hindoostanee Language; or, Part Third of Volume first, of a System of Hindoostanee Philology, Calcutta: Chronicle Press, Calcutta, 1796

The Oriental Linguist, An Easy and Familiar Introduction to the Hindoostanee or Grand Popular Language of Hindoostan, Ferris Post Press Calcutta, 2nd Edn., 1802.

The Anti-Jargonist; or, A Short Introduction to the Hindoostanee Language, (vulgarly but erroneously called the Moors,) comprizing the rudiments of that tongue, with an Extensive Vocabulory English and Hindoostanee and Hindoostanee and English, Ferris & Co., Calcutta, 1800

A New Theory and Prospectus of the Persian Verbs, with their Hindoostanee Synonimes in Persian and English Hollingery, Calcutta, 1801

The Stranger's East India Guide to the Hindoostanee; or Grand Popular Language of India (Improperly Called Moors), Black, Parry and Kingsbury printer London, 2nd edn. 1808

The Hindee Story-Teller; or, Entertaining Expositor of the Roman, Persian, and Nagree characters in their Application to the Hindoostanee Language, as a

Written and Literary Vehicle, Hindoostanee Press, Calcutta, 1802

Hindee Moral Preceptor, or The Rudimental Principles of Persian Grammar, as the Hindoostanee scholars shortest road to the Persian Language part-1, Black Kingsburry, Parburry and Allen, 2nd edn., 1821

The Oriental fabulist; or, Polyglot Translations of Esop's and Other Ancient Fables from the English Language into Hindoostanee, Persian, Arabic, Brij Bhakha, Bongla, and Sunskrit, in the Roman character by Various Hands, under the Direction of John Gilchrist, Hurkaru Press, Calcutta, 1803

The Hindee-Roman Orthoepigraphical Ultimatum; or, A Systematic View of Oriental and occidental Visible sounds on fixed and Practical Principles for the Languages of the East, Exemplified in the Popular Story of Sakoontula Natuk, 2ndedn. 1820, Hindoostanee Press, Calcutta, 1804

The British Indian Monitor; or, the Anti-Jargonist, Stranger's Guide, Oriental Linguist, and Various Other Works, compressed into a Series of Portable Volumes on the Hindoostanee Language, improperly called Moors; with Considerable Information respecting Eastern Tongues, Manners, customs, etc., 2nd vols., Edinburgh: Manners & Miller, Constable, and Balck & Parry, 1806

Parliamentary Reform, on Constitutional Principles; or, British Loyalty against Continental Royalty, the Whole Host of Sacerdotal Inquisitors in Europe, and Every Iniquitous Judge, Corrupt Ruler, Venal Corporation, Rotten Borough, Slavish Editor, or containing a Full Account of the Battle with the Books between a Belle and Dragon, by a Radical Admirer of the Great Sir William Jones's Civil, Religious, and Political Creed, The Author, London, 1815

A Succinet Narrative of Dr. Gilchrist's Services from 1782 to 1821, N.P. Lodon, 1821

The General East India Guide and Vade Mecum, for the Public Functionary, Government Officer, Private Agent, Trader or Foreign Sojouner, in British India,

and the adjacent Parts of Asia, being a Digest of the Work of the late Capt. Williamson by J. B. Gilchrist with Improvements and Additions, Kingsbury, Parbury&Allen, London, 1825.

The Orienti-Occidental Tuitionary Pioneer to Literary Pursuits, by the Kings's and company's Officers of all Ranks, Capacities, and Departments, either as Probationers at Scholastic Establishments, during the Early Periods of Life, their Outward Voyage to the East, or while actually Serving in British India; A complete Regular Series of Fourteen Reports earnestly Recommending also the General Intorduction , and Efficient Culture immediately, of Practical Orientalism, simultaneously with Useful occident Learning at all the Colleges, Respectable Institutions, Schools, or Academies, in the United Kingdom' A Brief Prospectus of the Art of Thinking made Easy and Attrative to Children, by the Early and Familiar Union of Lists, &c., besides a Comprehensive Panglossal Diorama for a Universal language and Character; A Perfectly New Theory of Latin Verbs, N.P., London, 1826

A Practical Appeal to the Public, through a Series of Letters, in Defence of the New System of Physic by the Illustrious Hahnemann, Letter the First, Parbury & Allen, London, 1833

Poems of Dr. Gilchrist, edited by Ebadat Brelvi, University Oriental College, Lahore, 1977

قواعد زبان اردو، مشہور بہ رسالہ گل کرسٹ، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۸ء

ثانوی ماخذات

آرزوؔ سراج الدین علی خان' نوادر الالفاظ مع غرائب اللغات' مرتبہ : ڈاکٹر سید عبداللہ' انجمن ترقی اردو پاکستان' کراچی' اشاعت اول' ۱۹۵۱ء

ابواللیث صدیقی' ڈاکٹر' جامع القواعد (حصہ صرف)' اردو سائنس بورڈ' لاہور' طبع دوم' ۲۰۰۴ء

ابوسلمان شاہجہانپوری' ڈاکٹر' کتابیات قواعد اردو' مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد' اول' ۱۹۸۵ء

ابوسلمان شاہجہانپوری' ڈاکٹر' کتابیات لغات اردو' مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد' اول' ۱۹۸۶ء

اثر لکھنوی' جعفر علی خان' کتب لغت کا لسانی جائزہ' جلد چہارم' مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد' ۱۹۸۷

احتشام حسین' (مترجم) ہندوستانی لسانیات کا خاکہ' ادبی دانش محل' لکھنؤ' ۱۹۴۸ء

انشاءاللہ خان' دریائے لطافت' (مترجم دتاتریہ کیفی' مرتبہ مولوی عبدالحق)' انجمن ترقی اردو پاکستان' کراچی' ۱۹۸۸ء

انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان' کراچی' ہفتم' ۲۰۱۳ء

بنجمن شلزے' ہندوستانی گرامر (ترجمہ: ابواللیث صدیقی)' مجلس ترقی ادب' لاہور' ۱۹۷۷ء

بہادر علی حسینی میر' نقلیات' (ترتیب وحواشی پروفیسر سید وقار عظیم)' مجلس ترقی ادب' لاہور' ۱۹۶۶ء

بہادر علی حسینی میر' قواعد اردو' مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی' مجلس ترقی ادب' لاہور' ۲۰۰۸ء

تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور' ۲۰۰۳ء

جابر علی سید' کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ' مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد' ۱۹۸۴ء

جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب لاہور، جلد سوم' اشاعت اول' ۲۰۰۶ء

جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب لاہور، جلد دوم' اشاعت پنجم' ۲۰۰۷ء

خلیل احمد بیگ، مرزا، ڈاکٹر، اردو کی لسانی تشکیل، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، طبع دوم، ۲۰۰۹ء

خلیل الرحمان داؤدی (مرتب) قواعدِ زبان اردو مشہور بہ رسالہ گل کرسٹ مجلس ترقی ادب لاہور طبع دوم ۲۰۰۸ء

خلیل صدیقی، پروفیسر زبان کیا ہے، بیکن بکس، ملتان ۱۹۸۹ء

خلیل صدیقی، پروفیسر لسانی مباحث، زمرد پبلی کیشنز، کوئٹہ ۱۹۹۱ء

رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، مرزا محمد عسکری (مترجم) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۲ء

رضیہ نور محمد، ڈاکٹر، مس، اردو زبان وادب میں مستشرقین کی علمی وادبی خدمات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، لائن آرٹ
پرنٹرز، لاہور، پہلا ایڈیشن ۱۹۸۵ء

رؤف پاریکھ، ڈاکٹر (مرتب) اردو لغت نویسی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۲۰۱۰ء

سلیم اختر، ڈاکٹر اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، چھبیسواں ایڈیشن ۲۰۱۲ء

سلیم الدین قریشی، اٹھارہویں صدی کی اردو مطبوعات (توضیحی فہرست)، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۳ء

سمیع اللہ، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج۔ایک مطالعہ، نشاط آفسٹ پریس، ٹانڈہ، فیض آباد (انڈیا) ۱۹۸۹ء

سید عبداللہ، ڈاکٹر (مرتب) غرائب اللغات، مشمولہ: نوادر الالفاظ، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۵۱ء

عبدالحق، مولوی، قواعد اردو، انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۱ء

عبدالحق (مرتب) دیوان زادہ، شیخ ظہور الدین حاتم، نیشنل مشن فار مینسکرپٹ، نئی دہلی ۲۰۱۱ء

عبیدہ بیگم، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، نصرت پبلشرز، لکھنؤ ۱۹۸۳ء

عتیق صدیقی، محمد، گل کرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ ۱۹۶۰ء

عین الحق فریدکوٹی، اردو زبان کی قدیم تاریخ، ارسلان پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۲ء

غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر (مرتب) دیوان زادہ، مجلس ترقی ادب، لاہور ۲۰۰۹ء

غلام مصطفٰے خان، ڈاکٹر، جامع القواعد (حصہ نحو) مرکزی اردو بورڈ، کراچی ۱۹۷۳ء

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو املا اور رسم الخط، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۷ء

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ہندی اردو تنازع (ہندو مسلم سیاست کی روشنی میں)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۷۷ء

گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، تپش نامہ تمنا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء

گیان چند جین، پروفیسر، عام لسانیات، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۳ء

گیان چند جین، ایک بھاشا دو لکھاوٹ دو ادب، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، نمبر ۶، ۲۰۰۵ء

محی الدین قادری زور، ہندوستانی لسانیات، مکتبہ معین الادب، لاہور، طبع سوم، ۱۹۶۱ء

مسعود حسین خان، ڈاکٹر، مقدمہ تاریخ زبان اردو، آزاد کتاب گھر، دہلی، ۱۹۵۴ء

مسعود ہاشمی، ڈاکٹر، اردو لغت کا تنقیدی جائزہ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء

نادم سیتاپوری، فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی، ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ، ۱۹۵۹ء

ناصر عباس نیر، مابعد نوآبادیات، اردو کے تناظر میں، آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء

نصیر احمد خان، ڈاکٹر، اردو لسانیات، اردو محل پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۹۰ء

نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

وقار عظیم، سید، پروفیسر، فورٹ ولیم کالج، تحریک اور تاریخ، مرتبہ: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء

English Sources

Hadley, George, Grammatical Remarks on the Pratical and Vulgar Dialect of the Indostan Language, commonly called Moors, with a vacoublary English and Persian, London 1772

Hadley, George,"A compendious grammar of the current corrupt dielct of the Jargon of Hindostan, (commonly called Moors), with a vocabulary English and Moors, Moors and English, with reference between words resembling each other in sound and different in signification and literal translation of the compunded words and the circumlocatory expressions and Manners of Bengal, for the use of Bengal and Bombay establishments. at Arabic and Persian press 1801".

Hadley, George,"Grammatical Remarks on the practical and vulgar dialect of Iindostan Language, commonly called Moors, with a vocabulary, English and Moors, the spelling according to persian orthography, wherein are references between words resembling each other in sound and difference in their signification, with literal translations and explanations for the compounded words and circumlocutory expressions for the more easy attaining the idiom of the language. The whole claculated for the common practice in Bengal London, printed for T. Cadell Lebedeff Geracim," A grammar of the pure and mixed East Indian Dialects,: with dialogues afffixed... arranged in clacutta,... according to Brahmenian system, of the Shamscrit language.in the strand, . London 1772".

Lebedeff, Heracim, A Grammar of the pure and mixed East Indian Dialects, printed by J.Skirven London, 1801

M. Atiq Saddiqi, Origins of modern Hindustani Literature, Naya Kitab Ghar, Ali Garh, 1962

Richard Steadman Jones, Colonialism and grammatical representation: Blackwell Publishing ltd, Oxford U.K,2007

Sadiq-ur-Rehman Kidwai, Gilchrist and the 'Language of Hindoostan' Rachna Parkashan New Delhi, 1972

Tej K. Bhatiya, A History of the Hindi Grammatical Tradition, E.J. Brill, Leiden, the Netherland, 987

رسائل و جرائد

رشید حسن خان، گل کرسٹ کا نظام املا، مطبوعہ کتاب نما، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، جلد ۳۰، شمارہ نمبر ۵، اگست ۱۹۹۰ء

غلام عباس گوندل، ڈاکٹر، کیلاگ کی قواعد : کچھ نئی دریافتیں، مشمولہ معیار (تحقیق و تنقید مجلّہ)، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد، پاکستان، شمارہ نمبر ۸

معین الدین عقیل، ڈاکٹر، اردو زبان کی اولین قواعد کا قضیہ، مطبوعہ بنیاد (ادبی مجلّہ)، لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز لاہور، پاکستان، شمارہ نمبر ۱، جلد سوم، ۲۰۱۲ء

نجیبہ عارف ڈاکٹر، اردو زبان و ادب کی تاریخ نویسی۔۔۔، مطبوعہ دریافت (تحقیقی مجلّہ)، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، شمارہ نمبر ۸، جنوری ۲۰۰۹ء

ہارون قادر، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج، تاریخ کے آئینے میں، مطبوعہ: تخلیقی ادب، (تحقیقی مجلّہ) NUML اسلام آباد، شمارہ نمبر ۸، ۲۰۱۱ء

لغات

جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو ڈکشنری، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، طبع ششم، ۲۰۰۶ء

سید احمد دہلوی' فرہنگ آصفیہ' مرکزی اردو بورڈ' لاہور' ۱۹۷۰ء

شان الحق حقی' آکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری' آکسفرڈ یونیورسٹی پریس' کراچی' طبع پنجم' ۲۰۰۶ء

عبدالحق' مولوی' لغت کبیر' جلد دوم' (حصہ اول)' انجمن ترقی اردو کراچی' پاکستان' ۱۹۷۷ء

فیروز الدین' فیروز اللغات' لاہور' فیروز سنز' کراچی' ۱۹۷۵ء

فیلن' ایس۔ڈبلیو' نیو ہندوستانی انگلش ڈکشنری' اردو سائنس بورڈ' لاہور' ۱۹۸۶ء

نور الحسن نیر' کاکوروی' نور اللغات' نیشنل بک فاؤنڈیشن' پاکستان' ۱۹۷۶ء

اردو لغت (تاریخی اصولوں پر)' اردو لغت بورڈ' کراچی' ۱۹۹۲ء

غیر مطبوعہ تحقیقی مقالات

نعمت الحق' ڈاکٹر' اردو لسانیات (تاریخ و تنقید کی روشنی میں)' مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی' شعبہ اردو' بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان' ۱۹۹۵ء

زبیر خالد' ڈاکٹر' اردو عروض۔ارتقائی مطالعہ' مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی' شعبہ اردو' بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان' ۲۰۱۲ء

Internet Searches

Gordon Goodwin, A Dictionary of National Biography (1885-1900) Volume,23,

en-wikisource/wiki/Hadley-George-(d1798) (DN Boo) Accessed on 04/05/2013

"The Earliest Hindustani Grammar" by Anna Pytlowany, Ref- bc. Library.uu.nl/node/180, Accessed on 07.07.2013

Biographical Dictionary, edited by Gerald H. Anderson, 1999, Wm. B. Eerdsman publishing,

www.notablebiographies.com/supp/supplement-F1-KA/Jones-William.htm,
accessed on 21-05-2012
Garland Cannon,Sir William Jones,Sanskrit,Persian and the Asiatic Society,published in,Histoire Epistemologie langage,vol 6,issue 6.2, (P-83)
en.wikipedia.org/wiki/gercim_lebedev, accessedon 06-07-2013
Ghosh,Prodyot."lebedeff,Heracim(Geracim)Steppanovich."
Bangla pedia,
Asiatic Society of Bengal,... accessed on 06-07-2013